



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

CALL NO. ~~1681-614~~ 2874

Accession No. 36307

سیر العارفین

تالیف

حامد بن فضل اللہ جمالی

مترجمہ و مرتبہ

محمد ایوب قادری



مرکزی اردو بورڈ ۰ گلبرگ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار اول : اپریل ۱۹۷۶ء

قیمت : پندرہ روپے

صفحات : ۴۵۱

ناشر

اشفاق احمد

ڈائریکٹر، مرکزی اردو بورڈ

کلیک ، لاہور

طابع

یونائیٹڈ پرنٹرز (رجسٹرڈ)

۸ - پی ، میلا رام روڈ

درہاڑہ مارکیٹ ، لاہور

ترتیب مضامین

۱۹	...	محمد ایوب قادری (مترجم)	...	ابتدائیہ
۲۵	...	پیر سید حمام الدین راشدی	...	مقدمہ
۲۶	...	مؤلف	...	دیباچہ

سلطان المشائخ خواجہ معین الدین حسن معجزی قدس سرہ

۱	۱ - ابتدائی حالات
۲	۲ - ابراہیم قندوزی مجذوب سے ملاقات
۳	۳ - سمرقند و بخارا کا سفر اور خواجہ عثمان ہرونی سے ملاقات و بیعت
۴	۴ - شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے عقیدت
۵	۵ - بغداد کا سفر
۶	۶ - ہمدان و تبریز کا سفر
۷	۷ - ریاضت و فقر
۸	۸ - خواجہ بزرگ ، اللہ کے محبوب ہیں
۹	۹ - شیخ عثمان ہرونیؒ کا آتش ہرست کے بجھے کو آگ سے نکالنا
۱۰	۱۰ - آکلین پرستوں کا قبول اسلام
۱۱	۱۱ - تبریز و خرقان کا سفر
۱۲	۱۲ - خواجہ بزرگ کے دست مبارک پر بادگار محمد ، حاکم سبزوار کی توبہ
۱۳	۱۳ - خواجہ بزرگ اور حکیم ضیاء الدین بلخی
۱۴	۱۴ - لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقات
۱۵	۱۵ - ورود دہلی
۱۶	۱۶ - اجیر
۱۷	۱۷ - صوفی حمید الدین ناکوری کی توبہ
۱۸	۱۸ - ایک ہندو کا قبول اسلام

۱۹ - حمید الدین صوفی ناگوری اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی

۱۶	کا مذاکرہ
۱۷	۲۰ - بدر الدین موئنہ دوڑ خجندی
۱۸	۲۱ - خواجہ بزرگ کی اولاد کا بیان

سلطان العارفین برہان الواصلین شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

۲۱	۱ - ابتدائی حالات
۲۲	۲ - تعلیم و تربیت
۲۳	۳ - بیعت
۲۳	۴ - کثرت درود اور حضوری رسالت اب علیہ وسلم
۲۵	۵ - برصغیر پاک و ہند میں ورود
۲۵	۶ - ملتان پر مغلوں کا حملہ
۲۶	۷ - شمس الدین التمش کا استقبال کرنا
۲۷	۸ - شیخ الاسلامی کے عہدے سے انکار
۲۸	۹ - نجم الدین صغریٰ ، شیخ الاسلام دہلی
۲۸	۱۰ - شیخ الاسلام کی خواجہ بزرگ سے ملاقات
۲۹	۱۱ - خواجہ قطب الدین کی اجیر کو روانگی
۳۰	۱۲ - ازدواجی زندگی
۳۱	۱۳ - کاکہ کی وجہ تسمیہ
۳۲	۱۴ - خضر علیہ السلام سے ملاقات
۳۳	۱۵ - حوض شمس (دہلی) کی تعمیر
۳۴	۱۶ - مردان غیب سے ملاقات
۳۵	۱۷ - شیخ نظام الدین ابوالموید
۳۶	۱۸ - امساک باران اور شیخ نظام الدین ابوالموید کی دعا
۳۸	۱۹ - ناصری شاعر دربار التمش میں

۳۹	۲۰ - مجلس ساج
۳۹	۲۱ - کشتہ خنجر تسلیم
۴۰	۲۲ - فرید الدین مسعود کی سجادہ نشینی
۴۰	۲۳ - مرقد کے لیے زمین خریدنا
۴۱	۲۴ - وصال

شیخ الشائع و الاولیاء فرید الدین مسعودؒ

۴۲	۱ - والد بزرگوار
۴۳	۲ - والدہ ماجدہ
۴۴	۳ - غرق ہوشی کے بعد ہانسی روانگی
۴۵	۴ - اجودھن میں قیام
۴۶	۵ - قاضیؒ اجودھن کی خصومت
۴۷	۶ - بابا فریدؒ کا تحمل
۴۸	۷ - تعلیم و بیعت
۴۹	۸ - تربیت
۵۰	۹ - ایک فقیر کی گستاخی
۵۰	۱۰ - متصرف کی دشمنی
۵۱	۱۱ - ایک ظالم کی اصلاح
۵۱	۱۲ - ایک نوجوان کا گناہ سے باز رہنا
۵۲	۱۳ - بابا فریدؒ کی دعا سے مریض کو صحت
۵۲	۱۴ - بابا فریدؒ پر جادو
۵۳	۱۵ - درویشوں کی کچ خلتی اور اس کا انجام
۵۵	۱۶ - بالوں کی درازی درویشی نہیں
۵۶	۱۷ - ایک قلندر کا واقعہ
۵۷	۱۸ - بابا فریدؒ کی دعا سے بازی واپسی
۵۹	۱۹ - روغن گر کی بیوی کی بازیافتگی

۶۱	۲۰ - گنج شکر کی وجہ تسمیہ
۶۲	۲۱ - بابا فرید اور چلہ
۶۲	۲۲ - مولانا محمد ملتانی اور دستر خوان
۶۳	۲۳ - ریاضت
۶۳	۲۴ - سلطان نصیر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کی حاضری
۶۴	۲۵ - بابا فرید کی بیماری اور نظام الدین اولیاء کا صحت کے لیے دعا کرنا
۶۵	۲۶ - بابا فرید کی والدہ کی گم شدگی
۶۶	۲۷ - بابا فرید اور شیخ پدر الدین غزنوی
۶۸	۲۸ - بابا فرید کے موئے مبارک کی برکت
۶۹	۲۹ - بابا فرید اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی
۷۰	۳۰ - محمد نیشاپوری کا بیان
۷۰	۳۱ - ضیاء الدین دانشمند
۷۱	۳۲ - ایک شعر پر وجد
۷۱	۳۳ - شمس الدین دیبر کے لیے دعائے خیر
۷۲	۳۴ - مولانا حمید اندرہتی
۷۳	۳۵ - مولانا عارف کا واقعہ
۷۳	۳۶ - مولانا پدر الدین اسحاق
۷۵	۳۷ - مولانا داؤد محمود
۷۶	۳۸ - مریدوں کی تربیت
۷۸	۳۹ - بابا فرید کی بیماری
۷۸	۴۰ - وصال

سلطان المشائخ و الاولیاء نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ

۷۹	۱ - بچپن
۸۰	۲ - دہلی میں تحصیل علم
۸۱	۳ - شیخ نجیب الدین متوکل سے تعلقات

۸۲	۴ - بابا فرید کی خدمت میں حاضری اور بیعت
۸۲	۵ - قرض اور توکل میں بعد المشرقین
۸۳	۶ - دہلی روانگی
۸۵	۷ - قرض کی ادائی
۸۵	۸ - دہلی میں سکونت سے احترازا
۸۶	۹ - غیاث پور میں سکونت
۸۷	۱۰ - امیر سیف الدین لاجپن
۸۷	۱۱ - خواجہ امیر خسروؒ
۸۸	۱۲ - مخلوق کی کثرت
۸۹	۱۳ - ملک ہار ہراں کے خادم کا گھوڑی نذر کرنا
۹۰	۱۴ - نور الدین ملک ہار ہراں
۹۱	۱۵ - بابا فرید کا مصلیٰ اور ٹوپی ملنا
۹۲	۱۶ - فتوحات کا دور
۹۳	۱۷ - اولین خلفاء
۹۳	۱۸ - مولانا فخر الدین زراذی
۹۵	۱۹ - مولانا زراذی کی والدہ کی خوشنودی
۹۷	۲۰ - نصائح نظامی
۹۸	۲۱ - محفل سیاح
۹۹	۲۲ - سلطان علاء الدین خلجی کا اظہار عقیدت
۱۰۰	۲۳ - قطب الدین مبارک شاہ کا نامناسب رویہ
۱۰۵	۲۴ - سلطان علاء الدین کو خوش خبری
۱۰۶	۲۵ - المغضوبون علیٰ خطر عظیم
۱۰۷	۲۶ - شمع نظام الدین اولیاء کا حسن اخلاق
۱۰۸	۲۷ - شمس الدین بزاز
۱۰۹	۲۸ - محی الدین کاشانی کا صحت یاب ہونا
۱۰۹	۲۹ - کھانے میں برکت
۱۱۰	۳۰ - مولانا علاء الدین اصولی ہدایوں
۱۱۱	۳۱ - شیخ عباد کے لڑکوں کی گستاخی

۱۱۲	۳۲ - شرف الدین یحییٰ منیری ...
۱۱۳	۳۳ - ایک دانشمند کا کم شدہ فرمان املاک ملنا
۱۱۴	۳۴ - سماع کی حالت میں موت کی خواہش
۱۱۵	۳۵ - شیخ نظام الدین اولیاء کی ایک کرامت
۱۱۶	۳۶ - حمید قلندر ...
۱۱۷	۳۷ - خواجہ حسن سجزی
۱۱۹	۳۸ - سماع کے متعلق بحث و مذاکرہ
۱۲۲	۳۹ - مولانا اخی سراج
۱۲۲	۴۰ - سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی علالت
۱۲۳	۴۱ - شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو خلافت
۱۲۳	۴۲ - نظام الدین اولیاء کا وصال
۱۲۴	۴۳ - امیر خسرو کا انتقال

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت والدین محمود اودھیؒ

۱۲۵	۱ - پیدائش
۱۲۶	۲ - تعلیم و تربیت
۱۲۶	۳ - بیعت
۱۲۷	۴ - ایثار
۱۲۷	۵ - بہن کی خدمت میں حاضری
۱۲۸	۶ - شیخ برہان الدین غریب کا واقعہ
۱۲۸	۷ - چو آئینہ زنکے نیست
۱۲۹	۸ - اکابر مشائخ چشت کے ملفوظات
۱۲۹	۹ - سماع
۱۳۰	۱۰ - عہد تغلق
۱۳۱	۱۱ - استغراق
۳۲	۱۲ - وصال

۱۳۲	۱ - جانشین
۱۳۳	۲ - سید محمد گیسو دراز

حضرت سلطان المشائخ شیخ نجیب الدین معولؒ

۱۳۴	۱ - خاندان
۱۳۵	۲ - توکل علی اللہ
۱۳۶	۳ - مومن کامل
۱۳۷	۴ - متوکل کی با برکت صحبت
۱۳۸	۵ - فقر و استغناء
۱۳۸	۶ - ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۳۹	۷ - وجہ الدین بدایونی
۱۳۹	۸ - بی بی فاطمہ سام
۱۴۱	۹ - بابا فرید الدین گنج شکر سے ملاقات اور وصال

شیخ الاحلام حضرت بہاء الملہ والدین زکریا ملتانیؒ

۱۴۲	۱ - خاندان
۱۴۳	۲ - تعلیم و تربیت
۱۴۵	۳ - مدینہ منورہ
۱۴۵	۴ - بغداد
۱۴۶	۵ - شیخ جامی کی شہاب الدین احمد سے ملاقات
۱۴۷	۶ - خرقہ پوشی
۱۴۸	۷ - ملتان روانگی
۱۴۹	۸ - سید جلال مرخ کا ہرف کی خواہش کرنا
۱۵۰	۹ - شیخ فخر الدین عراقیؒ

۱۵۲	...	۱۰ - فخر الدین عراقی قونیہ میں ...
۱۵۳	...	۱۱ - صدر الدین احمد نجم الدین سید حسینی صاحب نزہۃ الارواح
۱۵۵	...	۱۲ - شیخ حسن افغان
۱۵۵	...	۱۳ - دیدار کعبہ
۱۵۶	...	۱۴ - ایک امام کی ہراگندہ خیالی
۱۵۶	...	۱۵ - قباچہ بیک حاکم ملتان
۱۵۷	...	۱۶ - التمش کے ابتدائی حالات
۱۵۸	...	۱۷ - قباچہ کی سرکشی
۱۵۹	...	۱۸ - پیش اہل اللہ وجود و عدم دنیا مساوی
۱۵۹	...	۱۹ - کوزہ ہائے ہراز نقرہ با غلہ بخشیدم
۱۶۰	...	۲۰ - مجلس سماع
۱۶۱	...	۲۱ - تقسیم حدود ولایت مابین بابا فرید و زکریا ملتانی
۱۶۱	...	۲۲ - تفسیر عمدہ
۱۶۲	...	۲۳ - خواجہ کمال الدین مسعود شروانی
۱۶۳	...	۲۴ - خواجہ فخر الدین کو ہدایت
۱۶۳	...	۲۵ - عبدالقدوس موصلی
۱۶۵	...	۲۶ - بابا احمد اندبوسی
۱۶۵	...	۲۷ - سید جمال ساؤجی
۱۶۷	...	۲۸ - بابا عبدالقدوس کا مرقد
۱۶۷	...	۲۹ - ختم کلام اللہ
۱۶۸	...	۳۰ - حدیث نبوی کا مفہوم
۱۶۸	...	۳۱ - تعبیر خواب
۱۶۸	...	۳۲ - قلندروں کی کستخی
۱۶۹	...	۳۳ - شیخ زندہ سبستانی
۱۷۰	...	۳۴ - نان ثرید کی فضیلت
۱۷۰	...	۳۵ - بہاء الدین زکریا کے مزار پر شیخ جالی کی حاضری
۱۷۱	...	۳۶ - مولانا کمال الدین اوچی
۱۷۲	...	۳۷ - اتباع سنت

۱۷۳	۳۸ - شیخ بہاء الدین زکریا کے ایک مرید کی کرامت
۱۷۴	۳۹ - مولانا بلال سندھی
۱۷۵	۴۰ - حاجی آرام سندھی
۱۷۵	۴۱ - دو مارہم در آمدند
۱۷۶	۴۲ - مولانا قطب الدین کاشانی
۱۷۷	۴۳ - نجم الدین یوسف کاشغری
۱۷۸	۴۴ - وصال
۱۷۹	۴۵ - مشائخ اربعہ

حضرت سلطان المشائخ والاولیاء شیخ صدرالدین عارفؒ

۱۸۰	۱ - شیخ عارف
۱۸۱	۲ - ترک دنیا
۱۸۱	۳ - شیخ جمال اوچی
۱۸۲	۴ - شیخ احمد معشوق
۱۸۳	۵ - شیخ احمد معشوق کا نائب ہونا
۱۸۴	۶ - مولانا علاء الدین خجندی
۱۸۵	۷ - زنجشیری ، صاحب کشف کا ذکر
۱۸۵	۸ - شیخ رکن الدین کا قرآن حفظ کرنا
۱۸۶	۹ - ایک دانشمند کے حفظ قرآن کا واقعہ
۱۸۸	۱۰ - شیخ صدر الدین کی برکت سے اولاد ہونا
۱۸۸	۱۱ - شیخ بدہ کا واقعہ
۱۹۰	۱۲ - غیاث الدین بلبن کے بیٹے کی بیوی کا واقعہ
۱۹۳	۱۳ - لقبہ می شود بر تو گھر
۱۹۴	۱۴ - شیخ حسام الدین ملتانی بدایونی
۱۹۵	۱۵ - ابراہیم لودی کی تخت نشینی
۱۹۵	۱۶ - شیخ جالی کا سلطان سکندر کا مرثیہ لکھنا

۱۹۶	۱۷ - شیخ عبدالغفور لالان کا خواب
۱۹۶	۱۸ - شمع جالی کی اکابر صوفیہ سے ملاقات
۱۹۸	۱۹ - لمعات عراقی پر مولانا جامی کی رائے

حضرت شیخ المشائخ شیخ رکن الملت والدین ابوالفتحؒ

۱۹۹	۱ - والدہ ماجدہ
۲۰۰	۲ - طفلی
۲۰۰	۳ - قبلہ حاجات
۲۰۱	۴ - دہلی میں آمد اور سلطان علاء الدین کا استقبال کرنا
۲۰۱	۵ - قرآن السعدین
۲۰۲	۶ - سلطان سے ملاقات اور رعایا کی شکایات
۲۰۳	۷ - بابا فرید کا عرس اور مجلس سماع
۲۰۴	۸ - محل کا گرنا اور غیاث الدین تغلق کی موت
۲۰۴	۹ - شیخ وجیہ الدین عثمان سناسی
۲۰۶	۱۰ - شیخ عثمان کا دہلی پہنچنا
۲۰۶	۱۱ - مجلس سماع
۲۰۸	۱۲ - وصال

شیخ محمد حمید الدین لاہوریؒ

۲۱۰	۱ - دہلی میں آمد
۲۱۰	۲ - شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت
۲۱۱	۳ - ظاہری اطاعت - محل
۲۱۲	۴ - صغیر بہ از کبیر
۲۱۲	۵ - سماع

۲۱۲	۶ - مولانا رکن الدین سمرقندی
۲۱۳	۷ - شرف الدین بحری
۲۱۴	۸ - تصانیف
۲۱۵	۹ - شیخ احمد نہروالی ہدایونی
۲۱۶	۱۰ - عین الدین قصاب
۲۱۷	۱۱ - شیخ شاہی رسن تاب ہدایونی
۲۱۸	۱۲ - شرط انصاف و محبت
۲۱۹	۱۳ - شیخ نظام الدین ابوالدؤید ہداؤں میں
۲۲۰	۱۴ - شیخ شاہی رسن تاب ہدایونی کا وصال
۲۲۱	۱۵ - حمید الدین ناگوری کی تحریر
۲۲۲	۱۶ - مجلس سماع اور نزول بارش
	۱۷ - وصال

سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

۲۲۳	۱ - سید جلال سرخ
۲۲۵	۲ - شیخ جلال اوچی کی خدمت میں
۲۲۶	۳ - جہاں گشت
۲۲۶	۴ - شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت
۲۲۷	۵ - غریب کی سفارش
۲۲۸	۶ - مخدوم جہانیاں
۲۲۸	۷ - درجہ ولایت و معرفت
۲۳۰	۸ - شیخ راجو قتال
۲۳۱	۹ - ہندو داروغہ کا قضیہ
۲۳۳	۱۰ - شیخ کبیر الدین اسماعیل کا راجو قتال سے عوارف پڑھنا
۲۳۳	۱۱ - فرزندان شیخ کبیر الدین اسماعیل
۲۳۳	۱۲ - ایک بچے کا انتقال

۲۳۵	۱۲ - کار دنیا را بر کار دین مقدم نباید داشت
۲۳۵	۱۳ - یادداشت
۲۳۵	۱۴ - سومرہ حاکم اوج
۲۳۶	۱۶ - آخری حج
۲۳۶	۱۷ - قابوت بدرالدین یمنی
۲۳۷	۱۸ - وصال

مطمان المشائخ شیخ جلال الدین تبریزیؒ

۲۳۹	۱ - کہالات ظاہری و باطنی
۲۳۹	۲ - شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضری
۲۴۰	۳ - غرباء پر شفقت
۲۴۱	۴ - دہلی میں آمد اور سلطان التمش کا استقبال کرنا
۲۴۲	۵ - شیخ جلال تبریزی اور خواجہ بختیار کاکی کی ملاقات
۲۴۳	۶ - شیخ نجم الدین صغریٰ کو ندامت
۲۴۴	۷ - شیخ الاسلام کی تہمت قراشی
۲۴۵	۸ - کار ہاکاں پر قیاس خود مکیر...
۲۴۷	۹ - بدایوں میں قیام
۲۴۸	۱۰ - قاضی کمال الدین جعفری بدایونی
۲۴۹	۱۱ - قیام ہنگالہ

شیخ المشائخ شیخ سماء الدینؒ

۲۵۲	۱ - اخلاق عالیہ
۲۵۲	۲ - نماز تہجد
۲۵۳	۳ - ایثار

۲۵۳	۴ - گم شدہ گائے کا ملنا
۲۵۳	۵ - کشتہٴ سیلاب ...
۲۵۴	۶ - اخلاق مجددی (صلی اللہ علیہ وسلم)
۲۵۵	۷ - والد بزرگوار کی دعا
۲۵۵	۸ - شیخ کبیر الدین اسماعیل سے بیعت
۲۵۶	۹ - برگام نبی قدمہ نہادہ
۲۵۶	۱۰ - معمولات
۲۵۸	۱۱ - شفقت علی الخلق
۲۵۸	۱۲ - سلطان حسین شرقی اور سلطان بہلول لودی
۲۵۹	۱۳ - سلطان بہلول لودی کو نصیحت
۲۶۱	۱۴ - قاضی بدر الدین بیانوی
۲۶۲	۱۵ - شیخ سہاء الدین اور شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی میں ملاقات
۲۶۲	۱۶ - شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی
۲۶۳	۱۷ - باطنش با نور حق پیراستہ ...
۲۶۴	۱۸ - شیخ جمالی سے تعلق خاطر ...
۲۶۵	۱۹ - شیخ عبداللہ بیابانی (فرزند اکبر)
۲۶۶	۲۰ - شیخ نصیر الدین (فرزند دوم)
۲۶۶	۲۱ - شیخ عبدالغفور لاڈل
۲۶۷	۲۲ - شیخ جمالی کا شیخ عبداللہ بیابانی سے ملاقات کا اشتیاق...
۲۶۷	۲۳ - وصال
۲۶۹	۲۴ - پنجم ترا شمرد نبی ۶ در چہار یار

ضمیمہ

۲۷۳	عہد سلطنت (سنین)
۲۷۵	تاریخ طبع سیر العارفین
۲۷۶	کتابیات
۲۸۷	اشاریہ

بخدمت شریف

استاذی المحترم جناب ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خان صاحب مد ظلہ العالی
(سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد سندھ)

جن کی بزرگانہ شفقتیں ہمیشہ میری رہنمائی اور رہبری فرماتی ہیں -

محمد ایوب قادری

ابتداء ائیدی

حامد بن فضل اللہ جالی (متوفی ۱۰ ذی قعدہ ۸۹۳ھ/۱۵۳۶ع) اپنے زمانے کے نامور شاعر، ادیب، سیاح اور صوفی گزرے ہیں۔ انھوں نے علم و ادب کی مجلسوں کو رونق بخشی، مشایخ و صوفیہ کے معتقد و معتمد اور امراء و سلاطین کے جلس و ندیم رہے۔ ان کی شاعری کی داد حضرت جاسیؒ نے دی۔ انھیں ”خسرو ثانی“ کا لقب سزاوار ہوا۔ وہ صاحب دیوان شاعر ہیں، انھوں نے مراۃ المعانی اور مہرو ماہ جیسی بلند پایہ مثنویاں لکھیں۔

فارسی نثر میں ان کی یادگار ”سیر العارفین“ ہے جو برصغیر پاک و ہند کے اجل، شائخ و صوفیہ کا اولین تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے ہمیں صوفیہ کا کوئی مستقل تذکرہ نہیں ملتا۔ سیر العارفین کی تالیف کے متعلق خود جالی لکھتے ہیں کہ جب میں بلاد اسلامی کے سفر سے واپس آیا اور وہاں کے عجائب و آثار، علما و صلحاء کی ملاقات اور انبیاء و اولیاء کی زیارات کے حالات و واقعات احباب کو سنائے تو مجھین و مخلصین اور ارباب صدق و صفا نے مجھ سے خواہش کی کہ یہ علمی و روحانی روداد سفر قلم بند کر دی جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی کچھ فوائد و برکات حاصل کر سکیں۔ چونکہ یہ روداد طویل تھی اور اس کے لکھنے کے لیے وقت چاہیے تھا لہذا جالی نے اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ برصغیر پاک و ہند کے مشائخ عظامؒ کا ایک تذکرہ لکھا جائے اور ارباب صدق و صفا کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں جالی نے ایک خاص بات کی طرف اور بھی اشارہ کیا ہے کہ

جاہل مجاور اور نااہل معتقد ناواقف عوام سے ان بزرگوں کے متعلق خلاف واقعہ باتیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”زیرا کہ بیشتر احوال و اعمال اسلوب و منوال این بزرگان اہل کمال بعض مجاوران سہل و معتقدان نا اہل در حقوق افواہ مردمان ناوقوف سخنان مختلف غیر واقع انداختند و مستمعان سہوت و نا ثبوت کہ بدان کلمات اعتقاد و اعتقاد می نمایند، باز دارم۔“

جالی نے مستند مآخذ کی روشنی میں یہ تذکرہ مرتب کیا اور ”سیرالعارفین“ اس کا نام رکھا۔ انہوں نے یہ تذکرہ نصیرالدین بہایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے لہذا اس کا زمانہ تالیف بھی متعین ہو جاتا ہے۔ بہایوں ۹۰۲ھ میں تخت نشین ہوا اور جالی کا انتقال ۱۵۳۶/۹۰۲ع میں ہوا لہذا یہ تذکرہ صوفیہ ’سیرالعارفین‘ ۱۵۳۸/۹۰۳ع اور ۱۵۳۵/۹۰۱ع کے درمیان مرتب ہوا اگرچہ مؤلف نے اس سلسلے کا کچھ مواد پہلے سے بھی لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

’بنا بر این معنی ہرچہ معلوم دانستہ و مرقوم یافتہ بودم مسودہ نمودم و این مجموعہ معرفت را کہ اکثر احوال و اعمال صورت و سیرت عارفان صاحب کمال است، سیرالعارفین نام نهادم‘

جالی نے اس تذکرہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی ہے وہ یہ ہیں:

طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی، (یرنی)، سیرالاولیاء، خیرالمجالس، فوائدالفواد، طربالمجالس، مناقب قطبی، خزائن جلالی وغیرہ۔ انہوں نے بعض ثقہ اور واقف حال بزرگوں کی روایات اور یادداشتوں سے بھی مدد لی ہے اور مشائخ چشت کے ملفوظات، سیرالاولیاء، فوائد الفواد اور خیرالمجالس سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ چشت سے منسوب ملفوظات انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرارالاولیاء، راحت القلوب، افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین وغیرہ یا تو وجود میں نہیں آئے تھے یا ان کو جالی نے خود ہی مسترد کر دیا اور ان کا ذکر بھی مناسب نہیں سمجھا۔

جالی نے سیرالاولیاء، خیرالمجالس اور فوائدالفواد سے سب سے زیادہ استفادہ

کیا ہے اور ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ سیرالعارفین میں منقول روایتوں کی ان کتابوں سے نشاندہی کر دیں۔

جالی کا یہ تذکرہ عہد سلاطین کے مشائخ و صوفیہ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس وقت تک برصغیر میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلے کے مشائخ نے اپنا کام شروع کیا تھا اور یہ مشائخ مسلم معاشرہ کی تعمیر و تہذیب میں مشغول تھے ان کی سرگرمیاں لاہور و ملتان سے لے کر بنگال و بہار تک برگ و بار لا رہی تھیں اور مسلم معاشرے کو استحکام بخش رہی تھیں۔ سیرالعارفین میں چشتیہ سلسلے کے چھ مشائخ (۱) خواجہ معین الدین چشتیؒ (۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۳) بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۴) خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۵) شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (۶) شیخ نجیب الدین متوکلؒ اور سہروردی سلسلے کے سات شیوخ (۱) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (۲) شیخ صدر الدین عارفؒ (۳) شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ (۴) شیخ حمید الدین ناگوریؒ (۵) مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ (۶) شیخ جلال الدین تبریزیؒ (۷) شیخ بہاء الدین کمبوہؒ کے حالات شامل ہیں۔

ان تیرہ مشائخ کے حالات مستقل ابواب کے تحت ہیں لیکن ضمنی طور سے بہت سے مشائخ و صوفیہ کے حالات و واقعات اس کتاب میں آ گئے ہیں۔ پاکستان کی علمی و روحانی اور ثقافتی و تہذیبی تاریخ کے اعتبار سے سیرالعارفین ایک اہم تذکرہ ہے۔ پاکستان کے ممتاز اجل مشائخ (۱) بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۲) بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (۳) صدر الدین عارفؒ (۴) شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ (۵) مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ (۶) نجیب الدین متوکلؒ برادر بابا فرید گنج شکرؒ اور (۷) شیخ بہاء الدین کمبوہؒ (ملتانی) نیز اور بہت سے دوسرے پاکستانی مشائخ کی روحانی و تبلیغی کوششوں اور مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ گویا سیرالعارفین پاکستان کے عہد سلطنت کے مشائخ و صوفیہ کی روحانی سرگرمیوں کا ایک مرقع ہے۔

سیرالعارفین میں جالی نے اپنے سفر کی جو مختصر سی روداد جا بجا قلم بند کر دی ہے اس سے اس کی قیمت میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔ علمی و ثقافتی تاریخ کی تدوین کے سلسلے میں یہ اشارات نہایت قیمتی ہیں۔ برصغیر کی علمی و ثقافتی، روحانی اور معاشرتی زندگی کے متعلق بھی ہمیں سیرالعارفین میں بعض قیمتی

اشارے ہوتے ہیں اور یہ اشارے علمائے تاریخ کے لیے مستقل دعوت فکر دیتے ہیں۔ جالی، قلندروں اور حیدری و طوسی درویشوں کا بالخصوص ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ باطنیوں اور قرامطیوں کے سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سیرالعارفین میں چشتیہ سلسلے کی صابری شاخ کے شیوخ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ تاریخ تصوف کا یہ المیہ ہے کہ عہد سلطنت کے تاریخی مآخذ یا بعض دوسرے سوانحی ادب و ملفوظات میں شاہ صابر اور ان کی شاخ کا مطلق ذکر نہیں ملتا۔ سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں یہ شاخ برگ و بار لاتی ہے۔ جالی پر تعصب کا بھی الزام عائد نہیں ہوتا کیونکہ وہ سہروردی سلسلے سے منسلک ہیں اور ایک باخبر اور غیر جانبدار تذکرہ نویس اور وقائع نگار ہیں۔

سیرالعارفین سے بعد کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے خاصا استفادہ کیا ہے۔ تاریخ فرشتہ کے آخر میں مشائخ کے جو حالات شامل ہیں، وہ سیرالعارفین کی کامیاب تلخیص اور انتخاب ہے۔ دور جدید کے تذکروں مثلاً آب کوثر اور بزم صوفیہ وغیرہ میں اس دور کے مشائخ کے حالات کے لیے تذکرہ سیرالعارفین ایک خاص مآخذ رہا ہے۔ غرض برصغیر کے عہد سلطنت کے مشائخ و صوفیہ کی تذکرہ نویسی کے سلسلے میں سیرالعارفین کی اہمیت مسلمہ ہے۔

سیرالعارفین کا فارسی متن صرف ایک مرتبہ ۱۳۱۱ھ میں رضوی پریس دہلی میں طبع ہوا تھا۔ ہم نے اسی نسخے سے ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ کے اصل صفحے کا حوالہ دے دیا ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ اصل متن کی پوری پوری ترجمانی ہو، زبان سلیس اور سادہ اختیار کی ہے تاکہ پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ مستفید ہو سکیں۔ حسب ضرورت مختصر حواشی بھی اضافہ کئے ہیں اور پیرا گراف اور سرخیاں بھی۔

سیرالعارفین کا اردو ترجمہ ۱۳۱۹ھ میں شیخ غلام احمد (ف ۱۳۶۲/۱۹۴۳ع) ولد غلام محمد سنہلی نے ایک فارسی خطی نسخے سے کیا تھا جو ۱۱۲۷ھ کا مکتوبہ تھا۔ یہ ترجمہ صرف دو سو کی تعداد میں شمس المطایع و عرش المطایع

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ”سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات“ میں سیرالعارفین پر تنقیدی اشارے کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو: خیر المجاہدین کا مقدمہ الخلیق احمد نظامی ص ۱۲-۱۷۔

مراد آباد سے شائع ہوا تھا۔ ترجمہ پرانے انداز کا ہے۔ مترجم نے بغض جگہ تلخیص سے بڑی کام لیا ہے۔ انہوں نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصے میں (۱) خواجہ معین الدین اجمیریؒ (۲) شیخ زکریا ملتانی (۳) خواجہ بختیار کاکی (۴) بابا فریدؒ (۵) صدر الدین عارف (۶) نظام الدین اولیاء اور شیخ جالی کے حالات شامل ہیں۔ اور دوسرے حصے میں بنیہ سات مشائخ کے۔ شیخ جالی کے حالات دو صفحات پر مشتمل ہیں جو مترجم نے خود شامل کیے ہیں لیکن اس اضافہ کی صراحت کہیں نہیں کی ہے۔ مترجم نے ایک آدھ جگہ اور بڑی ایسا اضافہ کیا ہے مثلاً شیخ سہاء الدین کے حالات میں پانچ اشعار کا ایک قطعہ تاریخ شامل کیا ہے جو متن کتاب میں موجود نہیں ہے اور یہ قطعہ تاریخ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے متعلق ہے مگر شیخ غلام احمد سنبھلی نے اس کو شیخ سہاء الدین سے متعلق کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ (بار اول) نہایت کمیاب ہے۔ جناب محمد اقبال مجددی لاہور کے ذخیرہ عمیہ سے ہمیں یہ نسخہ ملا جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

مقابلے کے وقت بعض اختلاف نسخہ ہم نے اس ترجمے سے بھی دیے ہیں اور اس کو نسخہ اول سے تعبیر کیا ہے۔ سیر العارفین کا ایک فارسی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں بھی محفوظ ہے۔ کتابت کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت اچھا ہے۔ یہ نسخہ بھی ہمارے پیش نظر رہا ہے۔ دراصل یہ نسخہ سیر العارفین کی تلخیص ہے جو ایک صاحب سید عبدالقادر عرف عبدالقادر خان نے کی ہے۔

میں جناب اشفاق احمد صاحب ڈائریکٹر مرکزی اردو بورڈ (لاہور) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو بورڈ کی مطبوعات میں شامل کر کے علم و ادب اور تاریخ کی ایک اہم خدمت انجام دی۔

میں مخدومی پیر حسام الدین راشدی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا جس میں انہوں نے جالی کی سیرت و سوانح پر سیر حاصل بحث کی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین ساہن ہال شریف بھی میرے شکرے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک قطعہ تاریخ طبع مرحمت فرمایا۔ میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، میاں جمیل احمد شرقپوری صاحب اور علامہ اقبال احمد فاروقی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان حضرات نے مفید مشورے دیے۔

جناب محترم حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسوی، جناب حکیم محمود احمد برکاتی، عبدالرؤف عروج، معین الدین عقیل بھی میرے شکرے کے مستحق ہیں کہ ان حضرات کے کتب خانوں سے بعض کتابیں مجھے ملیں۔
 کتاب کے آخر میں ہم نے عہد سلطنت کے بادشاہوں کی تخت نشینی کی ایک جدول بطور ضمیمہ شامل کر دی ہے۔ اسی طرح کتابیات او: اشارہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

محمد ایوب قادری

۱۴ ستمبر ۱۹۷۵ء

۷ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

اے/۱۷/این بلاک،

نارتھ ناظم آباد، کراچی ۲۲

مقدمہ

نام :

کتابوں میں جہلی کو مختلف طریقوں سے یاد کیا گیا ہے۔ درویش جہلی، مولانا جہلی^۱، ملا جہلی^۲، شیخ جہلی^۳ اور ان کے نام کے متعلق مختلف روایتیں موجود ہیں جن کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں :

۱۔ اخبار الاخبار کے مصنف نے ان کا اصل نام جلال خاں لکھا ہے۔ نام کی رعایت سے پہلے انھوں نے جلالی تخلص اختیار کیا اور بعد میں اپنے پیر و مرشد مولانا سہاء الدین کے ارشاد پر بدل کر ”جہلی“ کر دیا۔ صبا نے اپنے تذکرہ روز روشن میں اسی کا تتبع کیا ہے^۴ نیز خزینۃ الاصفیاء نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ سراء المعانی، میں سہاء الدین کے مدحیہ اشعار کے آخر میں یہ بیت آئے ہیں :

از جہالش شد جہلی آفتاب زان جہلی را جہلی شد خطاب
از حالش در جہالم نور خاست نسبت من در جہالش گشت راست
نسبت من با جہال او پس است در جہال من کمال او پس است

نسبہ ان ہی اشعار کی بنا پر تذکرہ نگاروں نے جہال خاں نام اخذ کیا ہے۔ اس سے اتنا واضح ہے کہ جہلی تخلص مرشد کا دیا ہوا ہے۔

۱۔ ایتھے ۲۶۳، اسٹوری ص ۹۷۰۔

۲۔ مخزن الغرائب ص ۵۱۱، آثار صنادید ص ۴۔

۳۔ ریاض الشعراء ورق ۸۲۔

۴۔ ہدایونی ۱ : ۳۲۳، ہفت اقلیم ۱ : ۳۷۰، اخبار الاخبار ص ۲۲۷، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۸۴، طبقات اکبری ۱ : ۳۴۰، تاریخ ہندی حارثی (اورینٹل کالج میگزین

نومبر ۱۹۳۸ء) ص ۷۵۔

۵۔ اخبار الاخبار ص ۲۳۷، ص ۴۲۸۔

۶۔ صبا ص ۱۰۴، خزینۃ الاصفیاء ۳ : ۸۴۔

۲۔ مستغیب التواریخ میں ہدایونی نے تین مواقع پر ان کا ذکر کیا ہے :
(الف) : سکندر لودھی کے ساتھ شاعرانہ صحبتوں کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
”و صحبت او (سکندر) بشیخ جالی ازیں رہگذر خوش برآمدہ بود“

(ب) : دوسری مرتبہ شعرائے عہد سکندری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :
”از جملہ شعرائے عصر سکندری شیخ جالی کنبوی دہلوی مذکور است“

(ج) : آخری مرتبہ ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
”دریں سال (۹۲۷ھ) جالی کنبوی دہلوی از عالم فنا بملک بقا رسید“

تینوں مرتبہ ان کا نام نہیں لیا، فقط تخلص سے یاد کیا ہے۔ ایک اور جگہ شیخ
عبد اللہ تلمیذی کے ذکر میں ان کے نام اور شاگردوں کے نام گنائے ہوئے لکھا ہے :
”زیادہ از چہل عالم نعریر متبعر از پائے دامن شیخ عبد اللہ مثل میاں لادن
(عبد الغفور) و جمال خان دہلوی و شیخ گوالیاری و میران سید جلال
ہداؤنی و دیگران برخاستہ اند“۔

جالی اور شیخ لادن، مذکور ایک ہی پیر یعنی شیخ سناء الدین کے مرید تھے
اور جالی نے سیر العارفین میں کئی جگہ ان کا نام لیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے
مقالے میں اسی بنا پر قیاس سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ
”قرین قیاس ہے کہ اس جمال خان دہلوی سے مراد مولانا جالی ہی ہیں اور
اس طرح اخبار الاخیار کی ایک گونہ تائید ہو جاتی ہے“۔
ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ میں دو طرح سے نام لیا ہے۔ جمال خان اور جلال خان،
اخبار الاخیار میں جلال خان مرقوم ہے اور ہدایونی نے جمال خان لکھا ہے۔ ظاہر ہے
کہ ڈاکٹر نذیر احمد کا یہ خیال یا قیاس صحیح نہیں ہے۔

۱۔ ہدایونی ۱ : ص ۳۲۳۔

۲۔ ہدایونی ۱ : ص ۲۲۵۔

۳۔ ہدایونی ۲ : ص ۳۴۷۔

۴۔ ہدایونی ۱ : ص ۳۲۴۔

۵۔ خسرو ثانی شیخ جالی دہلوی مطبوعہ محلہ ”اردو ادب“ ج ۳ شمارہ ۱ ص ۱۱۳
آئندہ جہاں ڈاکٹر نذیر احمد کا نام آئے تو یہی مقالہ سمجھتے چلیے۔

۴۔ تاریخ ہمدی حارثی میں نام شیخ جالی کنبوی دہلوی شاعر مشہور از مشائخ

طریقت سرقوم ہے۔

۵۔ تذکرہ حسینی میں حاجی جلال خاں جالی کنبوی دہلوی نام آیا ہے۔

۶۔ شمع النجمن میں صدیق حسن خاں نے دو نام دیے ہیں :

”نامش شیخ فضل اللہ یا جال خاں“۔

۷۔ خزائنہ عامرہ میں آزاد نے جال خاں یا جلال خاں چھوڑ کر ان کا نام فضل اللہ لکھا ہے۔

”شیخ جالی دہلوی..... نامش شیخ فضل اللہ است“۔

۸۔ آثار صننادید میں ”رسید نے دو نام دیے ہیں :

”شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خاں مولانا جالی“۔

۹۔ مجمع المناس میں خان آرزو نے نہ فقط نام فضل اللہ لکھا ہے بلکہ جالی کا ایک شعر بھی سند کے طور پر دیا ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شعر کس سلسلے میں شیخ نے لکھا ہے کیونکہ سیر العارفین سے اس کی نفی ہوتی ہے۔

خان آرزو لکھتے ہیں :

”جالی دہلوی ، نامش فضل اللہ است“

شعر ہے :

نامم از ان جال فضل اللہ آمدہ کز فضل آن جال ، قزو شد فضائل

۱۰۔ نتائج الافکار میں ہے :

”مردیک دیدہ خوش مقالی شاہ فضل اللہ جالی“۔

۱۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ء ص ۷۵۔

۲۔ تذکرہ حسینی ص ۸۳۔

۳۔ شمع النجمن ص ۱۰۶۔

۴۔ خزائنہ عامرہ ص ۱۷۷۔

۵۔ آثار الصنادید ص ۴۷۱ - ۴۷۲۔

۶۔ نتائج الافکار ص ۱۵۳۔

۱۰۔ **ابوہد کی تلاش** میں اسپرنگر نے کتاب ”بیان حقایق اجول سید المرسلین“ کے تحت فضل اللہ جالی دہلوی نام دیا ہے۔ نذیر احمد کا خیال ہے کہ ”سیر العارفین“ میں شیخ نے ایک جگہ اپنا نام ”جالی فضل اللہ“ بتایا ہے جس کے درمیان ”ابن“ چھوٹ گیا ہے۔ اس مغالطہ کی بنا پر اسپرنگر نے یہ نام دیا ہے، لیکن اسپرنگر نے جس کتاب کے تحت یہ نام دیا ہے وہ جالی دہلوی کی نہیں بلکہ جالی اردستانی کی کتاب ”مصابح الارواح“ (تصنیف ۵۸۶۸) کا ایک حصہ ہے جس کا ذکر تصانیف کے سلسلے میں آ رہا ہے۔

۱۱۔ سیر العارفین :

اب دیکھنا یہ ہے کہ شیخ جالی نے ”سیر العارفین“ میں خود اپنا نام کس طرح دیا ہے۔ ہمارے سامنے اس کا طبعہ نسخہ (مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۱ھ) ہے جس کے دیباچہ میں شیخ نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے :

”معتقد اہل اللہ حامد بن فضل اللہ ، الراجی الیٰ حضرتہ المتعالیٰ المعروف بہ درویش جالی“

سیر العارفین کے جتنے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں یہی نام آیا ہے، پس ظاہر ہے کہ شیخ کا نام حامد تھا ، والد کا فضل اللہ اور تخلص جالی تھا۔ فہرست نگاروں نے مختلف خطی نسخے دیکھ کر یہی نام لکھا ہے۔

قوم :

کنبہ قبیلے سے جالی کا تعلق ہے جو پنجاب ، یوپی ، اور نواح دہلی میں بکثرت آباد ہے۔ یہ لوگ بنیادی طور پر زراعت پیشہ تھے۔ جنہوں نے تعلیم پائی ، وہ دینی اور دنیوی مناصب پر فائز ہوئے جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے :

”خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی ، مثل قضا و افتا اکثر یہ قوم کنبہ تعلق داشت و دارد“

- ۱۔ اسپرنگر ص ۴۶۶۔
- ۲۔ اردو ادب ص ۱۱۳۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے یہ حوالہ خطی نسخے کا دیا ہے جو ندوہ کے کتب خانے کی ملک ہے اور اس کے ۴۸ ورق پر یہ نام آیا ہے۔
- ۳۔ دیکھیے : ایتھے ، ریو ، اسٹوری ۹۶۸۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے ایک خطی نسخہ میں احمد بن فضل اللہ دیکھا ہے۔ ظاہر ہے یہ کاتب کی غلطی ہے۔
- ۴۔ خزانہ عامرہ ص ۱۷۷۔

جالی بھی ایک ایسے ہی گھرانے میں پیدا ہوئے جو دینی تعلیم کے لحاظ سے اپنے دور میں معزز و محترم تھا۔

تولد ، والد ، تعلیم و تربیت :

جالی کب پیدا ہوئے، یہ کہیں سے معلوم نہ ہو سکا۔ اگر وفات کے وقت (۱۹۴۷ء) ہم ان کی عمر ۸۰ برس قرار دیں تو ان کی ولادت کا سال ۱۸۶۷ء بتا ہے ایتھے نے ”سفینہ“ خوشگوار کی سند پر لکھا ہے کہ وہ دہلی کے نزدیک (نواح میں) پیدا ہوا۔ اسی نزدیک اور قیام دہلی کی وجہ سے وہ دہلوی کہلائے۔

اخبار الاخبار نے لکھا ہے کہ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اور تعلیم و تربیت سب ان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے :

”اورا پدر او یتیم گذاشته بود، بنا بر استعداد و قابلیت کہ داشت، تربیت یافت و کسب کرد و شاعر شد“

ان کے ظاہری استادوں کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم جہاں بھی اور جس طرح بھی پائی وہ مکمل تھی اور جب سفر کو نکلے ہیں تو دینی اور دنیوی علوم میں ان کو کامل مہارت اور دسترس حاصل تھی۔ یہی سبب تھا کہ سفر میں اپنے دور کے جید علماء، مشائخ اور شعراء سے وہ برابری کی حیثیت سے ملتے رہے۔ اور ان سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے۔ سفر میں مخدوم بلال سندھی نے ان سے ”عوارف المعارف“ کے چند مقامات پڑھے، ان کی علمی مہارت کو دیکھتے ہوئے شیخ شہاب الدین سہروردی کے سجادہ نشین نے ”عوارف“ کا وہ نسخہ انہیں دے دیا جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا۔ ملتان میں مولانا کمال الدین حسینی سے بیحد تعلقات پڑھے۔ احیاء العلوم اور عوارف المعارف پر ان کو کامل دسترس تھی۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے مابین بہت سے علمی موضوعات زیر بحث آئے ہوں گے۔ مولانا جاسی سے ملے تو برابری کی حیثیت سے ملے، شعر سنائے اور ان کے مہان خانے میں مقیم ہوئے، لمعات کے سلسلے میں بات نکلی تو جاسی سے اختلاف کیا چنانچہ ان کا نظریہ برحق ثابت ہوا۔ ہرات میں اس وقت جتنے مشاہیر علم و عرفان تھے ان کے

ساتھ دوستی اور مخلصانہ روابط قائم کیے۔ تبریز پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کی ادبی استعداد سے متاثر ہوئے اور عصارِ تبریزی کے پہنچنے پر مشنوی لکھنے کی فرمائش کر دی۔ چنانچہ مہر و ماہ، اس فرمائش کا نتیجہ ہے۔ ان کی شاعری اور ان کی نثری کتاب ان کی ادبی اور دینی مہارت اور عرفانی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔

ظاہری اساتذہ میں بدایوں والے جلال خاں دہلوی کا نام دیکھ کر ڈاکٹر نذیر احمد نے مولانا عبداللہ تلمیذی (متوفی ۱۹۲۲ء) کو ان کا استاد قرار دیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا، اگرچہ شیخ لاڈن کی دوستی کی وجہ سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مولانا عبداللہ تلمیذی جیسے عظیم النظیر عالم سے جہاں کے اگرچہ شاگردی اور استادی کے تعلقات نہ سہی لیکن روابط ضرور ہوں گے اور ان کی صحبتوں سے علمی فائدہ ضرور پہنچا ہوگا۔

جہاں نے اپنے ترکِ تعلیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے :

”درانِ زمانِ بغا طرم گزشت کہ فی الحال بعد از ترکِ تعلیم ظاہرِ کیرم و بصفائی باطنی کلی مشغولِ گردم، این معنی کہ در دلم گزشت فی الحال بدبشاں مکشوف گشت، بر فور فرسودند کہ تعلیم کہ بنائے شرع است و اساس دینی بدان پرہا است، ترکِ نیاید کرد! از خدای تبارک و تعالیٰ خواستہ ام کہ اصل ظاہر و باطن از تو فائدہ گیرند“

اور ویسے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ابھی تکمیلِ درس کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا میلانِ تصوف کی طرف ہو گیا۔ اور ظاہری تعلیم کو ترک کر کے صفائیِ باطن کے لیے مرشد کی خدمت میں رہنے کی سوچی چنانچہ ان کے پیر شیخ سہاء الدین کنہوہ نے جو ان کے خالو اور بعد میں خسر ہوئے، ایسا کرنے سے روکا جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ سہاء الدین پیر طریقت (دہلی)

شیخ سہاء الدین کنہوہ ملتان کے رہنے والے تھے۔ بعد میں ترکِ وطن کر کے دہلی میں آکر مقیم ہوئے اور ایک عرصے تک رتھنپور میں بھی ان کا قیام رہا۔

پہلے دور کے جید عالم اور برگزیدہ شیخ طریقت تھے۔ جہاں نے لکھا ہے :

۱۔ تاریخ وفات ہے اولئک لہم درجات العللی - بدایونی ۱ : ۳۲۵ -

۲۔ سیر العارفین ص ۱۷۵ -

۳۔ ریاض الشعراء نسخہ خطی باب ج -

”اگرچہ از جماعہ مشائخ کبار متاخرین بود - فاما از روی علم ظاہر و باطن ، آثار جنید و بایرید در اطوارش می نمود ، در جذب خواطر تصرفی عظیم داشت“

جالی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خدمت میں مدارج عرفانی اور علوم روحانی طے کر کے مقامات اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ جالی نے سیرالعارفین میں ان کا حال لکھا ہے اور اپنے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ ”کئی فصائد ان کی مدح میں کہیے ہیں اور مثنوی ، ”ہر و ماہ“ ان ہی کے نام معنون کی ہے۔ اور مثنوی ”مرآۃ المعانی“ میں نہ فقط ابتدا میں ان کی مدح کی ہے بلکہ پوری مثنوی میں مرشد سے انتساب کیے ہوئے عرفانی کیفیت کا پرتو موجود ہے۔ جالی نے فقط روحانی اور باطنی علوم اپنے مرشد سے حاصل نہیں کیے بلکہ ان کی مجلس اور صحبت میں رہ کر ظاہری علوم کا استفادہ کرتے رہے۔ جالی اکثر اپنے پیر کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ

”سالما این حقیر بملازمت و خدمت آنحضرت می بود و بذیدہ ظاہر و باطن معاینہ می نمود و روش و اخلاق آن مرشد آفاق حیرتم می افزود .. این حقیر از نماز نیم شب تا نماز اشراق از حضرت ایشاں متفک نمی گشت ، کاوخ استنجا از بیرون شہر در سبیلہا نہادہ بر سر آکرده می آورد و آب وضو نیز مہیا می داشت و بدست مبارک ایشاں می ریخت“

اسی طرح مسلسل حاضری میں وہ وقت بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جس وقت ان کے پیرو مرشد مجالس درس منعقد کیا کرتے تھے ، لکھا ہے :

”بعد از تفرج نماز چاشت و اشراق کہ مشغول سبق و درس علما و صلحا می شدند ، نیز حاضر می بود ، بمقدار نیم روز در تدریس اشتغال می نمودند ، بیشترے درس گفتن حضرت ایشاں تفاسیر و احادیث و اصول فقہ بہ بعض طالب علما کہ پائے دانشمندی داشتند ، بود“

اسی طرح حضرت شیخ سماء الدین کنبوہ نے جالی کو جہاں روحانی بلندی بخشی

۱ - سیرالاولیا ص ۱۷۱-۱۷۲ -

۲ - سیرالعارفین ص ۱۷۵ -

۳ - سیرالعارفین ص ۱۸۳ -

وہاں ظاہری علوم میں بھی ان کی تربیت کی اور اس طرح دینی اور دنیوی علوم میں ان کو اعتدالی اور ارفع مراتب پر پہنچا دیا۔

حضرت شیخ نے ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔ جالی اس وقت ان کی خدمت میں موجود تھے۔ وفات سے چند دن پہلے پرے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ بیابانی کو دیکھنے کی آرزو کی جو مدت مدید سے ترک دنیا کر کے بیابانیوں اور جنگلوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ جالی ڈھونڈ کر لانے کو تیار ہوئے۔ اور حضرت شیخ نے محبت آمیز خط لکھ کر دیا جس میں یہ بیت لکھا تھا۔

طلاقت و صبر مرا نیست برین ہجر طویل قدم زود بنم بر سر این پیر علیل
لیکن دفعۃً جالی کو جانے سے روک دیا۔ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب تھا لہذا پیر نے جالی کو اپنے جنازے سے دور رکھنا نہ چاہا۔ چنانچہ بگتے بھر کے بعد بتاریخ ۱۷ جمادی الاولیٰ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ تاریخ وفات جالی نے کہی ہے۔

مرشد انس و ملک شاہ سہاءالدین چو رفت

انے جالی پر سریر عوش آمد جانے او

بہشت خلد آمد بنام او، اگر پرسد کسے

سال تاریخش بگو : بہشت آمدہ بر نام او

جالی نے جو بہت درد ناک مرائی بصورت ترکیب بند کہی ہے، انہیں سے ایک مرثیے کا ایک بند یہ ہے :

اے دیدہ! خوں بریز کہ دلدار غائب است یعنی جال آن مہ رخسار غائب است
اے ظلمت شمع رخ آفاق را بیوش کہ آفتاب عالم انوار غائب است
شیشے کہ سر حق، زلیخا می شنود حق اکٹوں میان عالم ابرار غائب است
در غار غم روید، کہ آن بار غار دین ہمچوں غبی، کشوں بدل غار غائب است

۱۔ سہاءالدین کے (۱۹۹) ہوتے ہیں اس میں ”بہشت“ کے (۷۵) جوڑے سے ۵۹۰ بنتے ہیں۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے تاریخ کہی ہے :

سہاءالدین ولی سہروردی کہ در ارض و سما حکمش رواں شد
چو از حکم قضا رخت سفر بست ”قضا“ تاریخ ترجمہش، بیان شد

۵۹۰

مگر مہتاب جنت گشت روشن ہم ”شارف متقی“ سالش عیاں شد

ص ۷۶:۲

۵۹۰

زاں جاں ہمی کنیم کہ جانان بہت روی زاں غم ہمیں خوریم کہ غم غوار غائب است
انوار آن جہاں بہ معنی محیط ماست گر صورتی ز دیدہ خونبار غائب است
یار بیاپہ حالت است کہ، امروز در جہاں صبر و قرار از دل ابرار غائب است
یعنی سائے بہت و دین، زیر خاک شد زین غم ہزار جامہ اسلام چاک شد
جہاں نے لکھا ہے کہ آپ کا مدفن حوض شمس کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ
جگہ آپ نے اپنی زندگی میں منتخب فرمائی تھی۔ شیخ کی دو کتابیں مشہور ہیں۔
۱۔ شرح لمعات

۲۔ مفتاح الاسرار (منقول از رسائل شیخ عزیز نسفی)

آپ کے صاحبزادوں میں شیخ عبداللہ بیابانی مجذوب الحال اور صاحب کشف و
کرامات تھے۔ ۲۔ زندگی ویرانوں اور بیابانوں میں گزاری۔ جہاں نے ان کے کئی قصے
سیر العارفین میں لکھے ہیں۔ ۳۔ عبداللہ کی وفات پر جہاں نے مرثیہ لکھا جس کا بند
دوم یہ ہے:

یعنی از روئے زمیں مطلع انوار برفت قرۃ العین سہاء الحق ازیں دار برفت
در بیابان بلا ما ہمہ سر گردانیم پیشوائے دل و دین قافلہ سالار برفت
دل بر آرم زجاں، جان بدر آرم زتن دل و جاں راچہ توان کرد کہ دلدار برفت
جگر ہواہ شد و سینہ پر افکار بماند سیل خون دہمدم از دیدہ رخسار برفت
کوہ را طاقت آن نیست کہ این بار کشد آنچہ بر جان من خستہ، دریں بار برفت
می خلد خار غم، اندر جگر و سینہ از آنکہ گل رعنائے من از عرصہ گلزار برفت
باز جنید ندانم ز کجا سیل فنا کہ ازو خانہ بغداد ز دیوار برفت

۱۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۵۴۔

۲۔ سیر العارفین ص ۱۸۴۔ گلزار ابرار میں وفات کا سال ۹۰۹ھ لکھا ہے جو غلط
ہے (ص ۲۰۹)۔

۳۔ رک: اخبار الاخیار ص ۲۱۲۔

۴۔ گلزار ابرار ص ۲۲۵۔

طالبان از غم او جامہٴ جان پاک زدند
خویش را سینہ در آتش زدہ بر خاک زدند

شیخ ساء الدین کے اپنے استاد سناء الدین تھے جو میر شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔ جالی نے اپنے پیرو مرشد کی مدح میں بہت کچھ کہا ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔ ایک قصیدے کے کچھ اشعار یہ ہیں :

عاشق عریاں تن ار لشکر ندارد پادشاست
دود آہش چتر مسکین اشک رنگین لشکر است
سرور دنیا است کو پوشد قبائے ہفت رنگ
چون گدا یک رنگ باشد در دو عالم سرور است
ہر کرا در معرفت، نور بصر سنجیدہ گشت
پیش چشم روشنش ہر ذرہ مہر انور است
روح را راج محبت دہ کہ آن جام جم است
قلب را بخشا صفا کائینہ اسکندر است
دل ز حرص و کینہ خالی کن کہ تا مونس شوی
خوک و سگ بردن بہ بیت اللہ کار کافر است
شو خلیل اللہ تا آتش گلستان است شود
بت ہرست نفس نزد حق خلیل آذر است
پاس انفاس ار نداری باغ عمرت را خزاں است
ہر دے کو را خدا ہمدم نباشد صبر صبر است

۱۔ اردو ادب ص ۱۵۶-۱۵۷ بقول گلزار ابرار۔ علم اور معرفت میں کمال تھا۔
یہا ہانوں میں چاروں موسم آسمان کے نیچے گھاس کھا کر گزارتے تھے۔ کلام
ربانی کا ایک بار روزانہ ختم کیا کرتے تھے۔ مدفن قلعہ مانڈو سے تین کوس
پر جنوب اور مغرب کے گوشے میں موضع چھتری میں واقع ہے۔ آپ کا کوئی
لڑکا نہیں تھا۔ چچا زاد بھائیوں میں ضعیف العمر شخص شیخ حسین تھے جن
کے مراسم عہد غوثی سے تھے۔ ۱۰۰۷ھ میں انتقال ہوا۔ شیخ گھورن نامی ایک
ناہینا لڑکا چھوڑا (گلزار ابرار ص ۲۲۵، اخبار الاخبار ص ۲۱۲)۔

ز آسمان گر تیغ بارد سر بخارد اہل دل
 نبش سوزن بر دل نامرد زخم خنجر است
 مرد را کردار عانی قدر گرداند نہ نام
 ہر کسے کو را علی نام است نے چون حیدر است
 از معانی افتخار سیہ عالم بود
 عزت مدن نہ از کوہ است بل کز گوہر است
 سرخی روئے منافق لالہ را مانند کہ او
 اسودالقلب است اگرچہ رنگ رویش احمر است
 نے کسے کہ اہل بیابان شد، دم وحدت زند
 خون ہر آہوئے صحرائی نہ مشکب ازفر است

یہ غزل کے اشعار ہیں جو مرشد کے قصیدے کے ضمن میں آئے ہیں :

در ہوائے مجلسش می خواند بلبل این غزل
 زد گریبان تا بدامن چاک ازیں گفتار گل
 اے قدت شمشاد و عارض لالہ و رخسار گل
 لالہ ات ریحان و قد شمشاد ات آرد بار گل
 در گلستان سنبل و نسریں بر افکن کز حیا
 باز گردد غنچہ و باشد نہاں در خار گل
 تا نہاں کردی رخ اے سرو روانم از نظر
 من فشانم دمبدم از دیدہ خونبار گل
 در فراقت نالہ زار من آرد گر بگوش
 از نوائے نغمہ بلبل بود بیزار گل
 باشد از خار جنائے عارض رنگین تو
 چون دل بلبل ہمہ تن در چمن افکار گل
 بر گلستان رخت ہر تار زلفت حلقہ زد
 می نماید روئے تو از حلقہ ہر تار گل
 چشم من در انتظارت ہمچو نسریں شد مجید
 تا بزلفین سیہ کردی و نہاں اے یار گل

می سوزد گونا بدت عاری ازین زار و ضعیف
زانکه از خارے ندازد در گلستان عار گل
پیش مخدوم جهان نام چون بلبل از غمت
زانکه لطفش در امان دارد ز جور خار گل

مثنوی مرآۃ المعانی میں جالی نے پیر کی مدح لکھی ہے :

بر کشایم مدح پیر مصطفیٰ
تابسازد نام او بر خود کلید
بر کشاید قفل بر گنجی کہ هست
با خدا آخر تواند عشق یافت
از خدا ہرگز نشد نعمت پذیر
مظہر جامع کمال پیر دان
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
ظاہر و باطن بگو شاہ شاہ است
ظاہر نیز از رسول آراستہ است
شرح احمد زندہ از کردار اوست
دین احمد مرگ می کردی قبول
از لب خود دولیش آتش چکاند
گوہر علم از وجودش شد پدید
نام علم معرفت معدوم بود
نور او بیرون زادراک و صفت
در کمال او بگردد نا پدید
یا مگر عزم صفات او کنم
ناقص آمد عقل گرچہ کامل است
یرگستان ثنائش بلبل است
نور مہر او مرآۃ در سینہ است
بر فروزد مہر سال آئینہ چہر
نور من از شعلہٴ مشکات اوست

از پس توحید نام مصطفیٰ
بلکہ واجب آمدہ بر ہر مرید
چون کلید نام پیر آمد بدست
ہر کہ اول ذات پیر خود شناخت
ہر کہ او عاشق نہ شد بروئے پیر
نعمت حق در جال پیر دان
گر تو ذات پیر خود کردی قبول
ورہ ہر سند آنچنان ذاتی کجاست
باطنش با نور حق پیراستہ است
ذات حق پایندہ از انوار اوست
گر نبود ذات او بعد رسول
عین علم از تشنگی لب باز ماند
ذات پاکش معدن علم مجید
گو نہ او دریائے وحدت می نمود
آفتاب آسمان معرفت
صد جنید و ادم و صد پایزید
من کیم تا وصف ذات او کنم
ذات او چون ذات حق را شامل است
من کہ فکرم نائب عقل کل است
آفتابش را دلم آئینہ است
لا جرم آئینہ چون پر شد ز مہر
ہرچہ دارم از طفیل ذات اوست

آفتاب آسمان جاودان است
 زان جالی را جالی شد خطاب
 نسبت من با جالش گشت راست
 در جال من کمال او بس است

خاطر من کہ اندر و سہر ش عیان است
 از جالش شد جالی آفتاب
 از جالش در جالم نور خاست
 نسبت من با جال او بس است

طریقت

جال جلی سہروردیہ طریقی میں منسلک تھے، شیخ شہاب الدین سہروردی کے صاحب سجادہ سے بغداد میں شیخ نے صراحتاً اس کا اقرار کیا ہے۔ حضرت ہاء الدین زکریا ملتانی سے عقیدت اسی بنا پر تھی اور شیخ ہاء الدین ان کے مرشد ہیں جو سہروردی سلسلے کی ہندوستان میں ایک اہم کڑی ہیں۔ شیخ شہاب الدین کے مزار کی زیارت بھی اسی سلسلے میں ہے۔ عوارف المعارف پر اتنا عبور تھا کہ لوگ اس کے بعض مسائل کی تشریح ان سے چاہتے تھے اور "سیرالعارفین" میں کئی جگہ اس کتاب کا ذکر آیا ہے۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شیخ جال نہ فقط اس سلسلے میں سرید تھے بلکہ اس طریقے میں ان کی اپنی حیثیت اور شخصیت بھی نہایت اہم تھی۔ یہی سبب تھا کہ سفر کے دوران مختلف خانقاہوں میں ان کی بہت قدر و منزلت ہوتی تھی۔

استعداد اور مزاج

جال طبیعت کے لحاظ سے نہایت دلیر، بے باک اور گفتگو میں بے لاگ تھے، حاضر جوابی میں جواب نہیں تھا۔ مولانا جالی کی حاضر جوابی میں رعایت نہیں کی۔ مجلس اور محفل میں جب بات کرتے تو پوری مجلس پر چھا جاتے تھے۔ ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ شیخ عبدالحق نے ایک جملے میں 'ن کی مزاجی کیفیت کو جامع طریقے سے بیان کر دیا ہے:

"مہابت صورت و معنی در ذات او تعبیہ یافتہ بود در محافل و ارتکاب عزائم امور بغایت دلیر بود، کمتر کسی را از اکابر در مجلس فرصت سخن دادی"۔

۲۔ عہد جالی

علمی اور ادبی لحاظ سے

جالی نے سلطان بہلول لودی (۸۵۵ - ۸۹۴) کے دور حکومت میں آنکھیں کھولیں۔ تعلیم و تربیت پا کر ہوش سنبھالا۔ اور سکندر لودی کے عہد میں (۸۹۳ - ۹۲۳) ان کو شہرت نصیب ہوئی۔ اس دور کی کوئی ادبی تاریخ یا تذکرہ موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس زمانے میں کون سے شاعر، اہل قلم، علماء اور فضلاء موجود تھے یا کون سے شیوخ اور اصحاب طریقت تھے جن سے جالی نے تربیت پائی یا متاثر ہوئے یا شعر و سخن کا ذوق پایا۔ ہمیں جو تاریخیں یا تذکرے قسم کی کتابیں ملتی ہیں وہ سب مغل دور میں لکھی گئی ہیں۔ جن سے اس کے دور کے متعلق بہت مختصر اور منتشر معلومات حاصل ہوتی ہیں اور جالی کے عہد کی علمی اور ادبی تصویر واضح طور سے ہمارے سامنے نہیں آسکتی۔

در حقیقت علمی، تاریخی اور ادبی تحریروں اور تحریکات کا یہ فقدان فہرہ شاہ تغلق کی وفات (۹۰۷ھ) سے شروع ہوتا ہے اور اکبر کی تخت نشینی (۹۶۳ھ) تک پوری دو صدیاں رہا ہے۔ اس عرصے میں نہ کوئی نامی آدمی پیدا ہو سکا اور نہ

۱۔ یہ تاریخیں ہیں جو مغل دور میں لکھی گئی ہیں جن سے منتشر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) تاریخ شیر شاہ سوری۔ عباس خاں سروانی: یہ اکبر کے کہنے پر شیر شاہ کے حالات میں ۹۸۷ھ میں لکھی گئی۔ یہ کتاب ڈھاکہ سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) تاریخ داؤدی۔ عید اللہ: اس میں بہلول، سکندر، ابراہیم اور شیر شاہ کے حالات ہیں۔ جہانگیر کے دور میں مرتب ہوئی۔

(۳) تاریخ سلاطین افغانہ (معروف بہ تاریخ شاہی) احمد یادگار، یہ تاریخ ۹۸۰ھ کے بعد ابوالمظفر داؤد شاہ کی فرمایش پر لکھی گئی۔ اس میں

سلاطین لودھی اور سور کے حالات ہیں۔

فائدہ ذکر اور کارآمد کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ عدم استحکام کی ان دو صدیوں کے طویل عرصے کو ہم تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں تاکہ صورت حال کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

(الف) فیروز کی وفات (۷۹۰ھ) سے لے کر بہلول لودی کی وفات (۸۹۴ھ) تک کا عرصہ جو پوری ایک صدی پر حاوی ہے، بالکل مایوس کن اور علمی، ادبی لحاظ سے بالکل خشک ہے۔ نا اہل جانتیوں کی وجہ سے سرکاری حکومت کمزور ہو گئی۔ صوبے خود مختار ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے۔ وہ امن و سکون اور یکسوئی کی فضا باقی نہیں رہی جو علم و

مندرجہ ذیل مغللوں کے دور کی عمومی تاریخیں ہیں۔ جز کے ابتداء میں سلاطین ماضیہ کے ضمن میں لودھیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) تاریخ دولت شیر شاہی (۹۵۵ھ) : حسن علی خاں بہادر (متوفی ۹۵۷ھ) فقط شیر شاہ سوری کے دور سے متعلق ہے۔

(۵) واقعات مشرقی - عبداللہ (رزق اللہ) مشرقی (متوفی ۹۸۹ھ) لودھی اور سور سلاطین کی تاریخ۔ اس میں غیر تاریخی لیکن بہت دل چسپ مواد ہے۔

(۶) افسانہ شاہان - محمد کبیر بن شیخ اسماعیل : لودی اور سور سلاطین کے متعلق تاریخ ہے۔

(۷) تاریخ خاں جہانی (و مخزن افغانی) (۱۰۲۱ھ) خواجہ نعمت اللہ بن حبیب اللہ۔ یہ بہت اہم تاریخ ہے۔ بہلول لودی سے شروع ہو کر جہانگیر کے زمانے (۱۰۲۱ھ) تک کے حالات درج ہیں۔ یہ تاریخ دو جلدوں میں ڈھا کہ سے شائع ہوئی ہے۔

(۸) طبقات اکبری (۱۰۰۱ھ) : خواجہ نظام الدین احمد۔

(۹) منتخب التواریخ (۱۰۰۴ھ) : ملا عبدالقادر بدایونی۔

(۱۰) تاریخ فرشتہ (۱۰۱۵ھ) : ہندو شاہ۔

(۱۱) مآثر رحیمی (۱۰۲۵ھ) : عبدالباقی نہاوندی۔

(۱۲) گلزار ابرار (۱۰۳۶ھ) غوثی مانڈوی : یہ تذکرہ علماء مشائخ کا ہے

جہانگیر کے آخری ایام میں لکھا گیا ہے۔ اس کا فارسی متن نہیں چھپا

ہے اور ترجمہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۹ء) میں چھپا ہے جو اس وقت نایاب ہے۔

(۱۳) اخبار الاخبار (۹۹۹ھ) - عبدالحق محدث دہلوی : مشائخ اور علماء کا

تذکرہ ہے۔

ادب کے بھلنے بھولنے کے لیے سازگار ہوئی ہے لہذا خسرو کے بعد کوئی بڑا شاعر پیدا نہ ہو سکا۔ ضیائے برنی کے بعد کوئی مورخ نہیں آیا۔ اور حضرت شیخ چراغ دہلیؒ کے بعد کوئی روحانی پیشوا اور مولانا احمد تھانیسریؒ کے بعد کوئی بڑا عالم سلطنت ہند میں پیدا نہ ہو سکا۔ یہ پوری صدی گویا علم اور عرفان کے سلسلے میں سکوت اور سکتے کی صدی رہی ہے۔

(ب) بہلول لودی کی تخت نشینی سے لے کر سلطان لودی کی وفات تک (۱۵۲۳ء) کا عرصہ وہ ہے جس میں علمی اور ادبی تحریکات نے ایک ڈروٹ لی۔ کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ چند ایک اہل علم اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ اصحاب عرفان و سلوک بھی ہوئے۔ مدرسے آباد ہوئے اور ایک بار پھر ہندوستان کی فضا ادبی، علمی اور عرفانی تحریکوں سے جاگ اٹھی۔ اس دور پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ یہی وہ دور ہے جس سے جالی دہلوی کا سروکار ہے۔

(ج) تیسرا دور باہر سے (۱۵۳۲ء) لے کر اکبر کی تخت نشینی (۱۵۶۳ء) تک کا ہے جو ایک طرح سے پر آشوب رہا ہے۔ ابراہیم لودی کی غلط کاریاں، باہر کا تسلط (۱۵۶۲ء) باہر کی وفات (۱۵۹۳ء) شیر شاہ اور ہمایوں کا جنگ و جدل (۱۵۵۰ء - ۱۵۵۶ء) ہمایوں کا ایران چلا جانا (۱۵۵۰ء) دوبارہ واپس آکر ہندوستان پر قبضہ کرنا (۱۵۶۲ء) اس کی اچانک وفات اور اکبر کا تخت نشین (۱۵۶۳ء) ہونا۔

یہ دور خاصا ہنگامہ خیز رہا ہے۔ خیال ہے کہ اس باہمی آویزش اور شکست و ریخت میں لودیوں کے دور میں جو کچھ لٹریچر پیدا ہوا ہوگا، اس کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ جالی کی وفات اسی دور میں ہوئی اور یہی وہ دور ہے جو آئندہ کی علمی نشاۃ ثانیہ کا مقدمہ بنا کیونکہ ہندوستان کی مغل سلطنت کی بنیادیں اسی دور میں استوار ہوئیں، جس سلطنت کی آئندہ صدیاں علم و ادب کے لیے رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔

بہلول لودی سے لے کر سکندر لودی کی وفات تک (۱۵۶۳ء) کا چالیس سالہ دور جالی کی ذہنی اور فکری تربیت اور نشو و نما کا حقیقی دور ہے۔ ہمیں اس

سیاسی اور سماجی ملکی اور علمی ماحول کو جانچنا ہے ، جس سے جہاں متاثر ہوا ہوگا۔

بہلول لودھی کی تخت نشینی (۱۸۵۵ء) کے بعد ہی سے کمزور حکومت کے ڈھلنے میں جان آئی۔ از سرنو اس میں مرکزیت پیدا ہوئی اور ہندوستانی سلطنت کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پھر سے مرکز کے ساتھ جڑنے شروع ہوئے۔ بہلول نے ۱۸۸۳ء/۱۳۰۸ء میں خونپور تک اپنی سلطنت کو وسعت دی اور اپنا پورا وقت حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں صرف کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ایک بار پھر سیاسی اور سماجی وضع اور حالات میں ٹھہراؤ آگیا۔ استقلال کی صورت پیدا ہوئی ، معاشرے میں دوبارہ دل جمعی آئی اور علم و ادب کے پھلنے پھولنے اور ابھرنے کے اسباب از سرنو روشن ہو گئے۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا نظام خان سکندر تخت نشین (۱۸۹۳ء) ہوا۔ یہ بہت بہادر اور مضبوط کردار کا بادشاہ تھا۔ باپ نے جس حد تک سلطنت کو وسعت دی اور استحکام بخشا ، اس سے کہیں زیادہ اس نے اس کو وسیع تر اور قوی تر کر دیا۔ سوا صدی کے بعد ملک کا بگڑا ہوا ماحول درست ہوا اور ایک ایسا معاشرہ بنا جو علمی ، ادبی اور عرفانی تحریکات کے لیے مناسب اور موزوں تھا۔

سکندر پڑھا لکھا بادشاہ تھا۔ علم و ادب سے شغف تھا۔ خود شاعر تھا۔ اور شعراء اور علماء کا دوست اور سرپرست تھا۔ اس نے علوم کو مروج کرنے اور ادھر ادھر سے اہل علم کو بلا کر اپنے پاس جمع کرنے کی طرف توجہ دی۔ مدرسے کھلے ، علمی محفلیں اور عرفانی مجلسیں پھر سے قائم ہو گئیں اور سوا سو سال کے بعد اجڑی ہوئی دہلی دوبارہ آباد ہو گئی۔ خواجہ نظام نے بادشاہ اور اس کے دور کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے :

”گویند : سلطان سکندر بہ جہاں ظاہری آرامتہ و کمال معنوی پیراستہ بود ، وایام سلطنت او نہایت ارزانی شد و امن و امان حاصل گشت۔ سلطان ہر روز بارعام دادی و خود بداد خواہ وارسیدی۔ وگہ از صبح تا شام و خفتن بہ معاملات مشغول بودی و نماز پنج وقت را دریک مجلس اداسی کرد۔ درایام سلطنت او دست تسلط زمینداران ہند کوتاہ شدہ بود و ہند مطیع فرمانبردار

۱۔ ہدایونی : ۱ : ۳۷۳۔ سکندر با شاعران نشست و برخاست بسیار داشت و خود ہم صاحب طبع بود۔

نشہ، قوی و ضعیف یکساں شدہ، درکارہا الطاف مرعی داشتی و بیشتر بر ہوائے نفس نہ رفتی و نہایت خدا ترس و برخلق مہربان بود“

ایسے مہربان، انصاف پسند اور قوی حکم ران کے عہد میں ظاہر ہے کہ ہر لحاظ سے ملک نے ترقی کرنی شروع کی۔ سکندر نے ملک میں بہت سی اصلاحات کیں۔ جتنی انتظامی اور سماجی برائیاں تھیں ان کو ختم کیا۔ انتظامی اصلاحات میں اس نے حساب اور بھی کھاتے کی زبان فارسی کر دی۔ طوائف الملوکی کے دوران فارسی کا رواج ختم ہو چکا تھا۔ ہنہان حکمرانوں کو فارسی سے چڑ تھی۔ آخوند درویش نے ان کی فارسی دشمنی کا ذکر اس طرح کیا ہے :

”ہ حکم آنکہ جہل و سخی براغانان غالب است ہر کہ در زبان فارسی نطق و تکلم کند او را دشمن گیرند“

حساب کتاب ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ پورا ہی کھاتہ اپنی زبان میں رکھتے تھے۔ مسلمان یہ زبان نہیں جانتے تھے، اس لیے حساب میں گڑبڑ رہتی تھی۔ سکندر نے اس طریقے کو ختم کر کے فارسی کو رائج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دفاتر میں غیر مسلم ملازموں کو فارسی سیکھنی پڑی۔ چنانچہ اس روز سے ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز ہوا۔ جس میں آگے چل کر ہندوؤں نے کمال حاصل کیا اور ان گنت ادیب اور شاعر پیدا کیے۔ اس عمل کے بعد سوائے فارسی کے کسی اور مقامی زبان کا عمل دخل نہ رہا۔

سکندر کی علم دوستی اور ادب پروری کی وجہ سے پورے ملک میں علوم و فنون کا چرچا ہو گیا۔ ایسی فضا تیار ہو گئی کہ بادشاہ کی دیکھا دیکھی شہزادے، امیر، اور دیگر اہل دولت بھی علمی سرپرستی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں ہو گئے۔ طبقات اکبری کے مؤلف نے لکھا ہے :

”در عہد فرخندہ او، علم رواج یافت و امرا زادگان دولت و سپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند“

اس سرپرستی کی وجہ سے دور دراز فاصلوں اور ممالک میں اہل علم و فن

۱۔ طبقات ص ۱۷۰۔

۲۔ آب کوثر ص ۵۲۱۔

۳۔ طبقات ص ۱۷۱۔ و کافراں بخواندن و نوشتن خط فارسی، کہ تا آئیناں در ایشان رواج نبود، پرداختند۔

سمٹ کر دہلی اور اس کے فواح میں آ کر بسنے لگے اور دہلی بحیثیت مرکز کے فیروز تغلق کے بعد ایک صدی تک اپنی آبرو اور اہمیت کھو بیٹھی تھی ، وہ دوبارہ ایسے حاصل ہو گئی اور غیر ممالک سے علماء اور فضلاء کے آنے کا سلسلہ بند ہو چکا تھا ، یہ دوبارہ جاری ہوا ۔ تاریخ داؤدی میں ہے :

”در زمان سلطنت او ، اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب و عجم و از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او ، بدہلی و آگرہ آمدہ توطن می کردند“ ۔

آگرہ کی بنیاد سکندر نے (۱۵۱۱ء) رکھی اور اس کو دوسرا پایہ تخت بنایا ۔ اس لیے دہلی کے بعد اس کو مرکزی شہرت حاصل ہو گئی اور تہذیب ، تمدن ، علم اور عرفان کے اس دور میں یہ دو مرکز بن گئے ۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخبار جہانی کی وفات کے ستاون سال بعد (۱۵۹۹ء) لکھی ۔ اس نے سکندر کے دور کو یوں سراہا ہے :

”در زمان دوات سکندر زمان صلاح و تقویٰ دیانت و امانت و صلح و وقار بود او را با علماء و صلحاء و اکابر و اشراف میلے عظیم شد و لهذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بہ سابقہ استدعا و طلب و بعضے بے آن ، در عہد دوات او تشریف آورده توطن ابن دیار اختیار کردند“ ۔

سیاں بیوہ ابن خواص خاں وزیر خاص و میر عدل سلطان سکندر تھا ۔ خود صاحب علم و صاحب قلم تھا ۔ اس نے ”معدن الشفاء“ کے دیباچہ میں اپنے علم پرور بادشاہ کے دور کا یوں ذکر کیا ہے :

”خسروے کہ ذہن و ذکا وافر و حاوی غرائب معانی است ، رعیت نوازی کہ در عالم بہ نسیم عدل و احسان او خزان نامرادی رو بنرار آورده ، ہر طرفے علم و فضل را رونق شدہ ، کرم و بذل را رواجی افزود ، و فصاحتے روزگار علمائے کبار در ہر علمے تصنیفات ساختند ، و در ہر فتح نامہ ہا پرداختند“ ۔

۱ ۔ طبقات ص ۱۷۱ ۔

۲ ۔ مخزن افغانی ص ۸۳ N. Roy شانتی نکیتن ۱۹۵۸ء ۔

۳ ۔ اخبار الاخبار ص ۲۲۷ ۔

۴ ۔ اس کام کی مختلف شکلیں ملاحظہ ہوں ”تحقیقی مطالعہ“ ڈاکٹر نذیر احمد

ص ۱۵۲ - ۱۵۳ ۔

۵ ۔ معدن الشفاء ص ۳ ۔

زوال کے دور میں مدارس ایڑ چکے تھے ، اچھے اچھے استاد اور عالم اٹھ چکے تھے ۔ نصاب محدود اور بے جان تھا ، علوم کی کئی شاخیں درس سے خارج ہو چکی تھیں ۔ سکندر کی سرپرستی ، بذل اور سغا دیکھ کر بڑے بڑے علماء ملک کے دور دراز گوشوں سے سمٹ کر دہلی چلے آئے تھے ۔ درس کی بساط ازمروں بھائی اور مدارس کے مردہ جسم میں نئے نئے سرے سے جان آگئی ۔ نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں ۔ علوم کی مختلف شاخوں کو درس میں داخل کیا گیا ۔ قاضی عسکری تصانیف ”سطالع“ اور ”المواقف فی علم الکلام“ اور سکاکی کی ”مفتاح العلوم“ کو داخل درس کیا گیا ۔ معقول کو پہلی مرتبہ رائج کیا گیا ۔ علم منطق اور کلام میں اس سے پہلے ”شرح شمسہ“ اور ”شرح صحائف“ کے سوا کوئی کتاب رائج نہیں تھی ۔ بقول صاحب تاریخ داؤدی فقط صرف ونحو ہر زور دیا جاتا تھا ۔ ملتان سے اسی دور میں شیخ عبداللہ تلمیذی اور شیخ عزیز تلمیذی نامی دو بہت بڑے عالم سکندر لودی کا شہرہ سن کر اور ترک وطن کر کے دہلی آئے ۔ تعلیمی نصاب میں انہوں نے نمایاں تبدیلی کی ۔ عبداللہ تلمیذی جید عالم تھے ۔ بادشاہ ان کا بہت ادب کرتا تھا ۔ دسے پاؤں ان کے درس میں آ کر بیٹھ جاتا تھا ۔ ان کے درس سے چالیس بڑے بڑے عالم تیار ہو کر نکلے ۔

اس علم پرور بادشاہ نے ۹۲۳ھ میں انتقال کیا ۔ مملکت ہند جو سوا صدی کے تنزل کے بعد بہ مشکل مستحکم ہوئی تھی ، پھر ڈانوا ڈول ہونے لگی ۔ جہاں نے لکھا ہے کہ

”سلطان سکندر بادشاہ بود بااخلاق حمیدہ آرامتہ و باوصف گزیدہ پیرامتہ طبعش بغایت لطیف بود باریاب فلاح واصحاب صلاح اعتقادش بے حد بود ... بعد وفاتش دوستان اورا تفرقے عظیم رونمود و سلسلہ جمعیت ایشان بگسست و مردم کژ طبع و کم فہم و بدخلاق بہ دیوان سلطان ابراہیم مذکور ظاہر شدند و افغانی چند کہ در دیو طبعی مستثنی بودند ، در فتنہ انگیزی ممتاز و در خلا و ملا با سلطان مشارالیه ہمزرا گشتند“

اسن و سکون دوبارہ درہم برہم ہوا اور ایسا طوفان اٹھا کہ آئندہ چالیس برس یعنی اکبر کی تخت نشینی تک جمعیت خاطر نصیب نہ ہوئی ۔ بادشاہ کردی ۔

جنگ و جدل افراط و تفریط کی وجہ سے نہ فقط ملکی استحکام ڈانوا ڈول ہوا بلکہ بہت سا علمی سرمایہ جو سلطان سکندر کے دور میں اکٹھا ہوا تھا، اس طوفان کی لہٹ میں آکر منتشر اور معدوم ہو گیا۔

سلطان سکندر کے زمانے میں جو نامی مصنف، شاعر، عالم اور اصحاب سیر و سلوک پیدا ہوئے، ان کی فہرست ہم یہاں درج کر رہے ہیں جس سے ایک ہلکا سا اندازہ ہوگا کہ جالی نے جس دور میں زندگی بسر کی، اس کے علمی خدو و خال کیا تھے۔

(۱) شعراء

اتنے بادشاه کے دور میں جو خود بھی شاعر تھا اور جس کے دور میں چاروں طرف ایسے صاحبان علوم و فنون آکر جمع ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ دارالسلطنت میں بہت سے شاعر پیدا ہوئے ہوں گے۔ بہت سے دربار سے بھی وابستہ ہوں گے۔ جن کے ساتھ بقول بنادیونی بادشاہ نشست و برخاست رکھتا تھا۔ لیکن آنے والے چالیس سالہ انقلاب نے جہاں اور علمی آثار ختم کر دیے، وہاں اس دور کے شعراء کا نام اور کلام بھی مٹا دیا۔ یہی سبب ہے کہ ہمیں فقط چار شاعر تاریخ میں ملتے ہیں جن کا بھی نہ احوال ہے نہ کلام، فقط نام ہی نام رہ گئے ہیں۔

۱۔ بابری، محمد الدین

اس شاعر نے خوارزم شاہیوں کے حالات میں ایک شاہنامہ تصنیف کیا تھا جو ناہید ہے، حالات نہیں ملتے، فقط ایک رباعی دستیاب ہے :

در پیش تو، گر بگریم اے دلدارم تا ظن نہ بری کہ از تو در آزارم
خط تو کہ، دود آتش نیکوئی است در چشم من آمد آب زان می بارم

۲۔ مشتاقی، شیخ رزق اللہ دہلوی

یہ ہندی زبان کے بھی شاعر تھے۔ ہندی میں ان کی دو کتابیں ہیں ہم آئن اور جوت نرجن۔ اخبار الاخیار میں ان کو ”نوادر روزگار“ اور ”از مردم سلف یادگار“ کہا گیا ہے۔ ۸۹۸۹ء میں انتقال کیا۔

۱۔ مقالات منتخبہ، دانشگاہ پنجاب ۲ : ۳۸ بحوالہ سفینہ خوش گو۔

۲۔ اخبار الاخیار ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۰۰۔

۳ - ہد بن ضیاء

اس شاعر نے تحفۃ السعادة کے نام سے ۵۹۱۶ء میں فارسی لغت لکھی اور اس کو سکندر کے نام سے معنون کیا۔ ”فرہنگ سکندری“ کے نام سے یہ لغت معروف ہے۔

۴ - ڈوگرمل

یہ ہندو شاعر، فارسی کا شاعر تھا۔ دیوان بھی مرتب کیا تھا جو ناہید ہے۔ اس کا ایک شعر مسعود ہک کے تتبع میں ملتا ہے :

دل خون نہ شدی ، چشم تو خنجر نہ شدی گر
رہ کم نہ شدی ، زلف تو ابتر نہ شدی گر

(۲) مصنفین

اس دور سکندری میں یہ علماء تھے جن کی کتابوں کا سراغ ملتا ہے :

۵ - شیخ عبداللہ تلنبی

(متوفی ۵۹۲۲ء) بن شیخ الہمدان ، یہ وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ منطق میں ایک تصنیف کا نام ملتا ہے ”بدیع المیزان شرح میزان“۔ ان کے حلقہٴ درس سے چالیس سربر آوردہ علماء اٹھے جن میں سے میاں لاڈن ، جال خال دہلوی ، میاں شیخ بودے اور میر سید جلال بدایونی مشہور و معروف ہیں۔

۶ - شاہ جلال شیرازی

(متوفی ۹۴۴ھ) سلطان سکندر کے دور میں دہلی میں آکر توطن اختیار کیا۔ مثنوی مولانا روم سے خاص لگاؤ تھا۔ سیر و سلوک سے شغف اور اس میں ایک مقام حاصل تھا۔ ”شرح گلشن راز“ ان کی تصنیف ہے۔ جالی کی وفات کے دو سال بعد انہوں نے وفات پائی ہے۔

۱ - معدن الشفاء ص ۹۴۰ ، مجموعہ مقالات ۲ : ص ۴۷ -

۲ - بدایونی ۱ : ۳۲۳ ، مجموعہ مقالات ۲ : ۳۹ مسعود ہک کا دیوان حیدر آباد دکن میں چھپ چکا ہے -

۳ - رحمان علی ص ۱۰۱ ، بدایونی ۱ : ۳۲۴ -

۴ - رحمان علی ص ۴۳ ، مقالات شیرازی ۶ : ص ۱۶۳ -

۵ - رحمان علی ص ۴۳ -

۶ - رحمان علی ص ۱۰۱ -

۷ - اخبار الاخیار ص ۲۲ -

۷۔ شیخ عبدالوہاب

بخاری ملتانی (متوفی ۵۹۳ھ) سید حلال بخاری کی اولاد میں بہت بڑے صاحب حال و قال گزیے ہیں۔ سلطان سکندر کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ مثنوی مولانا روم سے خاص شغف تھا۔ اس کے اسرار و رموز کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کلام مجید کی ”تفسیر“ غلبہٴ حال اور حالت استغراق میں لکھی۔ ربیع الاول میں لکھی شروع کی اور دو شنبہ ۱۷ شوال ۵۹۱۵ھ کو ختم کی۔ شاہ عبداللہ دہلوی ان کے شیخ تھے اور ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

۸۔ شیخ حسن طاہر

(متوفی ۹۰۹ھ) ملتان سے ترک وطن کر کے ان کے والد بہار گئے، بہار سے جون پور آکر وطن ہوئے، جہاں سے سلطان سکندر کے کہنے پر دہلی آکر بود و باش اختیار کی۔ سلوک اور توحید میں کئی رسالے لکھے جن میں سے ایک رسالہ ”مفتاح الفیض“ ہے ان کے بیٹے بھی اصحاب سیر و سلوک تھے۔ بہار جی حامد شاہ کے مرید تھے، مولانا الہداد جونپوری، شارح کافہ و ہدایہ و بزدوی و مدارک کے۔ دست رفیق اور سیر و سلوک میں ہم سبق او ہم مشرب تھے۔ شیخ حسن کے دو صاحبزادے سیر و سلوک میں اپنے دور کے اندر مشاہیر میں شمار ہوتے تھے۔ ایک شیخ عبدالعزیز (۸۸۹-۵۹۷۵ھ) جو اپنے والد کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ صاحب اخبار الاخبار کا قول ہے کہ

”در اتباع مشائخ و حفظ قواعد و آداب ایشان بیگانہٴ عصر بود و اورا در تواضع و خدم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت بر خلق و رعایت فقراء نظیر نبود، در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلہٴ ارشاد و مشیخت برپا بود“ (ص ۲۸۲)

۱۔ اخبار الاخبار ص ۲۱۴۔

۲۔ اخبار الاخبار ص ۲۱۵۔

۳۔ اخبار ص ۱۹۴۔

۴۔ اخبار ص ۱۹۷۔

۵۔ اخبار ۱۹۵، رحان علی ۴۷

دوسرے شیخ محمد حسن . جس کے لیے صاحب اخبار الاخبار نے لکھا ہے کہ
 "از عارفان روزگار بود" (ص ۲۳۵)

۲۷۔ ۱۷۴۲ء کو فوت ہوئے۔ دونوں بوئے اپنے باپ کے پاس دفن ہیں۔

۹۔ سیاح شیخ بہوہ

(م بعد ۹۲۳ھ) ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ابراہیم لودی نے ان پر اپنی سفلہ مزاجی کی وجہ سے بہت سختیاں کیں، قید میں ڈالا۔ اور وہیں ۹۲۳ھ کے لگ بھگ فوت ہو گئے۔ ۸۹۰ھ میں انھوں نے "معدن الشفا" سکندری شاہی لافعا لغامی والدہابی" معروف بہ طب سکندری تصنیف کی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں پڑی بوٹیوں اور مفرد دواؤں کے ہندی اور دیگر مقامی نام دیے گئے ہیں۔ سیاح شیخ بہوہ شاعر بھی تھے چنانچہ یہ قطعہ انھوں نے اپنی کتاب کے آخر میں دیا ہے :

شہا طبایع بندہ ز کردن ایس طب
 نہ مال بود و نہ مال و نہ جاہ بود و کمال
 یکے دو چیز نمائی نوکرت بودہ
 کہ باد حاصل آن دو بہ فضل رب جلال
 یکے کہ ، نفع برد زان ہمہ وضع و شریف
 دوم ثواب بود شاہ را ازان اعمال
 کہ تا پرور قیامت جہانیں باشید
 دعاے جاہ و جوانی شد بصدفی مقال
 سویدا ! سدا ! خانقا ! خداوندا !
 بدہ تو دولت کونین ، شاہ را ہمہ حال !

۱۰۔ عمر بن یحییٰ کابل

نے موسیقی کے فن میں اہجات سکندر شاہی ، نام سے ایک کتاب لکھی ۲۔

۱۔ معدن الشفا ۷ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۷ء۔

۲۔ ہندوستان کے اندر موسیقی میں اس کتاب سے پہلے غنیۃ الحیۃ (بحکم فیروز شاہ حاکم گجرات) لکھی گئی تھی۔ اس سے پہلے فرید الزمان فی معرفت الاحسان کا فارسی میں ترجمہ اس حاکم گجرات کے نام سے پڑ گیا گیا تھا۔ مقالات شیرانی

۱۱۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی

(متوفی ۹۴۴ھ) پیر طریقت، عالم فاضل شخص نہیے۔ سیاست میں دلچسپی لی، بادشاہوں کو خطوط لکھے۔ اکبری دور میں ان کی اولاد نے دین کے نام پر بڑی ثروت اکٹھی کی اور دین کے نام سے شخصی لڑائیاں لڑیں۔ شیخ عبدالنبی ان کا ہوتا اکبری دور میں شاہی منصب پر تھا۔ منصب کے نام پر اس کی کارگزاریاں دیکھ کر اکبر بہت، ابوس ہوا اور حکومت کی پالیسی میں اس کی وجہ سے بہت رد عمل پیدا ہوا۔ شیخ عبدالقدوس کی تصانیف یہ ہیں :

(۱) شرح عوارف المعارف -

(۲) حاشیہ فصوص الحکم -

(۳) رسالہ قدسیہ -

(۴) غرائب الفوائد -

(۵) رشد نامہ -

(۶) مظهر العجائب -

(۷) مکتوبات قدوسیہ -

(۸) انوار العیون فی اسرار المکنون -

شیخ ہندی زبان کے شاعر تھے۔ فارسی میں بھی ضرور کہا ہوگا لیکن کلام نہیں ملتا۔ جالی سے دو سال بعد وفات پائی ۳۔

۱۲۔ مولانا الہداد جونپوری

ایک واسطے سے شیخ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م-۸۸۹ھ) کے شاگرد تھے۔ راجہ حامد شاہ کے مرید اور شیخ حسن کے ہمدرد اور ہم مشرب۔ یہ کتابیں لکھیں :

(۱) شرح کافیہ -

(۲) شرح ہدایہ -

۱۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۲۲۰ -

۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (فارسی ادب ۱ : ۳۱۳) -

۱۔ اخبار ص ۲۲۱، تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۰-۲۲۳ -

۴۔ رحمان علی ص ۸۸، گلزار ابرار ص ۱۴۴ -

(۳) شرح بزدوی -

(۴) شرح مدارک -

سلطان سکندر کو ان سے عقیدت تھی اور مباحث علمی اور دینی کے لیے سلطان ان کو دربار میں بلاتے تھے -

۱۲۔ شیخ عزیز اللہ تلمیذ

(۸۶۷۵) شیخ عبداللہ کے رفیقوں میں سے اور اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور مدرس تھے۔ کئی صاحب کمال ان کے درس سے اٹھے۔ میان حاتم سنبھلی (متوفی ۸۹۶۸) ان کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ سالہا سال تک عہد سکندری میں انہوں نے درس دیا۔ کئی کتابیں لکھیں جن میں سے ”رسالہ عینیہ“ شیخ امان اللہ ہانی ہی کے ”رسالہ غیریہ“ کے جواب میں مشہور ہے۔

۱۳۔ مفتی جلال خاں دہلوی

(۸۹۸۴) ابن شیخ نصیر الدین کنبوہ، یہ جالی کے ہم قوم تھے۔ رحمان علی نے ان کو اعلم العلماء لکھا ہے۔ علوم عقلیہ خصوصاً فقہ، کلام، عربیت اور تفسیر میں بے نظیر تھے۔ نوے برس کی زندگی پا کر ۸۹۸۴ میں فوت ہوئے۔ یہ ان کی کتابیں ہیں :

(۱) شرح عضدی -

(۲) شرح مفتاح -

(۳) شرح انوار فقہ وغیرہ -

یہ بزرگوار شیخ عبداللہ تلمیذ کے شاگرد تھے۔

(۳) علماء، مدرس اور شیوخ طریقت

چند علما اور مشائخ مصنفین کے ضمن میں آچکے ہیں۔ جنہوں نے زندگی تدریس یا طریقت اور سلوک کی راہ میں گزار دی، وہ یہ ہیں :

۱۔ تلمیذ (بالضم تاء و فتح لام و سکون نون و فتح باء و آخر ہائے ہوز) شہرست

فریب ملتان (رحمان علی ص ۱۴۰) -

۲۔ رحمان علی ص ۴۵ -

۳۔ رحمان علی ص ۱۳۹ -

۴۔ رحمان علی ص ۱۰۱ -

۱۵ - شیخ بھکاری ابن شیخ المہداد جونپوری

تذکرہ علمائے ہند میں ہے کہ یکے از علمائے فحول عہد سلطان سکندر بود سلطان ان کو اور ان کے والد کو دہنی اور علمی مباحث کے لیے دربار میں بلاتا تھا۔ بحث کے دوران مقابلہ شیخ عبداللہ تلخی اور شیخ عزیز اللہ تلخی سے ہوتا تھا۔ سلطان کی رائے یہی تھی کہ یہ دونوں باپ بیٹے تھوڑے میں استاد تھے اور وہ دونوں شیوخ تقریر میں بے مثل تھے۔

۱۶ - شیخ سلیمان دہلوی

(۵۹۴ھ) ارشاد اور تربیت و تلقین، اذکار اور اشغال میں ان کا بہت بڑا مقام تھا۔ تجوید قرآن میں یگانہ عصر تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے تجوید ان کے یہاں سیکھی تھی ان کا مزار خواجہ قطب الدین کے مقبرے کے قریب ہے۔

۱۷ - شیخ امجد دہلوی

سلطان بہلول کے دور میں بڑے صاحب دل بزرگ تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانے پر مسلسل حاضری دیتے تھے۔ حوض شمسی پر ان کا مرزا ہے۔

۱۸ - میاں لادن ابن شیخ نصیر الدین دہلوی

اپنے والد کے شاگرد، مفتی جمال خان کے بھائی اور بہت بڑے عالم اور صاحب دل بزرگ تھے۔ شیخ عبداللہ تلخی کی شاگردی بھی کی۔

۱۹ - شیخ ادھن دہلوی

(۹۳۴ھ) یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے جد مادری تھے۔ نام اصلی ان کا زین العابدین تھا۔ شیخ عبداللہ تلخی کے شاگرد اور مولانا ساء الدین کے مرید تھے۔ سلطان ابراہیم لودی نے ان کو بہت قریب کرنا چاہا لیکن انہوں نے انکا کر دیا۔ صاحب دل، مفتی اور بے حد پرہیزگار تھے۔ ان کی زبان پر وقت ذکر میں

۱ - رحمان علی ص ۳۳۔

۲ - اخبار ص ۲۲۱۔

۳ - اخبار ص ۳۲۴۔

۴ - رحمان علی ص ۴۳۔

مشغول رہتی تھی - ان کا مزار حوض شمسی پر ہے -

۷۰ - شیخ یوسف قتال

(م ۹۳۳ھ) مرید قاضی جلال الدین لاہوری ، مجاہدات و ریاضات میں عمر گزار دی - ہفت پل نامی ایک عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ہوئی ہے - اس میں ریاضت کرتے تھے - وہیں دفن بھی ہوئے -

۷۱ - شاہ عبداللہ قریشی دہلوی

(۹۰۰ھ) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں تھے - سلطان بہلول لودی نے اپنی لڑکی سے ان کی شادی کی - شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ مالک مجذوب بود - سطوت ظاہر و عظمیٰ باہر داشت - در اوان سزک ریاضت شاقہ و مجاہدات فوق الطاقات کشیدہ - شیخ عبدالوہاب نے اپنی تفسیر میں ان کو مرشدی رئیس العقلاء المجاہدین عبداللہ بن یوسف القریشی لکھا ہے - ابتدائے ریاضات میں جب وہ نماز پڑھتے تو ایک ہزار رکعت سے کم نہ ہوتی - تلاوت کرتے تو تین ختم تک وقت پورے کر کے اٹھتے - دہلی کے قریب ان کا مقبرہ ہے -

۷۲ - میر سید رفیع الدین محدث

(م ۹۵۴ھ) معقولات میں جلال الدین دوانی کے شاگرد اور حدیث میں شیخ شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے - اصل شیرازی تھے - سکندر کے دور میں آگرہ میں توطن اختیار کیا - سلطان کو بڑی عقیدت تھی -

۷۳ - ملک زین الدین و زہر الدین

یہ دو بھائی تھے ، بڑے پرہیزگار اور متقی - ملک زین الدین ، خان جہاں کے وکیل تھے ، خدا نرس ، ترغ کے ہابند ، سخی اور رحم دل - ۹۲۶ھ میں ایک غلام نے زہر دیا جس سے فوت ہوئے - ان کے بھائی شیخ زہر الدین ابراہیم کے لشکر میں لڑتے ہوئے باری فوج کے ہاتھ سے (۹۳۲ھ) میں شہید ہوئے -

۱ - اخبار ص ۲۲۴ -

۲ - ص ۲۲۵ -

۳ - اخبار ص ۲۱۴ ، گلزار ابرار ص ۱۹۷ -

۴ - رحمان علی ص ۶۵ -

۵ - اخبار ص ۲۲۶ -

۲۴ - مولانا شعیب (م ۹۳۶)

عالم عامل ، صورت سیرت میں فرشتہ اور وعظ میں بے نظیر تھے ۔ شہر کے امیر غریب عالم اور اکابر ان کے وعظ میں حاضر ہوتے تھے ۔ اکثر شہر والے ان کے شاگرد تھے ۔ ان کے والد کا نام مولانا منہاج ، لاہور سے دہلی میں آئے اور پڑھتے پڑھاتے وہیں کے ہو گئے ۔ سلطان بہاول کے دور میں شہر کے مفتی بھی رہے ۔ عسرت کا یہ حال تھا کہ آٹا اور تیل دوکانوں سے بھیک مانگ کر لاتے ۔ اس سے چراغ نہاتے ، اس کی روشنی میں بیٹھ کر کتابیں پڑھتے ۔ مدتیں اس حال میں گزر گئیں اور اسی طرح دہلی میں عالم حاصل کیا ۔

مولانا شعیب درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ۔ اپنی پوری زندگی لوگوں کو علم کے راستے پر لکانے میں گزار دی ۔

۲۵ - شیخ سعد اللہ

شیخ محمد ملاوہ کے مرید تھے ۔ یہ شیخ عبدالحق کے عم کلاں تھے ۔ شیخ درد ، محبت اور استقامت میں بے مثل تھے ۔ سلطان سکندر کے دور میں دہلی میں آئے ۔

۲۶ - شیخ محمد ملاوہ

(۵۹۰ھ) ان کو مصباح العاشقین کہتے تھے ۔ اوائل میں وہ شیخ احمد راؤقی کے مرید ہوئے ۔ ریاضات و مجاہدات ان کی خدمت میں رہ کر کیں ۔ آخر میں شاہ جلال گجراتی کی صحبت نصیب ہوئی ، جہاں عشق اور محبت میں دسترس پیدا کی ۔ اخبار الاخیار نے ان کے لیے لکھا ہے کہ ”شیخ کامل و صحیح الحال بود“ ۔ وجد اور سماع میں شغف تھا ۔ ایک دفعہ گھر میں آگ لگی اور شالی کا ذخیرہ تمام کا تمام جل گیا ، بیج کے لیے شالی رکھی تھی وہ بھی جل گئی ۔ جب بوائی کا وقت آیا تو شیخ سے عرض کیا گیا ۔ انہوں نے کہا بابا ! جلے ہوؤں کے پاس جلی ہوئی شالی ہی رہے گی ۔ وضو کر کے دوکانہ پڑھا اور پھر دعا میں بیٹھ گئے ۔ اس سال ان کی فصل دوگنی ہوئی ۔ ایک دانے کے بجائے ایک خول میں دو چاول ہوئے ۔ اس جنس کو لوگ سلطان سکندر کے پاس لے گئے ۔ انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ ایسے لوگ بھی ان کے عہد میں ہیں ۔

وفات کے بعد ملاوہ میں دفن ہوئے۔ یہ کلّوں ہے قیوج کے پلاس۔ شیخ محمد
شیخ عبدالحق کے جد پدری تھے^۱۔

۲۷۔ شیخ اسان ہانی اپنی

(م ۵۷۵ھ) عبدالمک ابن عبدالغفور نام۔ بہت بڑے صوفی اور ابن عربی کے
تابع تھے۔ اس طبقے کے لوگوں میں ان کا پایہ بلند تھا۔ شیخ عبدالحق نے ان
کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ شیخ محمود دودلاری^۲ کے شاگرد اور شیخ محمد حسن
کے مرید تھے۔ دو واسطوں سے مشرب قلندریہ شاہ نعمت اللہ ولی تک پہنچتا ہے
شیخ تاج الدین بن زکریا ابودھن، شیخ رکن الدین، شیخ حسین چشتی،
مولانا حسین نقشی، شیخ عبدالحق کے والد شیخ سیف الدین ان کے معتقد اور
مرید تھے^۳۔ شیخ حسین چشتی خطاط تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔ یہ ان کا
شعر ہے :

چس کہ بر پر طاؤس قیس را میلے ست
مگر درہ اثر ہائے ناقہ لیلی ست

۲۸۔ سید حسین ہائے مینار

(م ۵۹۴ھ) درویش تھے، بہت سفر کیا تھا۔ لوائح جلیبی کی ایک شرح بھی
لکھی ہے۔ بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا۔ جسم بہت موٹا تھا۔ سلطان سکندر
کے دور میں طوس (مشہد) سے آکر دہلی میں رہے۔ بادشاہ کی صحبت ان کو
ہمسند نہ آئی، چنانچہ پرانی دہلی کی مسجد ہائے مینار میں اقامت کی اور گوشہ فہیں
ہو گئے۔ سکندر کے امراء کی خواتین ان کی مرید ہو گئیں اور ضروریات زندگی وہ
پوری کرتی تھیں۔ خود زراعت بھی کرتے تھے۔ لیکن تمام حاصلات فقیروں میں
تقسیم کر دیتے تھے۔ شیخ جالی ان سے بہت ناشایستہ مذاق کرتے تھے اور ان پر
الزام لگاتے تھے۔ ایک دن ان ہی الزامات کی بنا پر غصے میں آکر اپنی آلت کاٹ
ڈالی اور شیخ کے پاس بھیج دی۔ کہتے ہیں جالی نے یہ شعر ان کے لیے

۱۔ اخبار ص ۱۷۳۔
۲۔ آپ مولانا عبدالغفور لاری کے شاگرد ہیں، متوفی ۵۹۳ھ، گلزار ابرار

کہا ہے :

آلت خویش را چو بریدی
سنار شمس کے دامن میں دفن ہوئے^۱۔

۲۹۔ شیخ سلیم چشتی سیکری

(۸۹۷ء—۹۷۷ء) بن شیخ بہاء الدین از اولاد فرید گنج شکر۔ ابتداء میں سپاہیوں کے لباس میں مجاہدات اور ریاضات کئے ، پھر حج کو گئے اور سیر و سفر کر کے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ پہلے وطن دہلی تھا۔ بعد میں سیکری میں جا کر اقامت کی۔ بیہموں بقال کے مظالم سے شیخ ۹۶۲ء میں دوبارہ حج کو گئے اور پھر واپس آ گئے۔ اکبر کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہیں کی دعا سے جہانگیر پیدا ہوا جن کا نام برکت کی خاطر سلیم رکھا تھا۔ اکبر نے ان کا مقبرہ بنوایا ہے جو اپنی مثال آپ ہے^۲۔

۳۰۔ سید محمد جولپوری

المعروف بہ مہدی (۹۱۰ء)۔ مہدویت کے مدعی اور عشق الہی سے معمور تھے۔ ہزاروں مرید کئے۔ بہت سفر کیا۔ اس دور میں ان کے دعوے سے ہندوستان کے اندر نہایت مہج گیا اور ان کو ترک وطن کرنا پڑا۔ فراء میں جا کر فوت ہوئے۔ سندھ اور ہند کے کئی بادشاہ ، امیر اور ذی اقتدار لوگ ان کے مرید تھے^۳۔

۳۱۔ شاہ نعمت اللہ چشتی

سلطان سکندر کی فوج کے سپاہی اور افسر زیادہ تر ان کے مرید اور معتقد تھے۔ آگرہ میں دفن ہوئے^۴۔

یہ چند مشاہیر وہ ہیں جن کا دہلی یا آگرہ سے تعلق تھا اور جہاں کے مہم اور زمانے کے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں کی فکری اور ذہنی تشکیل کس ماحول اور کن بزرگوں کے سامنے ہوئی۔ وہ کن مشاہیر کے درمیان ہے۔

۱۔ اخبار ص ۲۲۹۔

۲۔ اخبار ص ۲۸۳۔

۳۔ رحمان علی ص ۱۹۷۔

۴۔ گلزار ابرار ص ۱۶۷۔

(۳) جمالی اور سلاطین لودھی و مغل

جمال طبعاً خلوت پسند، درویش صفت، بے پروا اور لاابالی شخص تھے۔ شاہوں شاہزادوں، افسروں اور سرکاری صحابیوں کی صحبت یا قرب سے ان کو چنداں لگاؤ نہیں تھا۔ ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ جن بادشاہوں سے زندگی میں سابقہ پڑا، ان سے دوستانہ اور مساویانہ تعلقات رہے۔ کبھی بالا اور پست کا فرق ذہن میں نہیں رکھا۔ جمالی کے دور میں یہ بادشاہ رہے :

✓ (۱) بہلول لودھی (۸۵۵ھ/۱۴۵۱ع - ۸۹۳ھ/۱۴۸۹ع)

✓ (۲) نظام خان سکندر شاہ ثانی (۸۹۳ھ/۱۴۸۹ع - ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ع)

✓ (۳) ابراہیم ثانی (۹۲۳ھ/۱۵۱۷ع - ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ع)

لودھی خاندان ابراہیم پر ختم ہوا۔ اور ۹۳۲ھ میں بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ دو مغل بادشاہ جمالی نے دیکھے۔

✓ (۴) بابر (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ع - ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ع)

✓ (۵) ہمایوں (بار اول) (۹۳۷ھ/۱۵۳۰ع - ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ع)

بہلول لودی سے جمالی کے براہ راست تعلقات شاید نہیں تھے۔ سیرالعارفین سے فقط اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دن بہلول لودھی شیخ ساء الدین کی خدمت میں آیا تھا تو جانی بھی اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر تھے۔ جمالی بالکل جوان تھے۔ ظاہر ہے کہ بہلول سے جداگانہ راہ و رسم پیدا نہیں ہوئی ہوگی۔ جمالی کا اصل ربط سکندر سے تھا اور غالباً اس کی ابتدا شہزادگی کے دور سے ہوئی ہوگی۔ سلطان نے اپنی شہزادگی کے ایام زیادہ تر دہلی میں بسر کیے اور جمالی بھی وہیں تھے۔ شہزادہ جب کبھی ان کے پاس شیخ ساء الدین کے پاس آتا ہوگا تو یقیناً جمالی سے جو اس وقت تک خود بھی ادب اور طریقت میں ایک مقام حاصل کر چکے تھے ضرور ملاقات ہوئی ہوگی اور وہی ملاقاتیں آگے چل کر دونوں کے درمیان دوستی اور مؤدت کا سبب بنیں۔ سکندر، شیخ ساء الدین کے پاس حاضری دیتا رہتا تھا۔ جب اس کا باپ فوت ہوا ہے تو پہلے دعا اور حیات کے لیے وہ شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد باپ کی لاش لینے گیا۔ بدایونی نے لکھا ہے :

”وقت روان شدن دہلی، بتقریب تناول نزد شیخ ساء الدین کبوتہ، پیر شیخ جمالی کہ از علماء کبار و مشائخ عظام روزگار بود، رفت باین تقریب کہ مبادا او رضا بہ سلطنت برادران دیگر داشته باشد و سبق صرف ہوائی را از خدمت شیخ

پرسید۔ چون گفت کہ: نیک بخت گرداناد و خدا تعالیٰ! التماس کرد کہ این لفظ را سہ مرتبہ بر زبان مبارک خود برانید! شیخ سہ بار گفت۔ او برداشتہ عرض داشت کہ من مدعاے خود را حاصل کردم! و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد!۔

یہ عبارت تائید کرتی ہے کہ باپ کی طرح سلطان سکندر بھی ایام شہزادگی سے ہی جہلی کے پیر عزیز اور خسر کا معتقد تھا اور آنا جانا رہتا تھا۔ وہیں جہلی کے ساتھ تعلقات ہوئے جو آخر دم تک رہے۔ بدایونی نے ان دونوں کے تعلقات کی نشان دہی کی ہے۔ لکھا ہے کہ:

”باشاعران نشست و برخاست بسیار داشت و خود ہم صاحب طبع بود و گاہے گاہے نظمے بہ تخلص ”گرخی“ بآن روش قدیم ہندوستانیہاں می گفت و صحبت او بہ شیخ جہال ازین رہگذر خوش آمدہ بود“۔

شعر و سخن دوستی اور مودت کا ایک دوسرے کے مابین سبب بنا تھا، بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان اپنا کلام جہلی کو دکھاتا تھا۔ سلطان سکندر ”شعار خویش بر وی گزرائید“۔

شیخ جہالی نے سیر العارفين میں بھی سلطان کے مزاج طبیعت اور ذوق کی تعریف کرتے ہوئے اپنے ساتھ تعلق خاطر کا ذکر کیا ہے۔

”بیشترے اشتغال بہ شعر گفتن می نمود و باربابہ صلاح و اصحاب، فلاح اعتقادش بے حد بود، علی الخصوص بایں درویش محبت از دیگران بیش داشت“۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے مخزن افغانی کا ایک اقتباس اپنے مضمون میں دیا ہے، اس سے بھی دونوں کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مخزن افغانی کے مصنف نے لکھا ہے کہ جہالی صاحب ممالک اسلامیہ کے سفر سے واپس اپنے وطن پہنچے اور سلطان کو معلوم ہوا کہ معارف دستگاہ و حقائق آگاہ شیخ جہالی ماوراءالنہر، عراق، خراسان، آذربائیجان، روم، شام اور عرب کی سیاحت سے واپس دہلی شریف لائے ہیں۔ تو ملاقات کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ اور ایک شوقیہ قطعہ

۱۔ بدایونی ۱: ۳۱۳۔

۲۔ بدایونی ۱: ۳۲۳۔

۳۔ بدایونی ۱: ۳۲۵۔

۴۔ سیر العارفين ص ۱۳۸۔

اپنے دستخط خاص سے لکھ کر دہلی بھیجا۔ سلطان خود اس وقت سنبھل میں مقیم تھا۔ قطعہ یہ ہے :

وے سالک راہ دین ، جالی	اے مخزن گنج لایزالی
در منزل خود رسیدی بالغیر	در گرد جہاں بسے زدی سیر
الحمد ! کہ آمدی بخانہ	بودی تو مسافر زمانہ
گوہر بودی خزینہ گشتی	در مکہ و در مدینہ گشتی
ارسال دہد چنان کہ خواہم	باید کہ کتاب مہروماہم
بسیار مسافرت نمودی	اے شیخ بما برس بزودی
تا در یابی ز کارخی کام	بکشاہد سوئے در کہم گم
دل مرغ مثال در فغان است	جانم ، بہ جال تو طیان است
آن بہ کہ سوئے مایائی	من اسکندر و تو خضر مائی

ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ جالی نے بعد ملاحظہ فرمایا کہ فقراء کو اغنیاء کی مجالس میں کیا احتیاج ! چنانچہ وہ خود نہ گئے بلکہ جواب میں ایک منظوم رقعہ اور مثنوی مہروماہ ان کی خدمت میں بھیج دی۔ بادشاہ کو ملاقات کا شوق تیز تر ہو گیا۔ اور ان کے مرشد شیخ ساء الدین کی سفارش پر آخر جالی کو سنبھل میں بلا لیا۔ جالی جب قریب پہنچے تو سلطان غایت شوق سے دو تین کوس آگے استقبال کو نکل آیا اور پھر ایسا باہمی آنس ہوا کہ آخر حیات تک ایک دوسرے کے انیس اور جلیس رہے۔^۲

۱۔ نیز دیکھیے، آثار خیر محمد سعید مارہروی آگرہ ۱۳۲۳ء۔

۲۔ اردو ادب جلد ۲ شمارہ ۱ ص ۱۳۲-۱۳۳، تاریخ خان جہانی میں عبارت اس طرح ہے :

”و چون شعر کتاب ”مہروماہ“ از نتایج طبع والا نژاد معارف دستگاہ حقائق آگاہ شیخ جالی کتب و دہلوی را استماع یافت ، شوق صحبت کثیر البہجت ایشاں دامن گیر دل سلطان شد۔ درانولا حضرت شیخ جانب حرمین الشریفین عزیمت نموده بودند۔ سلطان جمع را موکل ساخت کہ ہر گاہ شیخ بدہلی تشریف ارزانی فرماید۔ در ساعت بعرض رسانند۔ بعد از چند گاہ چون شنید کہ معارف دستگاہ حقائق آگاہ شیخ جالی کتب و از سیر و سفر ماوراء النہر و عراق و خراسان و آذربائیجان و روم و شام و عرب باز گشت ، بدہلی تشریف آورد۔ سرعان سیر السیر آن خبر را

سلطان اور جالی کا آپس میں ربط و ضبط بغیر کسی دنیوی منفعت کے تھا۔
محض علمی و ادبی ہم آہنگی کی بنا پر یہ تعلق قائم تھا۔ جالی نے ایک شعر میں
اپنے تعلق کی نوعیت یوں بیان کی ہے :

میانہ من و تو دوستی، ز بہر خداست
نہ از برائے متاع زمانہ غدار

سلطان سکندر نے ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا۔ جالی نے دردناک مرثیہ کہہ کر دوستی
کا حق ادا کر دیا۔

خلق حیران و پریشان است شہنشاہ چہ شد
ہمہ بر سینہ زنان دست کہ، اللہ ! چہ شد
مہر در آتش غم سوخت، شفقِ خوں بازید
انجم از چرخ فرو ریخت کہ، آن ماہ چہ شد
ظلمت آباد شد آفاق ز شام غم او
یا رب ! آن طلعتِ خورشید سحرگاہ، چہ شد

بسلطان رسانیدند۔ و اکثر اوقات در مجلس او شعر در میان داشت۔ سلطان را ذوق
ملاقات حضرت شیخ زیادہ شد و از روئے اشتیاق تمام قطعہ منظومہ انشا نمود و
بدست خاص خود کتابت فرمودہ از منبہل بدہلی فرستاد و استدعائے ملازمت شیخ
نمود و کتاب مہروماہ را کہ از نتائج طبع وقاد آن والا نژاد بود، طلب داشت،
و آن قطعہ این است..... قطعہ..... و این رقعہ نزد ابنائے شیخ بچشمہ حاضر است۔
حضرت شیخ بعد از مطالعہ رقعہ فرمود کہ فقراء را بہ مجلس اغنیاء چہ احتیاج.....
رقعہ منظومہ در جواب نوشتہ با کتاب مہروماہ بملازمت سلطان ارسال داشت۔
چون کتاب و رقعہ حضرت شیخ بمطالعہ سلطان رسید، اشتیاق ملاقات او بزیارے
نہاد..... پس سلطان رقعہ دیگر بقطب فلک ہدایت شیخ سماءالدین کتب.....
نوشت..... حضرت شیخ جالی را بخدمت سلطان راہی ساختہ فرمودند کہ..... شیخ
از دہلی عازم منبہل شدند چون نزدیک..... رسیدند سلطان از غایت اشتیاق.....
دوسہ کروزہ پیش آمدہ ملاقات نمودند و گرمی صحبت بنوعی در گرفت کہ مزید
بر آن متصور نہ باشد و نا آخر میان سلطان بایکدیگر دمساز و ہم راز و مصاحب
و ہمزیان بودند..... (۲۲۵-۲۲۷) یہی واقعہ مخزن افغانی ترجمہ انگریزی از
N. Roy میں صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔

خون گرہ شد بکلو، ز آہ دم شد مسدود
 در غم آن کہ مرا ہمدم و ہمراہ چہ شد
 و یحک آن فرحت و آن بہجت و آن حال چہ شد
 آوہ آن دولت و آن مسند و آن گاہ چہ شد
 تا بہ دنبال وے افسوس کناں ہی رقم
 ہیچ مردم نہ شد از..... آگاہ چہ شد
 نیک خواہان وے این لحظہ، اجل خواہ شدند
 کان خدا دان و خدایین و خدا خواہ چہ شد
 ہاتقم گفت! مہدار کہ او در خاک است
 قدش ہیچو ہیچیر بہ سر افلاک است

اس میں ہمدم اور ہمراہ کے الفاظ سے دونوں کی یکدلی اور دوستی کی کیفیت
 معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ خاں جہانی میں ہے کہ جالی نے سلطان کی وفات پر بہت
 دردناک مرثیہ لکھے جن کو پڑھ کر مدتوں لوگ آنسو بہایا کرتے تھے۔

”بعد از وفات سلطان، شیخ قہائد و ترکیب و مرثیہ آنہ بعد از فوت او
 انشا فرمود، تا مدتے مدید اہل فضل و ارباب کمال آن را می خواندند و
 بجائے اشک خون از دیدہ ہائے باریدند۔ و آن اشعار جانگداز تا حال در دیوان
 شیخ جالی مسطور۔ (ص ۲۲)۔“

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ جالی نے سکندر کی مدح میں کئی قصائد کہے
 ہیں جو ان کے دیوان میں موجود ہیں۔ ایک قصیدے کے چند شعر یہ ہیں :

قد و رخسار و زلف و لعل روح افزائے آن دلبر
 یکے عرعر، یکے اختر، یکے عنبر، یکے شکر
 چہ عرعر آ عرعر رعنا! چہ اختر؟ اختر زیبا!
 چہ عنبر! عنبر سارا! چہ شکر؟ شکر عسکر
 رخ و دندان و خط و موے مشک انشاں او باشد
 یکے لالہ، یکے ژالہ، یکے ہالہ، یکے عنبر
 چہ لالہ؟ لالہ رنگین! چہ ژالہ؟ ژالہ سمین
 چہ ہالہ؟ ہالہ مشکین! چہ عنبر؟ عنبر ابتر
 دل و آہ و سرشک سرخ و رگہائے وجود من
 یکے منقل، یکے مشغل، یکے جدول، یکے مسطر

اس طرح یہ پورا قصہ انظلی صناعی اور اہتمام بندش کی بہترین مثال ہے اور اس میں جالی نے اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات کا پورا اظہار کیا ہے۔

سلطان سکندر کے بعد ابراہیم تخت نشین ہوا، وہ بے سواد، عیش پرست اور نااہل بادشاہ تھا۔ اس کے مصاحب اور حاضر ہنر کے اوباش، سفلی، فتنہ پرداز، کج خلق اور نہایت ہی ہست درجے کے لوگ تھے۔ بادشاہ کا استاد فرید نامی ایک شخص تھا جو فتنہ پردازی اور فساد میں اپنا حواب آپ تھا۔ اس نے سلطان سکندر کے وزیر اور ”معدن الشفاء“ کے مصنف سیان بیوہ کو بڑی اذیت پہنچائی۔ اور بالآخر قید میں ڈلوا دیا۔ جہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ جالی نے سلطان سکندر کا ایک مرثیہ لکھا جس میں ایک شعر تھا :

اے مسلمان زماں ! آہ کیجائی آخر

تا کم پیش تو از فتنہ دیوان فریاد

اس فرید نے ابراہیم کو ہکا دیا کہ شیخ نے ان کو (دیو) لکھا ہے۔ بادشاہ نے جالی کو ان کی منزلت، عزت اور اثرات کی بنا پر مضرت تو نہیں پہنچائی۔ لیکن دل میں ان کی طرف سے کدورت بیٹھ گئی۔ جس کا اثر جالی نے بھی قبول کیا۔ چنانچہ ابراہیم کے لیے کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ قتل پر مرثیہ نہیں کہا۔ بلکہ اس کے مقابلے میں ہانی ہت میں باہر کی فتح اور ابراہیم کی شکست کو بڑی آب و تاب سے بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ سکندر کے تعلقات کے بعد ابراہیم کی روش دیکھ کر جالی کو بتقاضائے بشریت صدمہ پہنچا، یہ اس کا رد عمل تھا۔ جالی نے ابراہیم کے سلسلے میں سیرالعارفین میں ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے :

”بعد وفاتش (سکندر) دوستان او را تفرقہ عظیم رونمود و سلسلہ جمعیت ایشان بگسست و سلسلہ جمعیت ایشان بگستن درآمد و مردم کج طبع و کم فہم و بد خلق بدیوان سلطان ابراہیم مذکور ظاہر شدند و افغانے چند کہ در دیو طبعی مستثنیٰ بودند و در فتنہ انگیزی ممتاز، در خلا و ملا با سلطان مشارالیہ محرم را ز گشتند و سلطان را استادے بود فرید نام در غایت رزالت و بطالت

۱۔ یہ قصیدہ دیوان میں موجود ہے۔ اس کے باقی اشعار دیکھے جائیں۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ء مقالات منتخبہ ۵ : ۱۸۱، اردو ادب ص ۱۵۱۔

۱۵۲ میں۔

ہمچو نعل جان غزایاں غنچہ را شیریں دہن
 ہمچو روئے دل کشایاں لالہ را رنگیں عنار
 صوفیان سبز ہوش باغ را، وجدست و حال
 از سرود بابل و از دستک برگ چنار
 اندرین موسم در کشتی نشیند پادشاہ
 آفتابے دان کہ اندر ماہ نو گیرد قرار
 از خراسان چون بہ ہندوستان شدی آمد ترا
 بخت و دولت در یمن و فتح و نصرت در یسار
 دشمنت را زندگی شد خواب آسایش خیال
 خود چنار و خواب را چندان نباشد اعتبار
 در صف ہیچا شد از کرد و غبار موکبت
 چہرہ افلاک قیر و دیدہ خورشید تار
 صور امرا فیل گشتہ بانگ سرنای و نفر
 فیاہا چنیدہ ہر سو چو بہ محشر کو ہمار
 خون بد خوابان دما دم شد روان مانند جوی
 نیزہا بنمود مردستان کنار جویبار
 در بہار مجلسش می خواند بابل این غزل
 بر مثال عاشق شوریدہ دل بر جوی بار

اور وہ یہ غزل ہے :

اے زرشک عارضت پیوستہ را گل خار خار
 در غم رویت چو من جاں دادہ در ہر سو ہزار
 از چہ رو بر سر ندارد لالہ در صحن چمن
 گر نماز از عارض رنگیں اے گل شرمسار
 سنبل پیچان تو از سرکش مشکین کہند
 نرگس فتان تو از خون خوری مردم شکار
 چشم تو بہ طاق ابرو ہندوی بحراب گیر
 خال تو با زلف مشکین کاہر زناں دار

میرود پیوستہ دل ، ہر رشتہ ہر موئے تو
ہر مثال عنکبوتی کو رود ہر روئے تار
جان سرگرداں ز روزنہا کہ دارد سینہ ام
سوئے خورشید رخت رقصاں برآید ذرہ وار
چشم تو در عین بیماری ز خون مردمان
باز می ناید نہ می ترسد ز عدل شماریار

(بابر فتح ہند کے بعد ۶ برس زندہ رہا اور ہمایوں کے زمانے میں شیخ جالی
۴۶ برس گزار کر فوت ہوئے۔ بابر کے مقابلے میں جالی کے تعلقات ہمایوں کے
ساتھ بہت زیادہ گہرے تھے۔ شیخ عبدالحق نے نہ فقط اخبارالاکھیار میں اس کی
طرف اشارہ کیا ہے ، بلکہ اپنی دوسری تصنیف میں بھی جالی کے غیر معمولی
روح کا ذکر کیا ہے۔ ہفت اقلیم کے مصنف نے بھی یہی بات لکھی ہے۔
”جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ را بہ صحبت شیخ میلے موفور بودہ و ہموارہ با او
مجالست می نمود و احیاناً بصحبتش می رسید“ ۳۶۔

باہمی مراسم اس حد تک گہرے اور بے تکلفانہ تھے کہ ہمایوں دو مرتبہ شیخ
جالی کے گھر گیا۔ مائرا لاسراء میں ہے کہ

”با فردوس سکانی (بابر) مصاحب گشت و از چنت آشیانی (ہمایوں) تعظیم و
احترام بسیار یافت ، مکرر بادشاہ کلبہ درویشانہ اورا بہ ورود خویش
منور ساختہ“ ۴۷۔

ان کے دیوان میں ہمایوں کے لیے قصیدے موجود ہیں۔ نیز شیخ نے اپنی کتاب
”سیرالعارفین“ ہمایوں کے نام معنون کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سفر حضر میں
بادشاہ کے موٹے اور جلسے رہے۔ حتیٰ کہ جنگی سفر میں بھی ساتھ نہیں چھوٹا۔
شیخ کا انتقال بھی کجرات میں ایسے ہی ایک سفر میں ہوا۔

۱۔ اخبارالاکھیار ص ۲۲۸۔

۲۔ دیکھیے ایلیٹ ۶ : ۳۸۸۔

۳۔ طبع تہران ۱ : ۳۷۔

۴۔ مائرا لاسراء ۲ : ۵۳۹۔

۵۔ اخبار ص ۲۲۸۔

۴ - وفات اور مدفن

ہمایوں نے سال ۸۹۴ھ میں سلطان بہادر گجراتی (۳۲ - ۸۹۴ھ) پر لشکر کشی کی۔ شیخ جہاں اس موقع پر ان کے ساتھ تھے۔ ہمایوں نے اس جنگ میں بہادر پر ۹ صفر ۸۹۴ھ کو فتح پائی جس کی تاریخ کہی گئی :

تاریخ ظفر یافتن شاہ ہمایوں

می جست خرد ، یافت ، نهم شهر صفر بود

۸۹۴ھ

اخبار الاخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نے اس سال کے گیارہویں مہینے یعنی ۱۰ تاریخ ذی قعدہ ۸۹۴ھ کو وہیں گجرات (غالباً احمد آباد) میں وفات پائی۔ ہدایوں اس کے بیٹے گدائی پر سخت برہم تھا۔ جیسا کہ گدائی کے حال سے معلوم ہوتا۔ لیکن جہاں کے لیے نہ فقط کلمہ خیر کے دو لفظ لکھے بلکہ توصیفی انداز میں تاریخ بھی کہی :

”دریں سال جہاں کنبوی دہاوی از عالم فنا بعالم بقا رسید و خسرو ہند بود“
تاریخ یافتہ اند

مخبر الواصلین^۳ میں یہ قطعہ تاریخ درج ہے :

عاشق و مست لاپاہی بود
ہست عشرت فزائے پیر و جوان
خلد اللہ فی الجنان مشواہ
ہمچو ماہ فلک ، نہ پیش و نہ کم
بود بے اشتباہ قمر الدین
خردم گفت ، ماہ خلد بریں“

بحو ذات خدا جہاں بود
شعر رنگین و تازہ اش بہ جہاں
دہلوی بود آن خدا آگاہ
دل وارستہ داشت در عالم
لقبش را بدان زروئے یقین
سال نقلش بعزت و تمکین

۱ - ہدایوں ۲ : ۳۴۷ -

۲ - ہدایوں ۱ : ۳۴۷ -

۳ - مخبر الواصلین ص ۷۳ -

۴ - واقعات دارالحکومت دہلی جلد ۳ : ۲۵۱ ، مفتاح التواریخ ص ۱۵۰ -

خزینۃ الاصفیاء میں یہ تاریخ ہے :

مقتدائے دین جلال دو جہاں جامع عز و کمال معرفت
شد چو در جنت زبانتف شد ندا طالب اہل جلال معرفت

مذہب

گجرات سے جہالی کی نعش دہلی میں لا کر دفن کی گئی جیسا کہ تاریخ ہدی میں مرقوم ہے :

”تہم ذی قعدہ در گجرات فوت شد و بدہلی نقل کردند - خسرو ہند بودہ -

تاریخ است“

لاش خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گورستان میں وہاں دفن کی گئی جہاں زندگی میں وہ مقام پذیر تھے - جیتے جی ہی انہوں نے اپنی قبر بتوادی تھی - اخبار الاخیار میں ہے :

”مقبرہ او در مقام خواجہ قطب الدین است (قدس سرہ) بغایت منزه و لطیف

معمور خود ساختہ ، و خانہ کہ الان قبر او دروست ، در حالت حیات مسکن او بودہ“

۱ - خزینۃ ۲ : ۸۴ بعض مصنفین نے تاریخ میں اختلاف بھی کیا ہے - خوش گو نے سال وفات ۵۹۷۵ لکھا ہے (فہرست اندیا آفس : ۱ : ۲۶۳) - اسپرنگر نے آثار الصنادید کے حوالے سے ۵۹۷۲ اور اس مصنف کے غلط درج کردہ الفاظ تاریخ (خسرو ہند) کی بنا پر ۹۲۵ درج کی ہے (ص ۴۴۶) - ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی اور (بودہ) کے کام نہ ہونے کی وجہ سے یہ غلط اندراج رواج پا گیا - اسپرنگر نے یہ تاریخی کتاب بیان حقایق احوال سید المرسلین کے تحت دی ہے - جو در حقیقت جہالی دہلوی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ کتاب جہالی اردستانی کی ہے جس کا سال وفات ۵۸۷۹ ہے (ریحانۃ الادب : ۱ : ۲۸۳) اور کتاب کی تصنیف کا سال ۵۸۶۸ ہے - نفایس المآثر میں سال ۵۹۳۷ درج ہے (تاریخ تذکرہ ہائے فارسی گلچین ۲ : ۳۷۵ - ۳۷۹) -

۲ - استدرکات اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۴ ، ص ۷۵ -

۳ - اخبار ص ۲۲۸ -

اسپرنگر نے لکھا ہے کہ : ان کا مقبرہ سنگ مرمر کی ایک چھوٹی عمدہ عمارت میں ہے جو قطب مینار سے جنوب مشرق میں تھوڑی دور اور دہلی سے گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔^۱ سر سید نے آثار العننادید میں لکھا ہے :

”درگاہ مولانا جالی - نواح قطب صاحب میں یہ بہت مشہور درگاہ ہے - شیخ فضل اللہ معروف بہ جلال خان نے قریب ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء کے اپنے جیتے جی یہ کوٹھری بنائی تھی اور آزادوں کی طرح اس میں رہتے تھے - جب ۹۴۲ھ مطابق ۱۵۳۵ء کے ان کا انتقال ہوا تو اس حجرے میں مدفون ہوئے - یہ درگاہ مولانا جالی مشہور ہے - یہ حجرہ بہت اچھا چوٹے کا بنا ہوا ہے اور تھوڑی تھوڑی چینی کاری بھی کی ہوئی ہے - حجرے کے اندر چوٹے کی منبت کاری میں دو غزلیں ان ہی کی کہی ہوئی کھدی ہوئی ہیں“

مسجد

درگاہ جالی کے ساتھ جالی کی بنوائی ہوئی مسجد بھی موجود ہے جس کے متعلق سر سید نے لکھا ہے :

”مولانا جالی کی درگاہ کے پاس یہ مسجد ہے ، بہت بڑی اور نہایت شان دار چوٹے اور پتھر سے بنی ہوئی ، اس مسجد کو بھی مولانا جالی نے اپنے جیتے جی قریب ۹۳۵ھ مطابق ۱۵۲۸ء بنایا تھا - جس جگہ یہ مسجد واقع ہے ، پہلے آبادی قطب صاحب کی اس مقام پر تھی - چنانچہ اب بھی اس جگہ پرانی

۱ - His tomb, a very elegant little building of white marble, is a short distance S.E. of the Kotab Minar eleven miles from Dilly (P. 446)

۲ - ص ۷۴ (۱۹۰۴ء) آثار العننادید کے مختلف ایڈیشنوں کی عبارت میں فرق ہے - غزلیں ایڈیشن ۱۹۰۴ء میں نہیں ہیں - ۱۸۹۵ء (۱۳۱۳ھ) میں غزلیں موجود ہیں - مضمون کی عبارت میں بھی فرق ہے -

۳ - مائٹرالامراء میں ہے کہ یہ مسجد گدائی نے بنوائی تھی (جالی..... در دہلی کہنہ..... در مقبرہ قرینی (کہ در جنب آن مسجدے است کہ خلف الصدف او شیخ گدائی بنا کردہ) مدفون شد (۲ : ۵۴) -

ہستی کے کہندر بڑے ہوئے ہیں بلکہ جس زمانے میں پتھورائے یہاں قلعہ بنایا اس زمانے میں بھی آبادی اس مقام پر تھی۔“
سر سید کے بعد ان کتابوں میں عمارتوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

- (1) Cunningham: Archaeological Survey of India, Report for year 1871-72 (1874) P. 62-76.
 - (2) C. Stephen - Archaeology and Monumental Remains of Delhi (1876) Simla P. 171-172.
 - (3) Fan Shawc. H. C.-Delhi-Past & Present (1902) - P 278. London.
- ان میں سے مفصل حال Stephen نے لکھا ہے۔ باقی دو نے مختصر روئداد درج کی ہے۔

۴۔ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی۔ واقعات دارالحکومت دہلی، اردو کی کتاب ہے۔ اس میں Stephen کے پورے مطالب کا ترجمہ بغیر حوالے کے دیا گیا ہے۔ ہم اس کا اقتباس باندنوی تغیر یہاں درج کر رہے ہیں۔
مولانا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد..... درگاہ آپ کی راجوں کی ہائیں کے پاس پختہ..... میں ہوئی ہے۔..... ۹۳۵ھ (۱۵۲۸ء) میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی ہائیں کے پاس بنوایا۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان و شوکت کی، چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ اس کی جنوبی وضع اور دلکشی کا بیان نہیں ہو سکتا..... اس پر کوئی گنبد یا تاریخ بنا نہیں..... اس کی وضع قطع ہمایوں کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے..... اگرچہ اب یہ مسجد ویران ہے مگر اگلے زمانے میں قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی..... مسجد اور درگاہ کے احاطے کو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار درگاہ کی جنوبی دیوار ہے۔ درمیان میں راستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ مسجد کے صحن کا طول ۱۲۰ فٹ اور عرض ۷۰ فٹ ہے۔ اس میں داخلی دروازہ مشرقی دیوار سے ہے جو حال کا

۱۔ آثار ۴۷۲ (کالمبر ۱۹۰۴ء) نیز دیکھئے غرابت نگار عبدالحق دہلی ص ۱۳۵
سال ۱۸۷۶ء و کتاب دہلی سید احمد ولی اللہی ص ۲۳۸ سال ۱۹۰۱ء نیز
مزارات اولیائے دہلی مولوی محمد عالم فریدی دہلوی ۱۳۴۶ھ۔

نکلا ہوا ہے۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار سے تھا جو ایک جدید دیوار سے جو مشرق اور جنوبی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے۔

مسجد کی وضع قطع سولہ مسجد جیسی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین۔ جالی مسجد کا گنبد لودھوں کے زمانے کی آخر طرز کا ہے۔ مسجد کا طول ۱۲۰ فٹ عرض ۲۷ فٹ اور اونچائی ۱۳۲ فٹ ہے۔ چھت سے گنبد تک ۱۰ فٹ کی بلندی ہے۔ مسجد پنج دری ہے۔ درمیانی محراب دیوار میں دو فٹ اندر کو ہے جو ۳۰ فٹ بلند اور ۱۵ فٹ چوڑی ہے۔ دیوار دوز ستونوں کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہے سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش و نگار ہیں..... محرابوں کی پیشانی پر بھی خوش نما بیل ہوئے بنے ہوئے ہیں اور سنگ سرخ کی پٹیاں بڑی ہوئی ہیں۔ محراب کے نیچے اس دیوار میں، جس میں بیچ کا دروازہ ہے، ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی سے تین چار فٹ نیچے وہ دروازہ ہے، جس کا ذکر اوپر آیا ہے، جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں، بیل ہوئے اور نقش و نگار ہیں۔ درمیانی محراب کے ادھر ادھر کی محرابیں ۱۲ فٹ اونچی اور ۱۰ فٹ چوڑی ہیں۔ بیچ کی محراب کی چھت دونوں طرف کی محرابوں کی چھت سے ۱۸ فٹ اونچی ہیں۔ آخری بازو کے محرابوں کی دیوار دوز ستونوں میں دو طاق کم گہرے اور ۳ فٹ اونچے ہیں۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی لہلہ محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہے۔ چھوٹی محرابوں کی پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں۔ جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہے۔ صحن مسجد پر چوکی بچھی ہوئی ہے۔ ہانچوں دروازوں کے جواب میں پچھت کی دیوار میں بڑی بڑی دیوار دوڑ محرابیں ہیں۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے ہتکے اور نقش و نگار ہیں۔ بیچ کے خطے پر گنبد ہے جس کی چھت محراب دار ہے اور اطراف کے حصوں کی سطح۔ درمیانی حصہ مربع ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہے۔ درمیانی حصے کے کونوں کی مثلث جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں..... مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ہشت پہلو برج ہے جس کا قطر ۱۱-۱۲ فٹ ۸ انچ اور دروازے کی بلندی ۲-۳ فٹ ہے۔ اس برج میں کوئی قبر نہیں ہے..... مسجد کے دونوں طرف ۲۹ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔

مسجد کی عقب کی دیوار میں بھاری بھاری توڑے جگہ کو ہر کرنے کو لگا دیے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی ۱۰ لکھ مربع زمین تحصیل کے احاطے سے محصور ہے۔ احاطے کی دیوار ۱۰ فٹ اونچی ہے اور اس میں مولانا جالی کا مزار ہے۔

احاطہ پورے پتھر اور کچ کا ہے جس میں جانے کے لیے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہے۔ تمام دیوار میں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں۔

اس احاطے کے جنوب و مغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام کے لیے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا رستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔

مزار کے مشرق میں ایک وسیع احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔ جالی کی قبر ۲۵ فٹ مربع اور ۱۶ فٹ اونچی حجرے میں ہے جس کا دروازہ جنوب رخ کی دیوار میں ہے۔ دروازے کے سامنے اور عارت کے گردا گرد سنگیں چھبھہ ہے جس کے توڑے لگے ہوئے ہیں۔ اسی کے نیچے حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پتکہ ہے۔ حجرے کے سطح چھت کے اطراف میں بھی رنکیں نقاشی کا کام ہے۔ دروازے کے دونوں طرف دو طاق ہیں جن کے اوپر ایک دیوار دوزخراب ہے۔ روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے دو فٹ مربع طاق بنا دیے گئے ہیں۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبد دار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے زیادہ نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہے۔

جالی کی قبر حجرے کے بیچ میں ہے۔ آپ کی داہنی طرف ایک اور قبر ہے۔ جو آپ کے بھائی کالی کی کہی جاتی ہے۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ دونوں قبریں نہایت شگاف سنگ مرمر، جن کو بہت مجلی کیا گیا ہے۔ قبروں کے تعویذ سادے ہیں۔ کوئی نقش و نگار یا کتبہ نہیں ہے۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہے جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں بڑی ہوئی ہیں۔ قبر کا تعویذ

۱۔ مزارات اولیائے دہلی (ہند عالم فریدی دہلوی) میں ہے کہ: اندر گنبد شیخ جالی کے چھا کا مزار ہے۔ (ص ۸۳)۔

چھ فٹ آٹھ انچ 7×8 فٹ آٹھ انچ مربع ہے۔ دیواروں پر..... نفیس کچ کاری پر
 نقش و نگار کے علاوہ کنبہ کی چھت پر لاجوردی رنگ کے گل بوٹے نکالے گئے
 ہیں۔ جن کا رنگ ہائدار ہے..... درگاہ کے سامنے $26 \frac{1}{4} \times \frac{1}{4}$ فٹ
 چوڑائی کا نفیس فرش ہے۔ جس میں سفید اور گہرے رنگ کی ۶ انچ مربع
 ٹائلیں لگی ہوئی ہیں۔ فرش کے بیچ ۷ فٹ ۳ انچ کا حوض ہے۔ جو اب ہاٹ دیا
 گیا ہے۔ درگاہ کا احاطہ کنگرہ دار ہے۔ طول و عرض 98×112 فٹ ہے۔
 اونچائی ۱۰ فٹ ہے۔ دیوار طاقدار ہے۔

احاطہ میں بجانب مشرق $9 \frac{1}{4}$ فٹ مربع چوکھنڈی ہے جس کے بیچ میں
 سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہے۔ اور دو طرف (اللہ - اللہ) اور بیچ میں کلمہ لکھا
 ہوا ہے۔ چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگرہ دار $100 \times \frac{1}{4}$ فٹ طاقدار
 احاطہ ہے جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہے۔ اس میں بہت سی قبریں ہیں جو اب
 شکستہ ہیں۔

کتبہ

- مسجد کے داہنی طرف سے پہلے دروازے پر یہ عربی آیات کے کتبات ہیں۔
- ۱۔ لیس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق و المغرب۔
 - تا۔ و اولئک ہم المتقون۔
 - ۲۔ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام..... تا لعلہم یرشدون۔
 - ۳۔ اللہ لا الہ الا ہوالحی القیوم..... فمن ینکفر..... کما دخل الیہا.....
 - ہرزق من یشاء بغیر حساب۔

۱۔ ص ۳۵۰-۳۵۶۔

۲۔ البقرہ ۲-۱۷۷۔

۳۔ ایضاً ۲-۱۸۳-۱۸۶۔

۴۔ آل عمران ۳-۳۷۔

۴ - (بیش طاق پریم) - وما جعلنا القبلة التي..... إن الله بالناس لرؤف
رحیم -

۵ - سبحن ربك رب العزة عما يصفون و سلام علی المرسلین و الحمد لله رب
العالمین -

مقبرے کے اندر گنبد کے چوگرد چوٹے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں
اور ایک رباعی لکھی ہوئی ہے :

اگر ہنکر کشد سر سیاہ کاری ما
بود بہ عفو تو چشم امیداری ما
بہ آستان تو، شرمندہ سکن تو ام
کہ شب قرار ندارد بہ آہ و زاری ما
اگر بہ پردہ راز تو محرمی بہد
فرشتہ فخر نماید بہ پردہ داری ما
بغاک کوئے تو، در چشم مردمان خواہیم
بہ نزد اہل نظر عزتست خواری ما
ز اہر لطف تو شد ناہدید گرد گناہ
ولہک شستہ نہ شد داغ شومساری ما
بروز ہجر تو، در بیکسی و تشائی
بہ جز غمت نہ رسد کس، بہ غم گساری ما
جا لیا بدرہار الناس می آر
کہ بہت پر دو دلدار رستگاری ما
ز حد گزشت چہشت تو بی قراری ما
امید بہت کہ رحم آوری بہ زاری ما
جلل عفو تو، کے آمدی بروں ز نقاب
اگر نہ روئے نمودی گناہکاری ما
اگرچہ دوخور قہریم، از گنہ کاری
بود بلطف تو چشم امیدواری ما

عزت جبروت و بہ حرمت ملکوت
 رسم اگر نظر آری بہ خاکساری ما
 اگر بہ پردہ راز تو، پردہ دار شویم
 فرشتہ را نہ سزد جائے پردہ داری ما
 ز یک ترشح ابر کرم فرو شدی
 غبار جرم ز رخسار شرمساری ما
 نظر بہ سوئے جالی فکن زمین عطا
 میں بہ جانب مستی و خامکاری ما
 اے رحمت تو ز معصیت پردہ کرو
 وے قمر ترا اطف تو فرمودہ پروا
 جائے کہ شد از خرمین عفو تو سخن
 آب گنہ خلق بسنجید بیوہ

۵۔ اولاد

اخبارالاخبار میں جالی کے دو بیٹوں کا حوالہ ہے۔ لیکن دیوان میں ایک اور بیٹے کا ہتہ چلتا ہے جو جوانی میں فوت ہو گیا۔ اور جالی نے اس کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے۔ جالی کی طرح ان کی اولاد کے لیے بھی مواد بہت کم ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے پوری زندگی کا خاکہ تیار کرنا بڑا مشکل ہے۔ جتنا کچھ مواد فراہم ہو سکا ہے، اس کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حسن

یہ غالباً جوانی میں فوت ہو گئے۔ اور جالی نے ایک ہر درد مرثیہ لکھا جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔ ایک ہند یہ ہے :

روزگار بیوفا،	با من عجائب	کار کرد
سہنہ ام	انگار کرد و دیدہ ام	خونبار ساخت
بخت من	بیدار بود و فتنہ	محت بخواب
بخت را در خواب	کرد و فتنہ را	بیدار ساخت

سوزِ غم را با دل بے صبر من ہمدرد کرد
صبر را از سینہ ہر درد من بیزار ساخت
اے عزیزان : یوسف گم کرد این گرگ کہن
دیدہ یعقوب چون اشک زلیخا خوار ساخت
صد ہزاران داغ محنت بر دل ہر خون نہاد
مردن آسان کرد بر من زندگی دشوار ساخت
دہدہ ما بر دم از عکس رخس گلزار بود
دور گردوں آن ہمہ گلزار را ، ہر خار ساخت
آنکہ از رویش در و دیوار ما ہر نور بود
روزگار اندر میان او و ما دیوار ساخت
دیدہ گرہاں ، سینہ ہریاں ، دل ہریشان جاں خراب
ہمچو مرغ نیم بسمل می تیم در اضطراب

حسن کی جوان مرگی ہی سبب ہوئی کہ وہ زندگی کی پوری بہار نہ دیکھ سکے ۔
اور تذکروں میں ان کا ذکر نہ آ سکا ۔

۲ - عبدالحمی حیاتی متوفی ۱۹۵۹ء

یہ چھوٹے بیٹے تھے ، نہایت ہی خوش ذوق اور اعلیٰ درجے کے شاعر ۔
اخبار الاخیار کے مصنف ان کے اوصاف کی یوں تعریف کرتے ہیں :
”مجموعہ مکارم اخلاق و مجمع محامد اوصاف“ در زمان خود و مجمع الفضلاء و مرجع
الظرفا بود ، بیش پدر محبوب تر و بہ دل نزدیک تر بود ، نشاء غریبے داشت
و ظہورے عجیب بی گوشہ فیض حالتی نبود“ ۔
شعرو سخن میں ان کو برتری اور ید طولیٰ حاصل تھا ۔ فی البدیہہ شعر کہتے
تھے ۔ اخبار الاخیار کے مصنف کہتے ہیں کہ اگر وقت اُن کا ساتھ دیتا تو نہ
جائے کتنے غیر معمولی آثار چھوڑتے ۔
”الحق اگر بہ این قوت کہ در گفتن شعر او را بود ، اگر فکر و وقت ضمیمہ
آن می شد ، آثار شریبہ ازوے بہ ظہور می آمد ۔

۱ - اردو ادب ص ۱۵۷ ، اوینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ -

۲ - اخبار ص ۲۲۸ -

دوست نوازی ، عام میل ملاقات ، بے تکلف رہن سہن کی وجہ سے عام و خاص میں ان کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی ۔ باوجود عزت اور بزرگی کے جو ان کو حاصل تھی نہایت آزاد ، سادہ اور بغیر کسی رکبہ رکھاؤ کے زندگی بسر کرتے تھے ۔ اپنی آمدنی پر نہایت مطمئن اور خوش گزراں تھے ۔ کبھی حرص اور ہوس کی محبت ان کو نہیں رہی ۔ کلفت اور غم و فکر اور اندوہ سے کوئی سروکار نہ تھا ۔ نہایت آزاد منشی اور بے فکری میں شب و روز گزارتے تھے ، بقول صاحب اخبارالاخيار :

”کلفت و محنت را گرد سرا پرده حالش مجال عبور نبود ، ہر روز در حوالہ کلبی و دائم در سیری و ہر دم در شوق بود ۔ با ایں بہم از معنی فقر و غنا و درد مندی ، کہ سرمایہ سعادت ایندی است ۔ قسطی کامل نصیب او شدہ ۔“

دستر خوان نہایت کشادہ تھا ۔ نہایت خوش سلیقہ اور وسعت قلبی سے سہانداری کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ افغانی دور حکومت میں جتنے اہل فن ، شاعر ، قلندر ، طالب العلم ایران توران سے وارد ہوتے تو سب سے پہلے ان کے دسترخوان پر مہمان ہوتے ۔ اور ہر ایک ان کے حسن سلوک ، فراخ حوصلہ اور کشادہ پیشانی سے خوش ہو کر آگے جاتا ۔ ان کے گھر پر سہانوں اور سلتے والوں کا ہمیشہ ایک انبوہ لگا رہتا تھا ۔ اخبارالاخيار میں ہے کہ باپ سے بہت مال و دولت ان کو ترکے میں ملا تھا ۔ اس ہورے اٹائے کو انہوں نے سیرو سفر ، دوست نوازی ، سہانداری اور دسترخوان کی فراوانی پر خرچ کر ڈالا ۔

تاریخ ہدی کے مصنف نے ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اس وصف اور خوبی کی تائید کی ہے :

”وے بہ فقر و آزادی و حسن خلقی متصف بود۔“

ابلیٹا نے عبدالحق دہلوی کی ایک بے نام تصنیف کا اقتباس دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحق نے اپنے عہد کی ایک تاریخ لکھی تھی ۔ جس کو سلیم شاہ کے نام پر معنون کیا تھا ۔ لیکن وہ عبدالحق کے دور سے پہلے ناہید ہو چکی تھی ۔ شیخ نے اپنی اس تصنیف میں بھی عبدالحق کی شاعری کی تعریف کی ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی شاعری کا پورا ذخیرہ ضائع ہو گیا ۔

شیخ عبدالحی کی عمر صاحب تاریخ نجدی نے ۳۶ برس لکھی ہے۔ اس حساب سے ان کی پیدائش کا سال ۸۹۳۳ ہوتا ہے۔ یہی سال اخبار الاخبار میں بھی ہے۔ اسی سال جالی کے دوست اور مری پادشاہ سکندر لودی کا بھی انتقال ہوا۔ اخبار الاخبار اور بدایونی نے شیخ کی وفات کا سال ۸۹۵۹ دیا ہے۔ بدایونی کی عبارت یہ ہے :

”وہ رمضان سال (۸۹۵۹) شیخ عبدالحی ولد شیخ جلال کنہوی دہلوی کہ بہ فضائل علمی و شعری آراستہ و صاحب سجادہ و ندیم و مصاحب خاص العظام سلیم شاہ (سوری) بود۔ و دیعت حیات سپردا۔ اخبار الاخبار میں ان کی وفات پر سید شاہ میرک (از اولاد میر شریف جرجانی) کی کہی ہوئی تاریخ موجود ہے :

ندر العصر شیخ عبدالحی کہ ز وصفش مرا زباں نبود
وقت نزعش بہ سر رسیدم من گفتم اے چوں تو، در زباں نبود
سال تاریخ خویش، خود فرما کہ جز او، ورد این زباں نبود
گفت ا تاریخ من بود نام بندہ وقتے کہ درمیان نبود

شیخ عبدالحی سے عبد (بندہ) کے عدد کم کرنے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ بدایونی کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ شیخ عبدالحی سلطان سلیم شاہ سوری (۹۵۲-۸۹۶) کے ندیم اور خاص العظام مصاحب تھے۔ سلیم شاہ (اسلام شاہ) علم دوست، سخن شناس، اور اہل فن کا قدردان تھا۔ تاریخ خاں جہانی کے مولف نے ان کے ان اوصاف کی تعریف کرتے ہوئے شیخ عبدالحی کے مراسم کا ہوں ذکر کیا ہے۔

”و از جملہ مصاحبان آن پادشاہ فضیلت دستگاہ قدوۃ المحققین شیخ عبدالحی ولد شمع جالی کتبہ بود کہ اکثر اوقات باو صحبت می داشت و در ظرافت و لطافت او ثانی نبود چنانچہ قصائد غرا در مدح اسلام شاہ گفتہ۔“
سلیم شاہ کے باپ سلطان شیر شاہ سوری سے بھی شیخ کے تعلقات تھے۔ اور

۱۔ بدایونی ۱ : ۴۱۰۔

۲۔ اخبار ص ۲۲۹۔

۳۔ تاریخ خاں جہانی ص ۳۷۷۔

غالباً حاضر باشی تھی۔ چنانچہ جب ملو خان خزانہ اور اپنے اہل و عیال کو لے کر رات کے وقت فرار ہو گیا تو شیخ کو شیر شاہ نے اطلاع پا کر کہا :
ملو غلام کیدی یا من چہ کرد ، دہدی !

شیخ وہاں حاضر تھا۔ اس نے فوراً دوسرا مصرعہ کہا :

قوی مست مصطفیٰ را ، لاخیر فی العبیدی !

تاریخ خاں جہانی میں ہے کہ ”بجالب فیض مآب شیخ عبدالحی..... توجہ نمود و این مصرعہ را فی البدیہہ گفت“۔ اس سے واضح ہے کہ شیر شاہ کے ساتھ شیخ کی موانست اور بجالست تھی۔

شیخ کی قبر بقول صاحب اخبارالاکھیار باپ کے مقبرے سے باہر جیوترے پر ہے۔^۲

۳۔ شیخ عبدالرحمن گدائی متوفی ۹۷۶ھ

شیخ جالی کے بڑے بیٹے عبدالرحمن نام گدائی تخلص ، ان کا نام کسی تاریخ یا تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا۔ مجد حارثی بدخشی نے اپنی تاریخ ہمدی میں یہ نام دیا ہے۔ صاحب اخبارالاکھیار نے ان کے بزرگ ، جاہ و جلال ، مرتبہ اور عزت کی ان الاظامیں تعریف کی ہے :

”لار بزرگی و جاہ پہلو بہ پدر می زد ، و در اول و آخر بہت بر کسب معانی و مفاخر داشت ، در رعایت اطوار بزرگی و عزت ملاحظہ اوضاع جاہ و دولت می بود“۔

جس طرح ان کے والد سکندر لودھی کے جلس ، ہماراز اور ہم نشین تھے اور جیسے ان کے چھوٹے بھائی عبدالحی سلطان سلیم کے مقرب خاص الخاص تھے۔ اسی طرح گدائی بہایوں بادشاہ کے دامن دولت سے وابستگی رکھتے تھے۔

۱۔ طبقات اکبری ۲ : ۱۰۳ تاریخ شیر شاہی میں یہ مصرعہ یوں آیا ہے ع راست است این حکایت لاخیر فی العبیدی (ص ۱۷۷) بدایونی میں پہلا مصرعہ ہے :
با ما چہ کرد دہدی ملو غلام کیدی (۱ : ۳۶۵)۔

۲۔ تاریخ خاں جہانی ص ۳۲۰۔

۳۔ اخبار ص ۲۲۹ مزارات اولیائے دہلی (مولوی مجد عالم فریدی دہلی ۱۳۴۶ھ)

میں یہی اسی طرح مرقوم ہے (ص ۸۳)۔

۴۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ص ۷۴۔

۵۔ اخبار ص ۲۲۹۔

جب شیر شاہ سوری نے بہایوں پر غائبہ پایا (۸۹۴ھ) تو شیخ گدائی اسی تعلق کی بنا پر دہلی چھوڑ کر گجرات میں آ کر فی الحال گوشہ نشین ہو گئے اور تھوڑے عرصے کے بعد صاحب اخبار الانبیاء اہل و عیال کو لیے کر حرمین شریفین چلے گئے۔ جہاں سے اکبری دور کے ابتدا میں دہلی واپس آ گئے۔

پیرام خاں، خاں خانان سے شیخ کے روابط کی ابتدا وہیں سے شروع ہوئی ہے۔ پیرام خاں شیر شاہ کی فوج کی تاب نہ لا کر جب گجرات پہنچا ہے اس وقت شیخ گدائی نے اس کے ساتھ بہت ہی غیر معمولی سلوک کیا۔ جب تک رہا سپہانداری اور مروت و مودت کے تمام لوازمات سر انجام دیے اور جب پیرام خاں بہایوں کی طرف چلا تو اپنے آدمیوں کے ساتھ حفاظت تمام ان کو سندھ میں پہنچایا تاریخ شیر شاہی میں ہے کہ :

”چوں شیر خاں از اجین کوچ کرد، پیرم بیگ و محمد قاسم (حاکم گوالیار) پر دو جانب گجرات گرفتند۔ محمد قاسم در راہ کشتہ گشت و پیرم خاں در گجرات رفت۔ شیخ گدائی در گجرات بود، خدمات پسندیدہ نمود و از گجرات پیرام را در ملازمت حضرت بہایوں بادشاہ روانہ ساخت“۔

بہایوں اس وقت سندھ کے قصبہ جون میں بڑی ماہوسی کے عالم میں منزل انداز تھا۔ بقول تاریخ معصومی : پیرم جب ۷ محرم کو ان کے پاس پہنچا تو بہایوں کی تمام نا امیدیاں فی الحال دور ہو گئیں“۔

۱۔ مسند عالی عیسوی خاں کلبور پیرام خاں کو لیے کر اجین کی منزل پر شیر شاہ کے پاس آیا۔ شیر شاہ نے پوچھا کہ پیرم خاں کو کہاں سے لائے؟ عیسوی خاں نے جواب دیا شیخ ملہی قتال (ان کا احوال آگے آتا ہے) کے گھر سے۔ شیر شاہ نے کہا کہ معاف کر دیا کیونکہ جب کسی نے شیخ قتال کے گھر میں پناہ لی، افغانوں کے عقیدے کے مطابق اس کو بخش دیا جاتا ہے۔ جب اجین سے شیر شاہ نے کوچ کیا تو پیرم موقع پا کر گجرات کی طرف فرار ہوا۔

۲۔ تاریخ شیر شاہی ص ۱۶۱۔ دوسری جگہ لکھا ہے بدالالت بدرقہ شیخ گدائی ملازمت بہایوں بادشاہ رسید ص ۱۶۱۔

۳۔ تاریخ سندھ ص ۱۷۹۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ گدائی ۹۳۷ھ سے لے کر ۹۵۰ تک گجرات میں مقیم تھے۔ حرمین شریفین اس کے بعد ہی کسی سال گئے ہیں۔ اور پھر جب اکبر تخت نشین ہوا (۹۶۳ھ) تو بقول طبقات اکبری سال سیوم (۹۶۵ھ) وہی دہلی واپس آ گئے جہاں بیرام خاں نے انہیں ساتھ کیے ہوئے سلوک کا حق ادا کرتے ہوئے ان کو صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز کر دیا۔ صاحب طبقات کی عبارت ہے :

”(سال سیوم) و ہمدریں اوقات منصب صدارت ممالک باستعمواب خاں خاناں ، شیخ گدائی..... دہلوی - بتقریب آشنائی خاں خاناں را شیخ گدائی در ایام غربت در گجرات بہم رسیدہ بود - تفویض یافت“

شیخ ابوالفضل ، شیخ گدائی کے منصب کا ذکر سال اول جلوس (چہار شنبہ) ۲۸ ربیع الثانی (۹۶۳ھ) میں کرتا ہے :

”و در ہمیں ایام شیخ گدائی کنبہ و از گجرات آمدہ ادراک ملازمت نمود - و چون در زمان غربت در گجرات بہ بیرام خاں حسن سلوک نمودہ مدد سی بہا آوردہ بود دریں وقت کہ عنان اختیار بدست بیرام خاں بود ، بہ ہاداش آن بہ شیخ روئے در افزایش نہاد و بہ منصب صدارت سر بلند شد و در میان اقران بہ تغظیم و ترفع زندگانی کرد“

تاریخ شیر شاہی میں ہے کہ بیرام خاں نے اتنے احسانات کیے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتے -

”بیرام خاں کہ خانخانان خطاب او شد ہا شیخ گدائی و میان عبدالوہاب... چنداں احسان نمود کہ پیش از متصور نیست“

شیخ گدائی کے اوج و اقبال کے بیان میں صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ

”احترام شیخ گدائی بجائے رسید کر ہر اکابر ہندوستان و خراسان تقدیم کرد“

۱ - طبقات ۲ : ۱۴۰ -

۲ - اکبر نامہ ۲ : ۲۰ -

۳ - تاریخ شیر شاہی ص ۱۶۱ -

۴ - طبقات ۲ : ۱۴۰ مآثر رحیمی (۲ : ۲۹) میں ہے ”دہلی وقت شیخ گدائی کنبہ کہ در حین رفتن خاں خاناں گجرات و توجہ نمودن ملازمت جنت“

ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ گدائی حج کے بعد کجرات واپس آ گئے تھے جہاں
اکبری دربار میں پہنچے اور یہ منصب پا کر اتنا اثر رسوخ اور جہ و جلال
پہنچا کہ اس سے زیادہ وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ان کے رسوخ
کی تصویر مآثر الامراء میں اس طرح بیان ہوئی ہے :

”وچنانچہ نقی صحبت او بہ بیرام خان درست نشست کہ خان جمیع سہات
مالی و ملکی بے استصواب او سرمنی کرد ، و با آنکہ متعدد منصب صلاحت
بود ۔ برظہر مفاشر مہر او می شد ، اورا تسلیم معاف داشتہ در محافل و مجالس
بر جمیع سادات صحیح التسبب ترجیح و تقدیم داد و عظمت شان شیخ بہ
مرتبہ رسید کہ سوارہ بہ عرض آشیانی مصلحتہ می نمود“

گویا خاناناک کے ہم رتبہ ان کا مرتبہ تھا ۔ تمام ملکی کاروباران کے مشورے سے
ملے پاتے تھا ۔ سرکاری فرامین اور مناشیر ہر جب تک ان کے دستخط نہ ہوں اجرائی
نہیں پاتے تھے ۔ تسلیم اور کورنش معاف تھا ۔ سرکاری مجلسوں میں سادات اور
علماء ہر ان کو ترجیح حاصل تھی ۔ اور بادشاہ سے چڑھے گھوڑے ہاتھ ملا سکتے تھے
ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ شاہزادوں کو عزت اور قدرت حاصل نہ تھی ۔ اکبر
نامہ میں ابوالفضل نے یہی حقیقت بیان کی ہے :

جمیع سہات مالی و ملکی را بیرام خان بے استصواب او منی کرد ۔ او ہم از
بادہ مدد افگنی دنیا از جائے رفتہ بہ احوال مساکین و ضعفاء منی پرداخت ۔
و تکبر کہ بنیاد افگنی قدیم دولتاں است تا بہ نو دولتاں چہ رسد ۔ پیش
گرفتہ اسباب نکال خود و مری خود سر انجام می نمود“

آخر بادشاہ اور بیرام خان کے بعد میں ہونے والے باہمی اختلافات کا ایک
بڑا سبب شیخ گدائی کا یہ اثر رسوخ بھی تھا ۔ اکبر گدائی کے اس نفوذ اور
ان کے کرتوتوں کو سخت ناہند کرتا تھا ۔ چنانچہ اپنے ایک فرمان میں بیرام

آشیانی وقت رفتن سفر عراق چمن سلوک شایستہ نمودہ بلازمت آمد ، آچہ
بزرگان را با این قسم مردم باید کرد ، بیا آورد“

۱۔ مآثر الامراء ۲ : ۵۳۰ -

۲۔ اکبر نامہ ۲ : ۸۷ -

خان کو اس کی تنبیہ بھی کی۔ بادشاہ کے اس فرمان میں گدائی کے اقتدار کی تصویر خود بادشاہ کے الفاظ میں یوں کھینچی گئی ہے :

”زام حل و عقد و رتی و فتی امور را بہ قبضہ اختیار او (پیرام خان) گواشتہ بودیم کہ مزیدے ہر آن تصور نتواند..... تا آنکہ درین پنج سال چندے امور ناشایستہ ازو بہ ظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بود۔ مثل تربیت شیخ گدائی کہ باوجود دعویٰ آن ہمہ زورگی و دانائی از میان این ہمہ مردم فاضل و قابل باحسب و نسب اورا بہ مصاحبت و آشنائی خود انتخاب نمودہ۔ و با آنکہ متحدہ منصب صدارت شدہ بود و در ظہر مناشیر مہر می کرد۔ اورا از تسلیم معاف داشتہ بود و بہ کمال جہل و نادانی در محافل جنت بمائل اورا ہر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب کہ بنا پر ملاحظہ عظمت شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آوردیم۔ تقدیم دادہ، باوجود لاف محبت و دوست داری کہ بہ خاندان طہیین و طاہرین می زند۔ مذلت و خواری این فرقہ شریفہ را عمداً تجویز می نمود و تربیت کردہ خود را سردودیا و مطرود نظر ہاست۔ ہرین طائفہ کہ تربیت الہمی دارند، ترجیح دادہ از ارواح مقدسہ این ہمہ بزرگان پیچ گوشتہ شرم و آزرہ نداشت و اورا بہ مرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما مصافحہ می نمود.....“

گدائی نے پیرام خان کی اس پیش بینی پر اپنے روئے سے دربار اور اطراف کے پورے ماحول کو اپنے خلاف کر دیا۔ تمام امیر اور اہل دربار ان سے بیزار اور ان کے مخالف ہو گئے، اہل علم و فضل اور ثقہ لوگ ان سے نالاں تھے۔ ماہم انکہ، بادشاہ کے گھر کی ذی وقار عورت تھی اس کو مخالف کر دیا۔ ناصر الملک سے دشمنی پیدا کر لی۔ شیخ محمد غوث گوالیاری اس دور کے جلیل القدر شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کو اس حد تک ہر شیان کیا کہ وہ بیزار ہو کر دوبار سے چلے گئے۔ اکبر نامہ میں ہے کہ

۱۔ اکبر نامہ ۲ : ۱۰۶-۱۰۷، اکبر نامہ میں پیرام خان کے اختلافات اور گدائی

کے لیے دیکھئے صفحات ۲ : ۶۶-۸۶، ۹۳-۹۷۔

۲۔ اکبر نامہ ۲ : ۶۶-۸۶۔

۳۔ اکبر نامہ ۲ : ۸۸-۸۹، طبقات اکبری ۲ : ۱۳۱، تاریخ خان جہانی

شیخ گدائی کہ باوجود عداوت قدیمی داشت ، بتازگی کمر دشمنی پرست و رسالہ اوراکہ در گجرات نوشتہ بود..... بجان خاناں رسانندہ خاطر اورا پرو متغیر گردانید و او بوسیلہ بعض مردم از آئیب خانخانان نجات یافتہ بگوالیار منزوی شد۔

جب بادشاہ اور بیرام خان کے درمیان ناہمسندی کی اور اختلاف کی بہت بڑی خلیج حائل ہو گئی اس وقت بیرام خان حج کے ارادے سے ۹۶۷ھ میں ملک چھوڑ کر چلا اور گجرات میں جا کر منزل انداز ہوا۔ شیخ گدائی بھی ان کے ہمراہ گئے۔ اور اتفاق سے بیرام خان ۹۶۸ھ میں شہید ہو گیا اور شیخ گدائی کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر فی الحال کوہستان جیسلمیر میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب حالت اور تاثرات کی تیزی ماند پڑی اس وقت شیخ دہلی آ گئے جہاں ایک دفعہ پھر درباریوں اور دیگر معززین نے مخالفت شروع کی۔ لیکن بادشاہ نے کہاں لطف اور مراحم خسروانہ سے کام لیا۔ سرکار کی طرف سے مکان بھی مل گیا اور وظیفہ بھی جاری ہوا جو آخر زندگی تک رہا۔ اس دفعہ امان تو مل گئی لیکن دربار میں دوبارہ نفوذ حاصل نہ کر سکے۔ مآثر الامراء میں ہے کہ

”اما عرش آشیانی از کہاں عاطفت و مہربانی بغایت پیش آمد لیکن آن رتبہ و حالت و عزت و اعتبار نماند۔“

بہر حال پھر بھی شیخ گدائی شہری زندگی میں اعزاز و اکرام سے رہے۔ مالی لحاظ سے بھی ان کو اطمینان رہا جیسا ملا بدایونی کے نوشتہ سے ظاہر ہوتا ہے :

”آن زمان ہم معزز و مکرم بود ، در مزارات مشایخ دہلی در ایام عرس حاضر می شد و مجالس عالی را بہ حشمت و کبر و ترتیب می داد۔“

ایک امیر خوش باش اور خوش حال شہری کی طرح شیخ گدائی نے بڑے ٹھاٹ سے بزرگوں کے عرائس ، دعوتیں اور مجالس متعدد کر کے ایک طرف اپنی

۱۔ اکبر نامہ ۲ : ۸۹ -

۲۔ مآثر الامراء ۲ : ۵۳۱ -

۳۔ بدایونی ۳ : ۷۶ -

انفرادیت کو قائم رکھا اور دوسری طرف روحانی سلسلے میں جو باپ کے زمانے سے ان کے خاندان کا خاصہ تھا اپنی شخصیت کو ختم ہونے نہیں دیا۔

مشيخت کے سجادے پر شیخ گدائی باپ کی زندگی ہی میں فائز تھے۔ بیعت کا سلسلہ بھی باپ کے ہوتے ہوئے جاری کر رکھا تھا۔ خود شیخ جالی بعض لوگوں کو اپنے اس بیٹے کی طرف رجوع کر دیتے تھے۔ ہندی افغانوں کے مرشد اور پیر طریقت شیخ راجو نامی ایک بزرگ تھے جو جالی سے بیعت تھے۔ ان کی بزرگی اور مشيخت جالی کی نظر کرامت اثر کی مرہون منت تھی جیسا کہ تاریخ خان جہانی میں ہے کہ :

”و این همه نعمت از ایشان (جالی) کسب کرده بود“

شیخ راجو اپنے بیٹے بایزید کو شیخ جالی کے پاس بیعت کے لیے لے گئے۔ شیخ نے بازو پکڑ کر بایزید کو گدائی کے حوالے کیا کہ ان سے بیعت ہو اور وہ ان کی تربیت کریں۔ چنانچہ بایزید ان کے مرید ہوئے اور مشيخت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان شیخ بایزید کو گدائی نے احمد آباد میں بادشاہ گجرات کی دعوت کے اندر شیخ محمد شوٹ گوالہاری سے مصافحہ کرنے سے روک دیا جس کی وجہ سے شیخ گوالہاری کو بڑا صدمہ پہنچا۔

شیخ جالی خود بہت صاحب شرف بزرگ تھے۔ اتنا کچھ اپنے پیچھے ترکہ اور ورثہ چھوڑا کہ ان کے بیٹے عبدالحمی نے تمام زندگی بیٹھ کے کھایا اور شاہ خرچی میں زندگی گزاری۔ صاحب سلوک ہوئے، بہت کچھ ملا اور بہت کچھ ان کا اپنا بھی پیدا کردہ تھا۔ یہی مالدار تھے جس کی وجہ سے بیرام خان کی سپہانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور سندھ تک ان کو اپنے خرچ سے پہنچایا۔ پھر بیرام خان کے زمانے میں جب منصب صدارت ملا تو شیخ گدائی نے کیا کچھ نہ کھایا ہوگا۔ گدائی گجرات سے واپسی کے بعد تقریباً آٹھ برس زندہ رہے۔

۱۔ اس خاندان کے حالات کے لیے دیکھیے۔ تاریخ خان جہانی ص ۷۷۹ تا ۷۹۸۔

۲۔ خان جہانی ص ۷۸۹ و ۷۹۰۔

۳۔ تاریخ خان جہانی ص ۷۹۰۔ پٹھانوں کے دور میں اس خاندان نے بہت بڑا مرتبہ اور روحانی درجہ حاصل کیا تھا، تمام افغان سلاطین یا امراء اس خاندان کے متقد اور مرید تھے۔ اس خاندان کے ارکان اس طرح ہیں :

اور بڑی شان کے ساتھ امیرانہ زندگی گزار کر ۱۹۰۹ء میں وفات پا گئے۔ ان کی قبر بلخ کے مقبرے میں اب تک موجود ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ ملا بدایونی جن طرح دوسرے اکبریت امراء سے ناراض تھے اسی طرح شیخ گدائی کو بھی وہ ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ وفات کے بعد ان کو ان عزت و کرامت سے یاد کیا ہے:

شیخ موسیٰ سروانی

شیخ احمد ککپور (مرید شیخ جہاں الدین زکریا
ملتان مدفون ملتان)

شیخ سلیمان دانا (مرید)
شیخ صدر الدین عارف

حمود

میان بھو

شیخ ملہی قتال

مرید و تربیت یافتہ

قلندر شہباز میونسفانی

شیخ محمود حاجی (سجادہ نشین) بی بی علاق

شیخ ہرمزید سرہنی

شیخ محمد حاجی

شیخ بابزید دریا

شیخ علی شہباز

شیخ راجو (مرید شیخ جالی) شیخ صدر الدین

احمد جوان مرد

بابزید (معاصر غوث گوالیاری)

مرید شیخ گدائی

(تاریخ خان جہاں)

شیخ صدر جہاں شاہ سکندر میان خواجہ ؟ ۸۲۰ تا ۷۹۸ء

”و درین سال (۹۷۹ھ) شیخ گدائی کنبوی دہلوی کہ حکیم شہنہ معزول داشت و از طناہل متاہل ایام درین پندار و غرور از جملہ اصنام بود۔ در گزشت و : مرده بخوک کلان۔ تاریخ یافتہ“

ہدایونی نے ۲۹ برس بعد اپنی تاریخ ختم کی ہے۔ اس وقت ملا جہانی یا گدائی کے اخلاف میں سے کوئی قابل ذکر شخصیت باقی نہیں پچی تھی بلکہ یہ خاندان اپنی برری اہمیت ختم کر چکا تھا۔ ملا ہدایونی نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

”و خانہ اخلاف او ہم چون دیگران خراب است و بناقضیت الایام و جری مکرم اللہ العلام۔“

ہدایونی نے نفائس المآثر سے گدائی کی یہ غزل دی ہے اور لکھا ہے کہ ان کو گمان ہے کہ غزل گدائی کی نہیں ہے۔ ہر حال اس کی کوئی دلیل نہیں دی۔

گھرے جان منزل غم شد گھرے دل غمت را می برم منزل بہ منزل

مشو غافل ز حال درد مندی کہ از حال تو یکدم نیست غافل

دل دیوانہ در زلف تو ہستم گرفتارم بہ آن مشکیں سلاسل

بہ جاں دادن اگر آہاں شدی کار نبودی عاشقاں را کار مشکل

گدائی جان بہ ناکامی برآمد نہ شد کام ز لعل یار حاصل

ہدایونی نے ان کی شاعری اور ذوق موسیقی کے سلسلے میں یہ رائے دی ہے

”طبع نظم داشتہ و نقش و صورت ہندی سی بست و سی گشت و بہ آن وادی مشغوف و مالموف۔“

علی حسن نے لکھا ہے :

”در کلامش حلاوت و ملاعت و در افکارش تازگی و نوی۔“

موسیقی جاننے کے متعلق لکھا ہے :

”و بہ موسیقی ہند و نغمہ سرائی و مقام شناسی بخوبی ماہر بود۔“

۱۔ ہدایونی ۲ : ۱۱۹۔

۲۔ ہدایونی ۳ : ۷۳۔

۳۔ ہدایونی ۳ : ۷۷۔ اس غزل کے دو شعر تذکرہ گلشن مشتاق میں آئے ہیں (خطی)

ورق ۷۷ الف مشغی خواجہ) صبح گلشن میں تین شعر آئے ہیں ص ۲۴۷۔

۴۔ ہدایونی ۳ : ۷۶۔

۵۔ صبح گلشن ص ۳۴۶۔ ۳۴۷۔

۶۔ سیر و سفر

جالی کے لوشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان سے باہر دو سفر کئے ہیں۔ پہلا سراندیپ کا سفر جس میں انہوں نے حضرت آدم کے قدم کی زیارت کی، اور دوسرا سفر بلاد اسلامیہ کا تھا جس میں حجاز مقدس اور دیگر اسلامی ملکوں کو انہوں نے دیکھا۔

جالی نے سفر کی تاریخیں نہیں دی ہیں۔ یہ ہتہ نہیں چلتا کہ کونسا سفر کب شروع کیا اور کب ختم ہوا۔ اس وجہ سے ان کی زندگی کے کئی گوشے تاریکی میں ہیں اور بہت سے واقعات الجھے ہوئے ہیں۔

سراندیپ کا سفر پھر حال انہوں نے سلطان بہلول لودی کی وفات (۸۹۳ھ) سے پہلے ختم کیا تھا جس کی تصدیق جالی کی اس عبارت سے ہوتی ہے :

”در ایامی کہ حضرت مخدومی و مولائی شیخ سماء الدین فرس سرہ در دارالملک دہلی متوطن بود، این فقیر بہ زیارت پر طہارت قدم حضرت آدم صفی مشرف شدہ آمدہ بود، اغلب بہ حضرت ایشاں مشرف می شد، روزی سلطان بہلول پدر سلطان سکندر افغان لودی اناراللہ برہانہ، بزیرت ایشاں آمدند.....“

جالی کا دوسرا سفر حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ کا تھا جس سے واپسی حضرت سماء الدین کی زندگی میں ہوئی تھی، ۸۹۷ھ کے بعد اور شہخ کی وفات ۹۰۱ھ سے کچھ سال یا کچھ عرصے پہلے۔ سیر العارفین میں ایک جگہ سفر اخیر کا لفظ لکھا ہے^۲ جس سے مراد بھی سفر بلاد اسلامیہ لیا گیا ہے۔ اگر ہم مخزن افغانی اور تاریخ خاں جہانی کی، سلطان سکندر کا جالی کو منظوم رقمہ لکھ کر بلانے والی روایت کو (شہخ سماء الدین والی حصہ کو حذف کر کے) قبول کریں تو اس صورت میں احتمال ہوتا ہے کہ جالی نے اس کے علاوہ بھی ایک سفر حج کے لیے مرشد کی وفات کے بعد کیا ہے جس سے واپسی کے بعد جالی نے مثنوی مہر و ماہ میں تاریخ والی بیت کو دوبارہ لکھا اور سلطان کی مدح شامل کر کے

۱۔ سیر العارفین ص ۱۷۸۔

۲۔ ایضاً ص ۱۷۳۔

۳۔ ایضاً ص ۱۸۳۔

۴۔ اردو ادب ص ۱۱۹۔

مثنوی سلطان کے پاس پہنچائی۔ دھوقی قطعہ میں جس سفر سے واپسی کا اشارہ موجود ہے۔ وہ پہلا سفر حجاز نہیں ہو سکتا کیونکہ ۷۰۷ھ سال قبل کے سفر کا ذکر ۷۰۵ھ کے دھوقی قطعہ میں ذکر کرتا ہے محل معلوم ہوتا ہے۔

سفر کے حالات جہلی نے مفصل یا یکساں نہیں لکھے ہیں بلکہ جہت ہی مختصر ضمنی اشارے سیر العارفین میں کبھی کبھی آگئے ہیں۔ ممکن ہے کہ جہلی کے دیوان میں کچھ اشارے موجود ہوں، یعنی اشخاص و واقعات اور شہروں کے اشارے یا کچھ تاریخ کے حاصل ایشمار موجود ہوں لیکن انیسویں ہے کہ فی الوقت دیوان ہماری دسترس سے باہر ہے۔ ہمارے سامنے فقط سیر العارفین میں آئے ہوئے اشارے موجود ہیں جن پر انحصار کر کے جہاں سفر کے حالات دے رہے ہیں۔

جہلی نے سیر العارفین میں ایک جگہ ان بلاد کے نام لیے ہیں جن کو انہوں نے سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ دیباچہ میں عبارت یہ ہے :

”اقر الالام بعد مرور ایام از زیارت پر طہارت حرمین شریفین بیت اللہ و روضہ مقدس رسول الثقلین و جملہ انبیاء علیہم السلام و زمین مغرب و یمن و بیت المقدس و روم و شام و سیر بالخیر عراق عرب و عجم و آذربائیجان و کیلان و ماژندران و خراسان بتوفیق اللہ مراجعت نمودہ ... دہلی رسالہ.....“

سفر کے مجموعی حوالوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہمارے اندازے کے مطابق جہلی دہلی سے نکل کر ملتان میں آئے۔ وہاں سے سندھ میں وارد ہوئے۔ سندھ میں خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ برات سے ایران میں داخل ہو کر مختلف شہروں سے گزرتے ہوئے تہران پہنچے، اس وقت ابھی سفر حج در پیش تھا، مثنوی پہری ماہ میں تہران میں رہ کر زبانی یہ شعر کہا ہے

ترا راہ حجاز از اشتیاق است سزاوار تو این راہ عراقی است

واہمی البتہ بحری راستے سے ہوئی اور وہ کشتی کے ذریعہ کچرات پہنچے اور احمد آباد ہوتے ہوئے پیر کی خدمت میں دہلی پہنچ گئے۔

جالی سفر میں جس شہر میں پہنچے وہاں کے مشائخ اور اہل علم و فضل کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا ہے۔ مشاہیر اور اولیاء کے مزارات اور مقابر کی زیارت کی ہے۔ خانقاہوں میں رہ کر ورد و وظائف کا دور پورا کیا ہے۔ یہ سفر جالی کے لیے کئی لحاظ سے سود مند ثابت ہوا۔ علم میں وسعت پیدا ہوئی، اس دنیا کے وہ تمام حصے دیکھ لیے جن سے مسلمانوں کا روحانی رشتہ ہے یا علم اور تمدن کی جن سے تاریخ وابستہ ہے۔ اور پھر کئی شعراء، مصنفین اور مشائخ سے شخصی واقفیت اور دوستی پیدا کر آئے۔ جہاں وسعت علم ہوئی وہاں وسعت نظر بھی آ گئی۔

سیر المعارفین میں سفر کے متعلق جو اشارے موجود ہیں ان کو ترتیب دہیچہ سے یوں سفر نامہ بنتا ہے۔

ملتان

جالی کے سفر کی پہلی منزل ملتان ہے۔ ملتان یوں بھی جالی کے لیے متبرک اور اس کا دیکھنا ان کے لیے ضروری تھا کیونکہ حضرت بہاء الدین زکریا کی خانقاہ وہاں تھی۔ اور پھر یہ شہر جالی کے پیر شیخ بہاء الدین کا وطن اور ان کے استاد شیخ عبداللہ تلمیذی کا مدفن تھا۔ شیخ المشائخ حضرت صدر الدین شہر اللہ (متوفی ۸۹۲ھ) سے جو خانقاہ کے سجادہ نشین تھے اور دہلی میں بھی جالی سے مل چکے تھے ملاقات کی۔ انہوں نے بہت ہی خاطر تواضع کی۔ جالی کو حضرت بہاء الدین کے حجرہ خاص میں جگہ دی جہاں انہوں نے چالیس روز تک چلہ کشی کی۔ اور آخر میں حضرت شیخ بہاء الدین نے خواب میں ان کو حج پر جانے کی اجازت دی اور دعا فرمائی۔

صبح ہوتے جالی نے شیخ صدر الدین کو خواب کی کیفیت سنائی اور ان سے رخصت طلب کی۔ انہوں نے اور ایک ماہ ٹھہرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ جالی شیخ بہاء الدین کی خانقاہ سے رخصت ہو کر تھوڑے فاصلے پر حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مزار پر جا کر مقیم ہو گئے۔ جہاں پر ان سے صدر الدین ملتے جاہا کرتے تھے۔ اس مقبرے پر ایک کامل بزرگ مولانا کمال الدین حسین سے جالی کے خصوصی تعلقات ہو گئے۔ ان کے مطالعہ میں احیاء العلوم اور عوارف المعارف تھی۔ ان بزرگ سے شیخ الاسلام بہاء الدین کے جدی گاؤں اور مقام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔

سندھ

شیخ جالی ملتان سے چل کر سندھ پہنچے - راستے میں یقیناً اوچ اور دیگر تاریخی مقامات سے گزرے ہوں گے - اوچ میں جلال جہانیاں جہاں گشت اور دیگر بزرگوں کے مقابر دیکھے ہوں گے - بکھر کے تاریخی شہر سے گزر کر وہ موجودہ دادو ضلع میں داخل ہوئے جہاں کے دو تین شہروں کا ذکر کیا ہے -

رہل

اس تاریخی قصبے میں ان کی ملاقات ایک باکال اور صاحب کشف و کرامات بزرگ کے خاندان سے ہوئی - یہ خاندان شیخ الاسلام بہاء الدین کا سرید تھا -

بحری

جالی نے سیوستان کے نواح میں ایک قصبے کا نام بحری لیا ہے ، جہاں ان کی ملاقات اس دور کے بہت بڑے بزرگ حضرت مخدوم ہلال سے ہوئی - مخدوم صاحب نے جالی سے عوارف کے چند مقامات پوچھے اور عارفانہ صحبت رہی - ان کا ذکر اس طرح کیا ہے : درویش بود مولانا ہلال نام بسے مرتاض و پاک اعتقاد -
اس گاؤں میں ان کی ملاقات ایک اور بزرگ حاجی آرام نامی سے ہوئی - ان کو ہلاؤ کا شوق تھا ، اس کے لیے انہوں نے گائے اور بکریوں کا ایک گلہ ہال رکھا تھا ، جو بغیر کسی ہامبان کے جنگل میں چرتا پھرتا تھا - کبھی کسی نے اس روڈ سے چوری نہیں کی - حاجی آرام نے جالی کی بہت مہانداری کی ، ہلاؤ بھی ہکا کر کھلایا -

جالی جس وقت سندھ میں پہنچے ہیں ، اس وقت سلطان نظام الدین سمہ جیسا دہانتدار اور خدا ترس حاکم سندھ کا والی تھا ، ٹھٹھ دار الحکومت بھی تھا ، مشائخ اور بزرگوں کا شہر اور علم و ادب کا گہوارہ بھی تھا - جالی سیوستان سے ہوتے

۱ - اس وقت اس گاؤں کا نام ہی مخدوم ہلال کے مزار کی وجہ سے ”مخدوم صاحب“ ہو گیا ہے - ان کے شاندار مقبرے ہر روزانہ زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور سالانہ عرس بھی لگتا ہے -

۲ - سیر العارفین ص ۱۲۴

۳ - سیر العارفین ص ۱۲۴ ، نیز رک : تاریخ سندھ میر معصوم ص ۱۹۸ -

ہوئے ٹھٹھ پہنچے ہوں گے، بہت سے مشائخ اور اہل عام سے ملاقاتیں ہوئی ہوں گی لیکن میرا عارفین میں ان کے ذکر کی کوئی سبیل نہیں تھی، اس لیے وہاں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں آیا۔ قرائن بتاتے ہیں کہ جالی نے سندھ پر خاصا اثر چھوڑا ہے چنانچہ ان ہی کے اشعار

لنکی زور لنکی بالا.....الخ

ان کے ہم نام ٹھٹھ کے ایک بزرگ درویش حاد جالی کے نام سے ہماری ادبی تاریخ میں منسوب ہو گئے ہیں^۱۔

سلطان نظام الدین کا انتقال ۹۱۳ھ میں ہوا۔ خاندانی نزاع کی وجہ سے ۹۲۷ھ میں ہرات اور قندھار کے ایک جنگجو لیکن حالات کی وجہ سے آوارہ خاندان ارغون کا سندھ کے تخت و تاج پر قبضہ ہو گیا۔ مخدوم بلال وطن ہرست بزرگ تھے، انہوں نے اس قبضے کے خلاف غریک چلائی اور آخر کار ارغونوں کے ہاتھوں جبر و استبداد اٹھا کر ۹۳۹ھ میں وفات پا گئے^۲۔

جالی جب ہایوں کے ساتھ ۹۴۲ھ میں گجرات کی لڑائی میں آئے، اس وقت سلطان نظام الدین سمہ کا بیٹا سلطان فیروز جو ارغونوں کے ہاتھوں دھوکا کھا کر اور سندھ کا تاج و تخت کھو کر گجرات کے سلطان کے پاس پناہ گزین تھا، ہایوں کے لشکریوں کے ہاتھ سے ہایوں کے کیمپ میں مارا گیا۔ جالی ابھی زندہ تھے اور وہیں لشکر گاہ میں شاید مقیم تھے^۳۔ سندھ میں جالی کی ادبی شخصیت کا اثر بارہویں صدی ہجری تک قائم رہا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھٹھ کے مشہور فارسی گو شاعر ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی نے نہ فقط مہر و ماہ کے نام سے ۱۱۱۷ھ میں مثنوی لکھی بلکہ اس کے ابتدا میں جو اشعار لکھے ہیں، ان میں جالی اور اس کی مثنوی کا ذکر اس طرح کیا ہے :

بیا ہنگر تماشائے رنگیں

بیا بر خواں معمہ ہائے سنگیں

۱۔ مقالات الشعراء ص ۱۴۱۔

۲۔ تاریخ سندھ میر معصوم ص ۱۹۸۔

۳۔ طبقات میں ہے کہ۔۔۔ ”جام فیروز کہ سابق حاکم تہ بود و از لشکر ارغون شکست یافتہ بہ گجرات آمدہ بود و دختر خود را بہ سلطان بہادر دادہ، بوقت شکست سلطان بہادر بدست لشکر حضرت جنت آشیانی گرفتار شدہ بود۔ دریں شب محافظان بہگان آنکہ مبادا فرار نماید بقتل رسانیدند“ (۳۵ : ۴)۔

کتیب مہروباہ از قال بکشا
 ز کسب روشنی ہا شعلہ ہنہا
 ولیہ این مہروباہ باہم روان است
 کہ حسن و عشق باہم قران است
 بیا بنگر طلوع ہر دو باہم
 بیا بشنو بیان ہر دو را ہم
 کہ مہروباہ جلالی و جالیست
 شنو این را جالی و کالیست
 جال حسن بنگر جلوہ افشان
 کمال عشق را ہیں رتبہ و شان

عطا نے اپنے شعر میں جالی کا دوسرا تخلص جلالی بھی دے دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جالی کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور تذکروں کے ذریعہ ان کو معلوم تھا کہ جالی کا تخلص پہلے جلالی تھا۔

ایران

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، جالی سندھ سے نکل کر بلوچستان اور قندھار کے راستے سے ہرات پہنچے اور وہاں سے خراسان میں داخل ہو کر ایران کے مختلف شہروں میں گئے۔ ایران کے جن شہروں کا انھوں نے ذکر کیا ہے، وہ یہ ہیں :

ہرات

سیرالعارفین میں جالی نے ہرات کے سفر کا بیان اس طرح کیا ہے :

الحق انام در ایام عزیمت کعبہ فرجام در شہر ہری رسیدہ بود بہ اکابر آغا، شیخ صوفی، راکہ از خلفائے حضرت شیخ زین الدین خوانی (۱۱۳۸ھ) بود و حضرت شیخ محمد روجی کہ یکے از واصلان حق بود و

۱۔ نام شیخ علی ۹۰۸ھ (خزینۃ الاصفیاء ص: ۳۲۶) ان کا شمار اس دور کے جید مشائخ میں تھا۔ زین الدین متوفی ۸۳۸ھ در جوار عیدگاہ ہرات مدفون (مقاصد الاقبال ص ۱۵۰)۔

۲۔ مولانا جامی کے فیض یافتہ تھے (۸۲۰-۹۰۴ھ) اسم مولانا شمس الدین محمد۔

پہلے مولانا سعد الدین کا شعری مدفون بود از آغا بیرون آوردہ مریدانش ←

حضرت شیخ عبدالعزیز جامی^۱ کہ در مشیخت ممتاز بود و حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ کہ یکے از محققان روزگار و در عالم ظاہر و باطن یگانہ روزگار و در شاعری سعدی روزگار بود، و حضرت خلاصہ^۲ علماء عظام شیخ الاسلام^۳ کہ از دست شاہ اسماعیل شہید شہادت بکام کشید و از شدت ظلم بی پاک ذرہ از عقیدہ پاک... و حضرت مولانا مسعود شروانی (متوفی ۹۰۵ھ) کہ در پیشہ ہر علمے شیرے بود^۴ و حضرت مولانا حسین واعظ^۵ کہ از مشاہیر روزگار بود و حضرت مولانا عبدالغفور لاری^۶ کہ یکے از مقبولان حضرت باری بود۔ مستقیم داشتند فاما تکیہ گاہ این درویش خانہ مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی بود روزے بخدمت ایشان در حجرۂ خاص نشستہ بودم و لمعات حضرت شیخ فخرالدین عراقی در میان بود۔ ناگہ حضرت مولانا عبدالرحمان جامی در تعریف حضرت شیخ صدرالدین قونوی کہ مسترشد حضرت محی الدین ابن عربی است مبالغہ نمود و فرمود کہ: این لمعات نتیجہ برکات التفات آن عالی

-
- در کا زرگاہ نزدیک مزار خواجہ عبداللہ انصاری دفن کردند (مقصدالاقبال مائل ص ۱۱۱، فکری ص ۱۱۹)۔
- ۱۔ ڈاکٹر نذیر احمد کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ حاجی ہو کیونکہ عبدالعزیز جامی کا تعین نہیں ہو سکا (اردو ادب ص ۱۲۵)۔
 - ۲۔ شیخ الاسلام سیف الدین احمد از نسل ملا سعدالدین تفتازانی... شاہ اسماعیل در گرفتن ہری (۹۱۸ھ) او را شہید کرد (بابر نامہ) مرزا حیدر دوغلات صاحب رشیدی ۳ سال ۳ ماہ کی عمر میں ان کے مکتب میں پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تھے۔ مولانا عصام الدین ابراہیم، میر محمد، محمد یوسف اور مولانا شمس الدین محمد بجر آبادی، وغیرہ جیسے پچیس علماء ان کے شاگرد تھے (تاریخ رشیدی)۔
 - ۳۔ کمال الدین مسعود، بابر نامہ۔ تاریخ رشیدی، لطائف نامہ فخری، شرح حکمت العین اور دوسرے رسائل ان کی تصنیف ہیں۔ مدرسہ گوہر شاد میں درس دیتے تھے۔ ۹۰۵ھ میں وفات پائی۔ لطائف نامہ فخری میں ان کے ایک شاگرد مولانا عبداللہ کا ذکر ملتا ہے۔ نیز مقصدالاقبال (ایران)۔ مائل ہروی) ص ۱۱۲ در خیابان در مزار پیر سی صد سالہ مدفون۔ فکری سلجوقی نوشتہ است کہ ”نہ مزار ولی ونہ خاک پیر سی صد سالہ پیداست (۱۱۹)۔
 - ۴۔ مولانا حسین واعظ اور ملا عبدالغفور لاری دونوں مشہور ہیں۔

درجات است کہ حضرت شیخ فخرالدین در قلم آورده ! این ادائے ایشان بخاطر این درویش راہ نیافت - گفتم : مرتبہ ہر کسے پیش حضرت حق تعالیٰ مخفی نیست کہ از نتیجہ عطیہ اوست - بفرمان اللہ تعالیٰ یہاں شب بہ خطاب مولانا مشارالہ در خواب نمودہ کہ کوئی صفہ ہر نور است در آنجا حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ صدرالدین عارف قدس سرہ با جمعیتے درویشان نشستہ اند و مولانائے فخرالدین عراقی کہ کفش حضرت ایشان گرفتہ با ادب ایستادہ است و اشارت بہ این فقیر کرد کہ : شا نیز در آن مجلس حاضرید - من در آمدم و بسر دست ہوس آن حضرت مشرف شدم چنانچہ دہشت ایشان در من اثر کرد و شا با من می گوئید کہ : مرتبہ حضرت ایشان معلوم شد من می گویم کہ حق بطرف شا بود - چون وقت صبح معیت حضرت مولانا مشارالہ بوقوع پیوست - این خواب تحریر نمود و فاتحہ بروح پاک ایشان خواندند۔“

معلوم ہوتا ہے کہ ہرات میں شیخ جامی کافی عرصہ رہے اور مشاہیر ہرات سے جن کے نام اوپر آئے ہیں ، خصوصی تعلقات کی بنا پر ان کی صحبتیں اور مجلسیں ہوتی رہیں - چونکہ مولانا جامی کے مہمان خانہ میں مقیم تھے ، اس لیے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس دور کے اکثر و بیشتر بزرگوں اور مشہور لوگوں کو وہاں دیکھا ہو گا -

جامی ایک مرتبہ مولانا جامی اور مولانا عبدالغفور لاری کے ہمراہ حضرت سید امیر حسینی (متوفی ۸۱۸ھ) صاحب نزہۃ الارواح کے مزار کی زیارت کے لیے گئے اور ظہر اور عصر کی نماز وہاں ادا کی - لکھا ہے کہ : ہرات کے لوگ دو شنبہ کے دن سید حسینی کے مرقد پر زیارت کے لیے آیا کرتے ہیں۔“

یہاں کے تذکروں میں جامی اور مولانا جامی کی پہلی ملاقات کے سلسلے میں ایک عجیب اور دل چسپ روایت آتی ہے جس کا اصل ماخذ معلوم نہیں ہو سکا - بہر حال یہ روایت صحیح ہو یا غلط لیکن چونکہ ہرات کے سفر سے متعلق ہے اس لیے یہاں درج کی جا رہی ہے -

۱ - سیرالعارفین ص ۱۳۹-۱۴۰ -

۲ - سیرالعارفین ص ۱۱ قبر ایشان در جوار گنبد سید عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار در ہرات است (مقصد اقبال فکری ص ۴۴) حواشی فکری ص ۳۵ -

سفینہ خوش گو (۱۷۷۷ء) کا مصنف راوی ہے کہ

”کلی مشہور است کہ بارادہ دیدن حضرت مولانا جامی چون بدرخانقاہ فلک اشتباہ ایشان حاضر شد، دید کہ شادیانہ می نوازند، سبب آن پرسید، گفتند استفای خجستہ فرجامی غزلے در بحر کامل طرح فرمودہ اند کہ ہمیش ازین فکر ہیچ صاحب قدرتاں دری راہ نہ رفتہ و این مطلع ازان غزل برخواند — مطلع :

چہ خجستہ صبح دمے کزان گل نو ہم خبری رسد

ز شمیم جعد معبرش بہ مشام جان اثری رسد

جہانی در جواب گفت کہ : معلوم شد جامی تا حال کتاب گلستان ہم نخواندہ ! من آوازہ کمال اوشنیدہ از دور آمدہ بودم، عبث اوقات ضایع ساختم ! بعدہ شعر دیباچہ گلستان برخواند :

بلغ العلیٰ بکمالہ.....الخ

خادمین تاختہ بعرض مولوی رسانیدند کہ قلندرے سرو پا برہنہ چین می گوید ! مولوی بہ اعزاز و اکرامش طلب فرمود۔ جامی باوجود آلودگی گل و آلاہی ہیچ ملاحظہ مند نشدہ بفروش رفت و سلام گفتہ نشست۔ مولوی جواب سلام داد پرسید۔ درویش از کجائی ؟ گفت از خاک پاک ہندوستان ! مولوی ازین جسارت غبار خاطر ہم رساندہ ورقے چند بدست جامی داد و فرمود کہ من شرح شعر استاد ہندوستانیہا را چین نوشتہ ام و آن بیتے است کہ امیر خسرو دہلوی در کتاب قران السعدین — تعریف کشتی گفتہ :

ماہ نوی کامل دے از سال خامست

یک مہ نو کشتہ بدہ سال راست

بر لفظ سال تکلفات کردہ بودند جامی قدرے ازان مطالعہ کردہ دریافت و اوراق در حوض آب انداخت و گفت سال نام درختیست کہ در ہندوستان پیدا می شود و ازو کشتہا می سازند۔ این ہم عبارت آرائی با بکار نمی آید۔ مولوی ازین معنی ملزم شد و چون شمرہ آنجا ہم رسیدہ بود فرمود کہ : از سخنان جامی دہلوی چیزے یاد داری ؟

گفت بلی ! بالفعل یک بیتش کہ بیاد است این است :

✓ ما را ز خاک کویت پیرامن است بر تن

آن ہم ز آب دینہ صد چاک تا بدامن

مولوی بر فراغت دریافت و فرمود کہ چرا جالی تو نہ بائی ؟ بعد ازاں باہم صحبت دلخواہ اتفاق افتاد ۔

چند ماہ جالی در خدمت مولوی گزرائیدہ بدیار عرب و شام رفت " صاحب ریاض الشعراء (۱۱۶۱ھ) نے اس روایت کا آخری حصہ کچھ تغیر کے ساتھ دیا ہے :

"گویند در ہرات بخانہ مولوی جامی رفت و از فرط استغنا اعتنائی ایشان نہ کردہ نزدیک بہ مسند ایشان نشست ۔ مولانا نظر بہ ظاہر حال او کردہ پرسید کہ میان تو و خر چہ فرق است ؟ گفت یک وجہ ! و فاصلہ میان ہر دو ہمین قدر بود مولوی دریافت کہ صاحب کمالست ، پرسید از کجائی ؟ (گفت از ہند) گفت از سخنان جالی چیزے بخاطر داری ؟ گفت آری ! و این شعر بر خواند ۔ مارا ز خاک کویت... الخ مولوی بگریست و طلب نام ازو کرد و گفت ! جمع مالا ! مولوی کہاں گرفت کہ این ملا جالی است و فرمود کہ ازین عبارت لفظ جمال خود مفہوم شد یای باقی است گفت : و عددہ ! خلاصہ جناب مولوی بعد از علم حقیقت حال ملا جالی را کنار گرفت و بانواع ملاحظت پیش آمدہ..."

محمد حسین آزاد نے دیوار اکبری میں اس روایت کو—"بزرگوں سے سنا ہے" کی بنا پر ایک اور شعر کا اضافہ کیا ہے کہ مولانا نے پوچھا کہ جالی کی کوئی چیز یاد ہے ؟ جالی نے یہ شعر پڑھے :

دوسہ گزک بوریا و پوستکی دلی پر ز درد دوستکی

لشکی زہر و لشکی کالا نے غم دزد و نے غم کالا

ابن قدریس بود جالی را عاشق رند لا آبالی را

ان روایات کی بنیاد کیا ہے یہ کہنا مشکل ہے ۔ ممکن ہے یہ لطائف ہندوستان کے عجوبہ پسند طبائع کی اختراع ہوں ۔ بہر حال بقول خوشگو چند ماہ جالی ہرات میں رہ کر آگے کی طرف چلے گئے ۔

۱ ۔ سفینہ خوشگو دانشگاہ پنجاب ورق ۱۲ ب

۲ ۔ ریاض العارفین سوزہ ملی ہا کشٹان قوی ۸۲ الف

۳ ۔ یہ دو شعر والد داغستانی نے انتخاب میں دیے ہیں ۔

سبزوار

شیخ جالی کی پہلی منزل ہرات سے نکل کر سبزوار میں ہوئی ہے جہاں ان کی ملاقات شیخ محمد نجفی سے ہوئی جو سبزوار کے نامی بزرگوں میں سے تھے۔ سبزوار دو ہیں ایک ہرات کے نواح میں جس کو اب ”شندند“ کہتے ہیں اور دوسرا خراسان میں تسناپور کے قریب جو اب خود شہرستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر سبزوار خراسان کا ہے تو جالی کا راستہ ہرات سے قریب جام اور نیشاپور، سبزوار اور مشہر ہوگا۔

شیراز

میں جالی کچھ عرصے رہے اور وہاں خصوصی ملاقات شیراز کے شیخ الاسلام شاہ تاج الدین حسن سے ہوئی اور دونوں کے درمیان محبت اور مودت پیدا ہوئی۔ شیخ الاسلام کے والد سید نظام الدین محمودؒ نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں شیخ الاسلام شیخ ہاء الدین ملتانی کے کچھ حالات بھی شامل تھے۔ جالی نے حضرت زکریا کے متعلق کچھ معلومات اس کتاب سے حاصل کیں۔ غالباً جلال دوانی سے بھی شیراز میں ملاقات ہوئی ہوگی۔ اخبارالاکھیار میں دونوں کی ملاقاتوں کا حوالہ موجود ہے۔

شیراز کا حوالہ جالی نے مثنوی مہروماہ میں بھی دیا ہے :

مرا بود آشنائے ز اہل شیراز
ندیم و ہمدرد و ہمزاد
سخن دان و سخن منج و سخن گو
کے می بردی ز میدان سخن گو

نائین ، اردستان ، یزد

اصفہان کے آستان کا یہ شہر نائین، یزد اور اردستان کے درمیان ہے۔ اس شہر میں جالیؒ نے بابا عبدالقدوس کے مزار پر حاضری دی، بابا عبدالقدوس

۱۔ سیرالعارفین ص ۱۱

۲۔ مرید شاہ نعمت اللہ کرمانی۔

۳۔ سیرالعارفین ص ۱۱۸۔

۴۔ اخبار ص ۲۲۸۔

۵۔ مثنوی ص ۱۹۔

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا کے قرابت یافتہ تھے^۱۔ جالی نے لکھا ہے :
 ”مقبرہ سترکہ او در قصبہ نائین است کہ میان یزد و اردستان واقع است۔
 اس حقیر نیز در آنجا رسیدہ است و رخسارہ خود بمرقد مالیدہ۔ مردم آندہاں
 سزارات بزرگوار را زیارت گاہ ساختہ اند“^۲۔
 اس عبارت سے گمان ہوتا ہے کہ جالی نے نائین کے ساتھ اردستان اور یزد بھی
 دیکھا ہوگا۔

استرآباد

شیخ جالی استرآباد بھی گئے ہیں اور وہاں حضرت شیخ ناصر الدین کے مقبرے
 کی زیارت کی۔ شیخ دو واسطوں سے بایزید بسطامی سے بیعت تھے حضرت شیخ
 ابوالحسن خرقانی اور حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر شیخ کی صحبت سے مستفید
 ہوئے تھے^۳۔ حضرت معین الدین اجمیری نے بھی ہندوستان وارد ہونے سے پہلے
 راستہ میں ان کی صحبت پائی تھی۔

خرقان ، میہنہ ، تربت حیدری ، گناباد

شیخ جالی شیخ ابوالحسن خرقانی کے مقبرے پر گئے اور حضرت ابوسعید
 ابوالخیر کے سزار کی زیارت کی ہے^۴۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ جالی میہنہ
 گئے ہیں تو انھوں نے تربت حیدری اور گناباد کو بھی دیکھا ہے کیونکہ میہنہ
 ان دونوں شہروں کے درمیان واقع ہے اور خرقان تک پہنچنے میں راستے کے کئی
 مشہور مقامات بھی دیکھے ہوں گے۔

بسطام

شیخ جالی بسطام پہنچے اور وہاں حضرت بایزید بسطامی کے مقبرے کی زیارت
 کی ہے^۵۔

تبریز

شیخ جالی ایران کا سیروسفر کرتے ہوئے تبریز پہنچے۔ تبریز کا جانا ان کی

۱۔ سیر العارفین ص ۱۱۹۔

۲۔ حالات کے لیے دیکھیے سیر العارفین ص ۱۱۹۔

۳۔ سیر العارفین ص ۹۔

۴۔ دیوان ابوسعید ابوالخیر سعید حسینی ص ۵۔

۵۔ سیر العارفین ص ۹۔

ادبی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ، کیونکہ وہاں کے دوستوں کی تحریک پر جالی نے مثنوی مہر و ماہ تصنیف کی ۔

تبریزی شیخ کے ساتھ بڑی مہر و محبت سے پیش آئے ہیں اور وہاں رہ پڑنے کی باصرار دعوت دی ہیں اور کوشش کی کہ کسی صورت سے جالی تبریز میں رہ جائے ۔

مندرجہ بالا شہروں کے جالی نے سلسلہ واقعات میں نام لیے ہیں ۔ ویسے جیسا کہ دیباچہ میں لکھا ہے ، انہوں نے آذربائیجان ، گیلان ، مازندران اور خراسان کے اکثر و بیشتر مقامات کی سیر کی ہوگی ۔

بلاد عربی

جالی ایران سے ہوئے عراق میں قدم رکھتے ہیں ۔ بغداد میں تقریباً تمام مقابر کی زیارت کی ہے ۔ سہروردی کے مقبرے میں دو ماہ خاص اس حجرے میں قیام کیا ، جہاں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رہتے تھے ۔ خانقاہ سہروردیہ کے سجادہ نشین شیخ شہاب الدین کے جالی کے ساتھ بہت مراسم ہو گئے اور انہوں نے جالی کو عوارف کا وہ نسخہ دیا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور بہاء الدین زکریا کے خاص مطالعہ میں رہ چکا تھا ۔ جس وقت جالی نے سیر العارفین لکھی ہے وہ نسخہ ان کے کتب خانے میں موجود تھا ۔

بغداد میں امام اعظم ابوحنیفہ ”اور شیخ عبدالقادر گیلانی“ کے مقابر پر بھی جالی گئے ۔ مصر پہنچ کر حضرت جالی نے مجدد کے روضہ کی دیات میں زیارت کی اور ۵ دن قیام کیا ۔ دمشق میں ابن عربی ، صدرالدین قونوی ، فخرالدین عراقی اور شیخ اوحالدین کرمانی کے مقابر کی زیارت کی ۔

حجاز مقدس کی زیارات اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جالی اندلس (مغرب زمین) بھی گئے ۔ یمن ، بیت المقدس اور بلاد روم کو بھی خوب چل پھر کر دیکھا ۔ پھر حال جالی بقول خود اس سفر میں وطن سے ساٹھ سال دور رہنے کے بعد سمندری راستہ سے گجرات پہنچے ۔ یہاں سے دہلی گئے اور اپنے مرشد شیخ بہاء الدین کی قدم بوسی کی ۔

اس طولانی سفر میں جالی نے بہت تخیلیں اور کافتیں دیکھیں اور بعض دفعہ تو ان کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ۔ لکھا ہے :

”در مسافرت چند جا امری چہ در بیابان چہ در آبادانی بر بیم ہلاکت رسیدہ
و امید حیات بکلی منقطع گشت“

سفر کی تکالیف کا بیان مثنوی مہر و ماہ میں اس طرح کیا ہے :

نہ ہمدردی کہ رازش می توان گفت
غم راز درازش می توان گفت
چو زلف دلبران خاطر پریشان
ضعیف و ناتوان چو چشم ایشان
دوان با دور دل ، مانند خامہ
بدیسان در رہ افشائے نامہ
دو بیت از مادر فکرم بھی زاد
یکے ماندی ، یکے می رفت از باد
بغیرت خاطر کم جمع بودی
ولے ، فکرم مثال شمع بودی
اگرچہ بودم از دہلی بسے دور
دام می یافت ارحب وطن نور
ز بعد مکہ سیرم در عجم بود
ولے بے بند خاطر می نیامود
ز ہندوستان اگرچہ دور بودم
جو طوطی در قفس مہجور بودم

۷۔ آثار

جہاں نے کون سے ادبی اور تاریخی آثار یادگار چھوڑے ، یہ صحیح علم نہیں ہو
سکتا ۔ ہاں سے اے کر ہمایوں تک جو خافشار ملک کے مختلف حصوں میں رہا ، اس
میں ضائع ہونے سے ان کی جو تصانیف بچ کر ہم تک پہنچی ہیں ، وہ یہ ہیں :

۱۔ مثنوی مرآۃ المعانی

یہ ایک مختصر عرفانی مثنوی (۶۳۹) سو اشعار پر مشتمل ہے ، جس میں
تمثیلی انداز میں سلوک اور عرفان کے نکتے اور مسائل بیان کیے گئے ہیں ۔ سبب

لیف یوں بیان کیا ہے :

آئینہ در لوح ازل مسطور گشت
 در دل آئینہ ام منظور گشت
 ہر چہ اسباب جمال اللہ بود
 در دل آئینہ ام پیدا نمود
 ہر کسے از بہر آن حسن و جمال
 ہر زمان از من ہمیں کردی سوال
 کہ کسے از زلف پیچیدن بہ من
 کہ یکے از لب ہمیں راندن سخن
 کہ یکے جستن نشان خدو خیال
 کہ یکے زان روی و مو کردی سوال
 کہ یکے رمزی ز گیسو خواستی
 کہ نشان چشم و ابرو خواستی
 کہ یکے ہر سیدی از قدش نشان
 کہ کمر بستی بہ فکر آن میان
 کہ یکے کردی حدیثے از دہن
 باز ہر سیدی ازاں سیب ذقن
 کہ یکے گفتی کہ ساعد چیست گو
 ہر کسے بودی ز من در جستجو
 باز قدمے از پے ساق و جام
 راز می جستند از جانم مدام
 از بت و بتخانہ و زلار نیز
 در طلب بودند از بہر تمیز
 سر صبر و شکر و تسلیم و رضا
 شکر و صحو و قرب و بعد اندر صفا
 طور شاہد بازی و دیوانگی
 ہا سر خود خویشی و بیگانگی
 دل بہرا کردن از رد و قبول
 ہس مہیا گشتن از بہر و قبول

ہیں نظر پر روئے عرفان داشتن
 کفر و ایمان را یکے ہنداشتن
 از سلامت وز سلامت خاستن
 خویش را در بیخودی آواستن
 طالبان را زین صمط پر روز و شب
 فی الحقیقت بود این صدق و طلب
 چون مرا زینہا چنی صورت نمود
 از حقیقت پردہ معنی کشود
 ہر چہ بود از آشکارا و نہان
 اصطلاح عارفان کردم بیان
 از رخ معنی حجاب الدائم
 آئینہ پنهان بود پیدا ساختم
 خامہ ام شد فضل عرفان را کلید
 لا جرم زد گنج عرفان شد پدید
 خامہ من چون کلید سینہ گشت
 نامہ من ہر سر گنجینہ گشت
 نامہ را چون روشنائی برفرود
 گشت مرأتی کہ روئے حق نمود
 چون معانی کرد حق الہام او
 گشت "مرآة المعانی" نام او

مختلف جسمانی اعضا پر عارفانہ انداز سے نظر کی ہے اور اس سے معرفت کے نکات پیدا کیے ہیں۔ مثنوی میں یہ عنوان ہیں (حمد، نعت، مدح مرشد کے بعد)

- | | | | |
|-----|---------|--------------------|-------------------|
| (۱) | در بیان | روئے گوید کہ عبارت | از وجہ حقیقی باشد |
| (۲) | " | رخسار | " وحدانیت |
| (۳) | " | خط | " بروز کبریائی |
| (۴) | " | اہر | " قاب قوسین |
| (۵) | " | چشم | " بصارت ازلی |
| (۶) | " | دہان | " سر حقیقی |
| (۷) | " | لب | " لطف الہی |

- (۸) در بیان زلفه‌ها گوید که عبارت از زلف است قهر آمیز که سلاطین را از چاه جاودانی بهاء ظلماتی اندازد -
- (۹) زلف " " " " جذبه الهی باشد
- (۱۰) خال " " " " نقطه روح انسانی " "
- (۱۱) کپس " " " " بحث هدایت " "
- (۱۲) ساعد " " " " محض قنبر " "
- (۱۳) قامت " " " " جامعیت وجود " "
- (۱۴) میان " " " " برزخ صغری " "
- (۱۵) حکایت فی المثل " " " " مسافر از بغداد " "
- (۱۶) تعریف صورت و نکوش منکران او و معنی این الله خلق آدم " "
- (۱۷) کفر گوید که عبادت از عالم لاهوت " "
- (۱۸) میخانه " " " " عشق و محبت " "
- (۱۹) بت خانه و احنام و زنار " " " " عالم جبروت و تعجلیات " "
- (۲۰) مع فروش " " " " مرشد کامل " "
- (۲۱) رندی " " " " قطع علایق " "
- (۲۲) قلاش " " " " هیچ نوع از تعجلیات سیر نگردد " "
- (۲۳) عارف " " " " که سر زایت ری در بیان اوست " "
- (۲۴) شناخت عارفان " " " " که از رد و قبول خلقتش تبدیل و تحقیر نباشد -
- (۲۵) حکایت دیدن درویشی اهلیم را بر در مسجد بیکار نشسته و پرسیدن از بیکای -
- (۲۶) صبر " " " "
- (۲۷) علو مراتب موسوی به خضر گوید " "
- (۲۸) ولایت افضل من النبوه گوید " "

(۲۹) دریان بن عرف نفسه فقد عرف ربه گوید

(۳۰) معرفت ذات و صفات و اسماء و اثر اسماء گوید

(۳۱) خاتمہ کتاب گوید

مثنوی کس سال میں تصنیف کی گئی اس کا کہیں اشارہ نہیں ہے۔ مدح پیر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ساء الدین کی وفات (۸۹۰) سے پہلے مثنوی تکمیل کو پہنچی ہے۔

اس مثنوی کے نسخے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ ذخیرہ حبیب گنج میں دو سو برس سے زائد پرانا نسخہ موجود ہے (۴۷ صفحات ۱۵ سطری مہر محمد شاہ کرخان) اتنے نسخے دانش گاہ پنجاب کے شیرانی کالیکشن میں موجود ہیں جن کی فوٹو اسٹیٹ میرے سامنے ہیں۔ تفصیل یہ ہے :

(۱) شمارہ PIVI 56A (۳۵۳۹) کاتب محمد قاسم کتاب ۱۹ رجب ۱۱۹۳

اس میں اشعار کی تعداد (۶۳۹) ہے۔

(۲) شمارہ ۶۱۹-۲-۳۶۴۰، اس پر مہر ہے (مہر مسجع اسرار حق است)

اشعار کی تعداد (۳۷۰) ہے۔

(۳) شمارہ SPIVI 56 (۳۰۸۴) کاتب سید حسین شاہ تاریخ ۲۱ رجب المرجب

۸۱۲۹۷ - اشعار کی تعداد (۴۴۳) ہے۔

(۲) دیوان

جالی کا دیوان نادر اور نایاب ہے اب تک دو نسخوں کا ہتہ چل سکا ہے :

(۱) حبیب گنج کا نسخہ

ناقص الاول والاخر ہے تقطیع اوسط صنعت ۱۴۶ - میطر ۱۵ ، اشعار کم و بیش ۲۱۰۰ ، مرحوم شیرانی نے لکھا ہے کہ ابتدا کے اوراق کچھ زیادہ کم نہیں ہیں کہ حمد کے قصائد موجود ہیں۔ البتہ آخر سے بہت کچھ ضائع شدہ ہے۔ کیونکہ غزلوں کا حصہ بہت ہے۔ دیوان میں یہ شعری ذخیرہ موجود ہے۔

۱ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ -

۲ - فہرست شیرانی ۱۸۰-۱۸۵ -

۳ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ -

(۱) قصائد

۲	حمد
۵	نعت
۱۲	مدح پیر
۷	مدح سکندر
۶	مدح بابر
۶	مدح ہمایوں

(۲) ترجیع بند

۱	نعتیہ
۱	عارفانہ

(۳) ترکیب بند

۱	سرائیہ سلطان سکندر
۱	سرائیہ پیر خود
۲	سرائیہ فرزند پیر ✓
✓	سرائیہ پسر خود ✓
۱	مسمی بہ حسین
۱	عارفانہ ترکیب بند

یہ ترکیب بند ناتمام ہے اور یہیں دیوان ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) رام پور کا نسخہ

جناب عرشی رام پوری نے لکھا ہے کہ سرکاری کتب خانے کا نسخہ تقریباً

مکمل ہے ۹ اوراق ۲۵۶ سطر ۱۰-۱۷ سائز $۵\frac{1}{4} \times ۹\frac{1}{4}$ کتاب کا سائز $۷ \times ۳\frac{1}{۴}$ - مال کتابت اور کاتب نامعلوم - گیارہویں صدی کا معلوم ہوتا ہے - ذخیرہ کلام اس طرح ہے :

۳۷	قصائد
۲	ترجیع بند
۵	سرائی
۸۲۱	غزلیات

۷۱	قطعات
۴	مثنویاں چھوٹی
۴۴	رباعیاں

غزلیات کا آغاز ورق (الف ۷۰) سے ہوتا ہے اور المام ورق (الف ۱۳۸) پر ہوتا ہے۔

دیوان کی تدوین ڈاکٹر نذیر احمد کے خیال میں ۱۹۳۷ء سے اس کی ابتدا ہوئی ہوگی اور چونکہ دیوان میں حج سے واپسی کی تاریخ موجود ہے، اس لیے (۱۸۹۸ء) کے بعد تک سمجھنی چاہیے کیونکہ اس میں ہمایوں کے متعلق قصائد موجود ہیں۔ اگرچہ دیوان سامنے نہیں ہے لیکن رام پور والے نسخے میں چونکہ رباعیاں موجود ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ وفات تک کا کلام اس میں جمع ہے اور دیوان کی تدوین وفات (۱۹۴۲ء) کے بعد کسی مرید یا کسی بیٹے نے کی ہوگی۔

ہدایونی نے لکھا ہے کہ: دیوان او مشتمل بر ہشت و نہ ہزار بیت است۔ رام پور والے دیوان میں تقریباً اتنا ہی ذخیرہ موجود ہے۔ پس اس دیوان کو فی الحال کامل سمجھنا چاہیے۔

شعر کے متعلق صاحب اخبار الاخبار کی رائے ہے کہ: قصیدہ او بہتر از غزل و مثنوی است۔^۲ مرحوم مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی^۱ اور ڈاکٹر نذیر احمد نے بھی قصیدہ کو غزل پر ترجیح دی ہے۔^۳

جمالی کا دیوان چونکہ نادرالوجود ہے اس لیے ان کے اشعار کا جتنا ذخیرہ مختلف کتابوں میں موجود ہے اس کو یہاں ہم دے رہے ہیں تاکہ پڑھنے والے ان کے شعر کے متعلق خود بھی رائے قائم کر سکیں:

۱۔ اردو ادب ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۴۵۔

۲۔ ہدایونی ۱: ۳۲۶۔

۳۔ اخبار الاخبار ص ۲۲۸۔

۴۔ مجموعہ مقالات ص ۱۷۸۔

۵۔ اردو ادب ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۵۴۔

قصائد

حمد

ای روی خود ز پرده نمودار ساخته
خود را بحسن خویش طلب گار ساخته
تاب رخت به چهره اعیان ثابت
بخشید نور مظهر آثار ساخته
چون رو کشوده ذات تو، از پرده صفات
عالم عیان ز پرتو رخسار ساخته
عکس زده در آئینه حسن و جمال تو
آئینه را به حسن گوشتار ساخته

شاخ درخت و باغچه و کائنات را
فیض تو پر ز برگ و گل و خار ساخته
نامش نهاده احمد و محمود ابطحی
در انبیاء خلاصه ابرار ساخته
از بهر پیشوای انس و ملک و را
در راه عشق قافله سالار ساخته

مستان جام باده عشق ترا بر آن
آواز کن کشیده و پوشیار ساخته
چشم تو غمزه زده بر ترکش سنان
خونخوار دلفریب و ستم گار ساخته
آنها که کرده درد غمت آشنای خویش
از خویش و آشنا همه بیزار ساخته
آنها که چشم قهر تو انداخت از نظر
در مردمان سرشکر صفت خواب ساخته
و آنها که داده لطف تو، انوار مردمی
منظور دیده اولوالبصار ساخته

نعت

دوش در سلک ملک گلبانک
 اندران وادی دم از مهر رخ طه زدیم
 از بساط قدسیان در بزم لاهوتی شدیم
 پس دران بزم از پداالله ساغر صہبا زدیم
 در ہوائے سایہ بال بہان ہمتش
 در فضائے لا مکان پرواز باز آسا زدیم
 بر سریر عرش اعظم ، نوبت شاہ عرب
 بر نفس در ملک سبحن الذی اسری زدیم
 تا شدیم از جان ، غلام چار یار از یک ملی
 چار طاق خسروی بر گشید مینا زدیم
 در ہوائے گلشن رویش بر آوردیم آہ
 شعلہ آتش بیباغ جنت الہاوی زدیم
 چون مسیحا از کف عالم کشیدیم آستین
 دست در دامن آن خورشید بے ہمتا زدیم
 آن کہ چشم قدسیان را سرمہ خاک پائے اوست
 نور ما زاغ البصر در دیدہ بینائے اوست

قرجیع بند

در معرفت

اے رخت در جال تو پیدا
 وے جال تو بر رخت پیدا
 عارضت نور دیدہ مردم
 مردم از عارض تو ناپیدا
 مانده تنہا بعین تنہائی
 کردہ پیوند با ہمہ تنہا
 ہمہ نام تو بر زبان دارند
 مومن و کبر و کافر و ترسا

گاہ ناظر بہیدہ و امان
 گاہ منظور در رخ عذرا
 رفتہ از ذات در سرانے صفات
 ہشتہ بر او غشاوہ اسماء
 جملہ اسم و صفات را ناگاہ
 دیدہ در ذات ظاہر و ہمد
 گاہ دریا بہ موج کردہ ظہور
 گاہ شد موج عین آن دریا
 یار با ما و ما ہمہ بے او
 ماندہ تنہا چو او (بود) بے ما
 گر نہاںست، چیست چندین شور
 و رعیاں است، چیست این غوغا
 مطرب دل بہ پردہ می گوید
 تنہا تن تنّا، و تنّ دونّا
 کہ ہموا عابد و ہموا معبود
 لیس فی الدار غیرہ موجود

ترکیب بند

مائیم خلاصہ دو عالم
 تفسیر حروف اسم اعظم
 ہم ذات خدا زما بین
 ہم نور صفت ہما مسلم
 مشہود رخ صفات و اسماء
 مسجود فرشتہ معظم
 ہموارہ بہ ما کمال مضمّر
 ہیوستہ ہما جبال ندغم
 دریائے محیط بے کرانہ
 این طرفہ کہ شد عیاں زشبم

آنکس کہ شود ننگِ این پیر
 باشد بد نصیب و رطہ بے غم
 نے ننگ ز شر نہ خرم از خیر
 نے خوش ز ثنا نہ ناخوش از ذم
 بیزار ز قید کفر و اسلام
 آزاد ز جنت و جہنم
 این است کہالِ رہرو دین
 این جا ازل وابد یکے ہیں

غزلیات

جانان پیرس، بے توشب ما، چسان گذشت
 یا روز بد، چنیں رسید و چنان گذشت
 تیر غمت کہ بر سپر سینہ ام رسید
 دل را شکافت، بر جگر آمد ز جاں گذشت
 گفتی: گذر ز جاں و جہاں از برائے من
 چون جاں توفی چگونہ ز جاں می توان گذشت
 از چشم مردمان، ہمد خونناہ شد روان
 در مجلسی کہ ذکر جالی روان گذشت؟

تو در دروں و من از شوق سینہ ہارہ کم
 کہ دل شکافم و بر روی تو نظارہ کم
 بہ زندگی نہ رسد دست من، ہدایانت
 مگر لباس حیا، کہ ہست ہارہ کم
 من آن جالی دردی کشم کہ زاید را
 بہ یک کرشمہ ساقی شراب خواہہ کم؟

ترا کہ شیوہ چناہ است و شکل و ساز چنیں

۱ - ایضاً ۲ : ۱۹۰ -

۲ - اردو ادب ص ۱۵۸، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ص ۷۷ -

۳ - اردو ادب ص ۱۵۵ -

چرا دلم نبود در محنت گداز چہیں
 تو گر جفا کنی از ما بہ جز وفا نلید
 کہ رسم ناز چنان باشد و نواز چہیں
 دلم نواختہ از زخمہائے خنجر تست
 ہمیشہ باد مرا یار دلتوازی چہیں
 خواہم کہ ہمدل دل پر خون کم ترا
 حال دلم نمی نگری، چون کم ترا
 افسانہ ام نمی شنوی، عشوہ می دہی
 اے سنگدل بگو کہ: چہ افسوں کم ترا
 دل شاد گشت چون بہ جالی طیب گفت
 زہں درد کم مباش کہ افزوں کم ترا

مخندان لعل شیریں را کہ شورے در جہاں افتد
 مرا زان خندہ، دل بگدازد و آتش بہ چاں افتد
 بہ مرگ خود شدم ہم شادو ہم غمگین کزین محنت
 رہائی یابم و ترسم جدائی در میان افتد
 ز سوز سینہ گشتم خشک لب اے دیدہ گریبان
 مدد فرما کہ از جوئی تو آیم در دہان افتد

چہ نیکو می رود آن کبک رفتار
 خداوند از چشم بد نگہ دار
 چہ شکل است این، چہ ساز این، چہ شوخی
 چہ قد است این، چہ ناز است این چہ رفتار
 منہ ہا بر زمین، بر چشم ما نہ
 کہ چشم ماست پایت را مزاور
 جالی کلکت آن طوطی ہند است
 کہ آب خضر می ریزد ز منقارہ

۱ - اردو ادب ص ۱۵۵، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ع ص ۷۸ -

۲ - اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ ص ۷۷-۷۸ -

۳ - ایضاً - ص ۷۷-۷۸ -

۴ - اورینٹل کالج میگزین شماره نومبر ۱۹۶۳ ص ۷۷-۷۸ -

اے نسیم صبح : پیغام دران درگاہ پر
 یعنی احوال گدا ، دربارگاہ شاہ پر
 نا تو انم سوی او نتوان شدن باد صبا
 بر مثال برگ خاشاکی ، مرا ہمراہ پر
 آب و آتش در دورخ داری ، نقاب از رو کشا
 آتش خورشید بنشان آبروی ، ماہ پر
 ✓ یا بہ عمر کوتہ ام ، زلف دراز خود بہ ہند
 یا بدان زلف دراز ، این رشتہ کوتاہ برا

ماہی بہ میدان می رود تاشہ سواری کیست این
 از دیدنش جان می رود یا رب نگار کیست این
 قوم از دو آبرو ساختہ ، از غمزہ تیر انداختہ
 ہر سو سمندش تاختہ ، بہر شکار کیست این
 بالائے او سرو روان ، رخسار خویش گلستان
 خط سبزہ ، لعلش ارغوان نا نو بہار کیست این

اشعار متفرق

وہرائے دلم را گنجی ، است یاد رویت
 دروے خیال زلفت ، چون مار کردہ مسکن ؟
 عشق را طے لسانی است کہ صد سالہ سخن
 ✓ یار با یار ، بیک چشم زدن می گوید ؟

دو گزک ہوریا و ہوستکی دلکی پر ز درد دوستکی
 این قدر بس بود جالی را عاشقی رند لایاہالی را

۱ - اورینٹل کالج میگزین شمارہ نومبر ۱۹۳۴ ص ۷۷-۷۸ -

۲ - اورینٹل کالج میگزین شمارہ نومبر ۱۹۳۴ ص ۷۷-۷۸ -

۳ - ریاض الشعراء خطی -

۴ - ریاض الشعراء خطی -

۵ - ریاض الشعراء خطی -

صده روی بین بر سینه ام سر روی را صد خار هم
 بر خار صد درد الم افزون کند بر روی را
 دوش در کوئے تو فالیتیم ، سگت فریاد کرد
 گاهی جالی ! از فغان زحمت مده درویش را
 گویند ! که آب لعش سرچشمه حیات است
 ما تشنه جان سپردیم ، از وے چه سود مارا
 رنه و دردی نوش و شاہد باز بے ہاکیم ما
 منت ایزد را کہ از فسق و ریا ہاکیم ما
 باستان تو ، شرمندہ سگان تو ایم
 کہ شب قرار نہ دارند ز آہ و زاری ما
 شہرے کہ در آنجا بود آن کافر بد کیش
 کافر شوم ار ، ہیچ مسلک بود آنجا
 گیتی ! بھائی نام لب من ہزار جانست
 چندین بہا مکن شکر نا چشیدہ را
 دردی کہ بے رخ تو ، جالی ہمی کشد
 یک حصہ زان مباد ہزار آفریدہ را
 واعظ جالی را مکن منع از بت و رندی و بے
 ہند پدر مانع نشد رسوائے مادر زاد را
 ندیدم وفاداری اکنون ز کس
 وفی تلک الایام فات الوفا
 لطفے کن اے باد سحر ، بر کشتگان او گزد
 در کوئی آن کافر پیر ، این خاک خون آمیز را
 از پیر قتلم آمدی و واگذاشتن
 معلوم شد کہ ، مردہ بند پنداشتی مرا
 بدنام و بت پرست جالی ست در جہان
 اے ہارسا بگو تو چه انگاشتی مرا

دردم شد روزی است ایام خیال زلف او
ماز سان سرمی کشد بر دم زهر روزن مرا

چشم سوخت کرد ببارم ولی چشم ترم
می چکاند آب بر لب روزن باری مرا

مردن آستان شد جلای را، چو رخسار تو دید
ورنه دمی کشی غم رویت بدشواری مرا

شب به گزد کعبه کوی تو می آرم طواف
روز کفعل دیده سازم خاک پای خویش را

جایی! رویه خوبان بین به رخم زاهد منکر
که کافر آمد آن کو، منکر آمد صنع بے چوید را

جگر بر سوز و دل بر درد و جان در تاب و تن در تب
نمی دانم بدینسان در فراقیت، چون زیم یا رب
به خواهم مرد چون دیدم رخت در حلقه زلفت
سفر نه بود مگر چون ماه منزل کرد در عقرب

بسته شد چشم ماز خون جگر رحمة یا مفتوح الابواب
دی خرامان گرفت در راهی قلت یا لیت کشت فیه تراب
بر که او دهد چشم و ابرویش قال سکران نام فی المعراب

شد تن زار من از هجرت چو سو در بوی و قیاب
آخر آمد سو را ز دود آو دل کردم بختیاب
نیست بر رویم خراش ناخن از درد و غیبت
بلکه از درپای چشم خود بریدم جوی آب

ایمکه دارد دهن چشم حیوان در لب
مگر از تشنه لبان داشته پنهان در لب

روزے کہ دادہ مزدہ کشتن شمت بدل
 خود را بہ عذر خویش بہاں روز شاد بہاں
 ہوتہ خاری کہ از خاک مزارم سر کشید
 منست و حیران شد بر آن زاہد کز وہ ہواک منبت
 گر مرا نے درد می گوی ، ہمہ گویند نیست
 ورترا نے سہن می گویم ہمہ گویندہ بہت
 دل بسوئے آن میان دست طمع دارد دراز
 این طمع ہیچ است ہونہ چیزے نمی آید بہت
 اے بجای از دیانت تہ ہلای آمد بہدید
 ہر تو نازل شد ہلای عشق از روز و لست

طائر قدسی ہشاخ سدرہ دارد آشیان
 زیر دام زلف او حال گرفتاران خوشہ است
 چون زید دل خستہ بیماری ، کہ حد بار او امید
 ہشتم بکشاد و ترا یکبار ہر ہالین دید

امروز چون جال تو ہے پردہ ظاہر است
 در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

زاہد بہا طعتہ گفت کہ سروئے بتاہ بین
 اسے ہے ہمیز دیدہ بینا ہوا ہے چیست

حد بار بہا خاک قدس دیدہ نہادیم
 یکبار کسے گو بسر کوی تو بگذشت

نیک خواہی گر کند منعم ز روئے نیکوان
 ہوں من او را نیک می بینم بہا اندیش منست
 اے لم ا قربان آن ابرو کیان کز سینہ ام
 می کنند قیز و ہمی گوید کہ بہا از کچھ منست

پیکان خدنگ تو، توان یافت ز خاکم
 گراز پس مرگم به جهان خاک توان یافت
 بر درش سرد جالی سگ او نوحه گرفت
 از مقلبان درش این قدر اکرام خوشست
 بر چند در شمار نمی آوری مرا
 عمری که بیتومی کزرد، در حساب لیست
 بعد صد سال اگر خاک مزارم بویند
 همه گویند که: اینجا اثری بوی کسی است
 همشیر کشیده آن بت و در کوی خودم دید
 گفتا که: جالی نتوان صید حرم کشد

بر تن لاغر، لباس تر، تو کوفی چشم ما
 جامه را شست بر بالائی خار انداخته

پیش سبتاب جالت حاجت خورشید نیست
 بر گجا خورشید باشد حاجت سبتاب نیست

می رفت دور، من دل پر خون حکایتی
 آغاز کردم و سخن نانشیده مالد

یار ما هستم، مفرما کز شراب آلودگی
 جان من پاکست اگرچه خرمن من پاک نیست
 خاک کویت خواستم، در گریه افشادم بسر
 چون کنم؟ کز آب چشم من، بکویت خاک نیست

صبر و آرام و دل و دین جالی همه رفت
 تو سرو! باش! اگر هیچ نباشد هم نیست

بر گجا مردم بود، آرام آهو می رود
 چشم آهوییست کارامش همه با مردمیست

من از کمال غیرت تا دیگری نبوسد
 از خون دیده بوسم بر دم نشان پایت
 خود پرستان را به کوی می پرستان راه نیست
 عرصه رندی، مقام زاهد خود بخواه نیست
 لعل جان بخش تو در روی جهان افروز تو
 اجتماع آفتاب و عیسی مریم شده اسه
 چون من براه میکده میرم خدای را
 از خاک من قرابده سازند با قدح
 چون غنچه کند پیش دهانی تو تبسم
 خاکش ز کف باد صبا روی من افتد
 از خون جگر تکه لعلی است جالی
 بر قطره که از چشم تو بر من افتد
 سوراخها بسینه و از پیچ روزنی
 ما را بدل ز زلف تو باری نمی رسد
 محبت میرم ز دل می جست و جان می گفت
 که، آن مسکین ازیں منزل سفر کرد؟
 یاد لب تو، در دل غمگین بود مرا
 جان کردند از فراق تو شیرین بود مرا
 ای از جهالت، این همه غوغا برائے چیست
 چون جمله حسن تست تماشا برائے چیست
 می کشی از تیغ جورم، میکنی دل شاد هم
 خون من ریزی و می گویی مبارک باد هم

مید قربانست لطفی بر من دلریز کن
یعنی این دلریز را قربان زنی خویش کن

در کین که بیند آن لب مانند لند او
چون نیشکر شکسته شود بنده بند او

شده مرغ دلم از آتش عشق تو، کبابی
بروی زدم از دیده گریان نمک آبی

من که از چشم تو بیمار شدم از لب لعل
چه شود گر بدی شربت عذاب مرا

گویند ازنده می شود اندر نمل دل
مهراب آبروئی تو مرا در نماز کشت

آن جفا کار، دل آزار جگر خوار جهان
گرچه کافر نتوان گفت، مسلمان هم نیست

می کنم فکر می که آن زلف درال آید بدست
دست کوتاه دارم، اما می کنم فکر درال

کام جسم زلیش، داد نهام دشنام
واقف حال نه شد، داد مرا دم به غلط

ز تیغ سینه ام صد چاک شده ای وای می ترسم
مبادا، درد تو، بیرون فتد از سینه چاکم

زلف نگار و توید با و سر رقیب
این بر سه را که نام شنیدی شکسته به

رویده قلم کنی بر شب که فردا می کشم
تا فردا دگر در انتظارم می کشی

بگفتی کہ ، یہ عشاقی رحم کن ! نہ جفا
بغیبہ گفت ، لکم دینکم ولی دینی

از سینہ بر کشم دل منت رسیدہ را
تا ہر دم یہ خون نکند غرق دیدہ را

ترا در نیکوئی کردند مشہور
جال را نکو خواہ آوریدند

تو بدین صورت زیبا کہ روی ہو نماز
مسجد الٰہ روئے تو بتخانہ چین می گردد

مرا از تیر ہائے او ہر از ہر گشت ہر پہلو
کنون پرواز خواہم کرد سوی آن کہاں ابرو

۴۔ مثنوی سہر و ماہ (۸۹.۵)۔ جالی کی یہ طویل ترین مثنوی ۸۹.۵ میں مکمل ہوئی ہے۔ اس سے دو سو سال پہلے (۱۵۷۵ء) میں امیر خسرو دہلوی نے مثنوی دولرانی و خضر خاں تمام کی تھی۔ ان دو صدیوں کے طولانی عرصے کے اندر اس برصغیر کے کسی دوسرے شاعر کی لکھی ہوئی مثنوی نہیں ملتی۔ اگر کوئی لکھی گئی تھی تو وہ علمی دنیا تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے جالی ہی وہ خوش قسمت شاعر ہے۔ جس کو خسرو کے بعد اس برصغیر کا پہلا مثنوی گو شاعر شمار کیا جاتا ہے اور ان کی مثنوی سہر و ماہ کی اہمیت یہ ہے کہ ادبی تاریخ میں ”دولرانی خضر خاں“ کے دو سو برس بعد یہ پہلی مثنوی ہے جو سامنے آتی ہے۔

جالو نے اس مثنوی میں شاہزادی سہر اور شاہزادے ماہ کی عشقیہ داستان کو قلمبند کیا ہے جس کا خلاصہ آئندہ صفحات میں دیا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ فرضی

۱۔ خزانہ عامرہ ص ۱۷۸-۱۷۹

۲۔ روز روشن ص ۱۵۴

۳۔ مسعود یک دہلوی (متوفی ۸۲۶ھ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی تھی لیکن وہ ضائع ہو چکی ہے۔

اور عام روایتی انداز کی داستان ہے لیکن اس میں جاہل تصویف کے رسول و نکات اور عرفانی مسائل مؤثر اور دلنشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مثنوی جہاں نے اہل تبریز کی فرمائش پر لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں :

ز روئے نخل بندی اہل تبریز
ز نخل دوستی گشتہ رطب ریز
بگفتند : اے چراغ عشق بازی
ز تو پروا نہ جان در گدازی
ترا راہ حجاز، از اشتیاقی است
سزاوار تو، این راہ عراق است
نشین در پردہ ہائے دیدہ ما
کہ جائے مردم تنہا است این جا
کتابی است مہر و مشتری نام
بشہرت، ہمچو مہر و مشتری عام
ز تصنیف تو بہر فضل عصار
کہ او استاد اوستادان روزگار
تو ہم در فکر مہر و مشتری باش
بمہر دل مراو را مشتری باش

عصار تبریزی (متوفی ۸۳۷ھ) کی مہر و مشتری کی طرز پر کہنے کے لیے تبریزیوں نے جو فرمایش کی وہ جہاں نے دوران سفر میں پوری کرنے کی کوشش شروع کر دی اور جیسا کہ مثنوی کے تاریخی شعر سے ظاہر ہوتا ہے، مثنوی (۹۰۵ھ) میں مکمل ہوئی۔

۱۔ ڈاکٹر نذیر احمد کے سامنے مثنوی کا یہ شعر نہیں تھا۔ ”آب کوثر“ میں درج شدہ چند اشعار انہوں نے دیکھے اور عمومی حالات کے پیش نظر لکھا ہے کہ جہاں کی (عرب و عجم) سیاحت سے واپسی (۸۹۸ھ) میں ہوئی تھی۔ اس لیے مثنوی کی تصنیف اس سے کچھ قبل سمجھنا چاہیے۔ (اردو ادب دسمبر ۱۹۵۴ء ص ۱۲۴)۔

چو تاریخش بیوی امے خدا ہیں
نگر در سہر و ماہ مرشد دین^۱
۸۹۰ھ

جالی پر اس مضمون سے پہلے یہاں کے دو دانش وروں نے مقالے لکھے ہیں جن میں اس مثنوی کی تاریخ اور سلطان سکندر لودھی اور اس مثنوی کی تالیف سے متعلق بحث کی گئی ہے -

(۱) ڈاکٹر یاسین خان لہازی - سکندر لودھی اور فارسی مصنفین
اس مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ :

جب سلطان سکندر نے سلطان علاء الدین کے ساتھ صلح کرنے کے بعد ۸۹۰ھ میں جونپور کے علاقے سنبھل میں اقامت اختیار کر لی تو شیخ جالی جو سکندر کے استاد رہ چکے ہیں ، عرب کی سیاحت سے واپس آ گئے تھے - چونکہ سکندر ان کا شاگرد تھا اس لیے شیخ کو (منظوم) خط لکھ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور مثنوی سہر و ماہ بھی طلب کی -

(۲) ڈاکٹر نذیر احمد - خسرو ثانی شیخ جمالی دہلوی

میں لکھتے ہیں کہ سلطان سکندر ۸۹۷ھ میں پٹنہ اور جونپور کی مہم پر روانہ ہوا ، وہاں کے معاملات کسی قدر سلجھا کر اپریل ، کڑا ، ڈلمٹو اور شمس آباد سے ہوتا ہوا سنبھل پہنچ گیا - گویا ۸۹۸ھ کے قریب بادشاہ کا قیام سنبھل میں تھا - اور ۸۹۵ھ میں دوبارہ سنبھل آیا اور مستقل چار سال تک قیام کیا - قیاس یہ ہے کہ شیخ کی واپسی پر بادشاہ نے اس وقت پیغام بھیجا تھا ، جب وہ پہلی بار سنبھل میں مقیم تھا ، یعنی ۸۹۸ھ کے قریب - اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جالی اس سے پہلے کبھی دہلی واپس آ گیا تھا..... سیاحت سے واپسی ۸۹۷ھ کے قریب ہوئی تھی ، اس لیے اس مثنوی کی تصنیف اس سن سے کچھ قبل سمجھنا چاہیے.....

مغزن افغانی کے حوالے سے ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ : سکندر لودھی کے منظوم رقمہ لکھنے پر جالی نے مثنوی بھیج دی اور خود جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ فقراء کو اغنیاء کی مجالست سے کیا احتیاج..... پھر بادشاہ

۱ - اردو ادب ص ۱۳۰-۱۳۱ -

۲ - اردو ادب ص ۱۳۳ -

۳ - اردو ادب ص ۱۳۴ -

نے جالی کے خسر اور پسر شیخ سہاء الدین کو لکھا جنہوں نے شیخ کو بھیج دیا۔ ہمارے خیال میں سلطان سکندر نے جالی کی شعرو سخن میں شاگردی ۵۹۰ء کے بعد اختیار کی ہے جس کے متعلق تاریخ ہدایوں میں اشارہ ہے۔ شاہزادگی کے زمانے میں استادی اور شاگردی کا ہمیں ثبوت نہیں ملتا۔ جس وقت سلطان سکندر تخت نشین (۵۸۹ء) ہوا ہے اس وقت جالی بلاد اسلامیہ کے میرو سفر میں مشغول تھے۔

ڈاکٹر نذیر احمد کے سامنے مضمون لکھتے وقت مثنوی کا تاریخی شعر موجود نہیں تھا اس لیے انہوں نے ۵۸۹ء سے کچھ قبل مثنوی کی تصنیف اور تکمیل خیال کی ہے اور اس وجہ سے لکھا ہے کہ یہ مثنوی ۵۸۹۸ء سے پہلے مکمل کر لی گئی تھی اور جالی سفر سے واپس گجرات پہنچے، جہاں سے اپنے وطن دہلی پہنچے، وہاں ان کو بادشاہ کا پیغام ملا اور وہ ۵۸۹۸ء کے لگ بھگ سنہل گئے مخزن افغانی میں شیخ سہاء الدین کا جالی کو سلطان کے پاس بھیجنے کا جو قصہ ہے وہ اگر مثنوی کے سلسلے میں ہے تو مشکوک ہے کیونکہ مثنوی کی تکمیل کا سال ۵۹۰۵ء ہے جب کہ شیخ سہاء الدین کو اس دنیا سے کوچ کر کے ہوئے تقریباً ۵ برس ہو چکے تھے۔ منظوم واقعہ کا لکھا اور جالی کو طلب کرنا دراصل ۵۹۰۵ء کا واقعہ ہے جبکہ سلطان سنہل میں مقیم تھا اور جب پری وفات کے بعد جالی کی اپنی جداگانہ شخصیت کا شہرہ ہوا نیز مثنوی کی تصنیف کی اطلاع بھی سلطان کو پہنچی۔ جالی جب سنہل کے قریب پہنچے تو بادشاہ خود استیصال کے لیے شہر سے باہر نکل آیا۔ سفر سے واپسی کے بعد سے لے کر ۵۹۰۵ء تک بادشاہ سے جالی کی

۱۔ مخزن افغانی (تاریخ خان جہانی) کا اقتباس قبل ازیں ہم دے چکے ہیں، تاریخ خان جہانی (مخزن افغانی) کے سنین اور بعض واقعات درست نہیں ہیں، جیسا کہ ایک روایت لکھی ہے کہ ایک روز قطب الاعظم شیخ سہاء الدین جو قطب العالم بختیار کاکی کے مقبرے پر فاتحہ پڑھنے گئے تو راستے میں ان دونوں بادشاہوں (بہلول و سکندر) کے مقبرے سے گزر ہوا تو مراقبے میں جا کر کہا کہ الحمد للہ والمنة چنانچہ آپ پدر و پسر در دار دنیا کامران و کامکار بودند در آن سرا نیز بہ عشرت و خرمی و بہجت و مسرت اشتغال دارند۔ (۲۲۸) ترجمہ انگریزی مخزن افغانی (N. Roy) ص ۱۰۵۔ یہی روایت جالی نے شیخ سہاء الدین کے فرزند شیخ نصیر الدین کی زبانی لکھی ہے لیکن اس میں فقط سلطان بہلول لودھی کے مقبرے اور اس پر مراقبے کا ذکر ہے (ص ۱۷۹)۔

کوئی ملاقات نہیں ہوئی ہے ، اس لیے بادشاہ نے اپنے منظوم رقعہ میں شیخ کی سیروساخت کی طرف اشارہ کیا ہے :

در گرد جہاں بسی زدی میر
در منزل خود رسیدی بالغیر
بودی تو مسافر زمانہ
الحمد کہ آمدی بخانہ
در مکہ و مدینہ گشتی
گوهر بودی خزینہ گشتی

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں مرشد کی وفات (۸۹۰۱ھ) کے بعد دوبارہ حج کی گئی جہاں سے ۸۹۰۵ھ میں دہلی پہنچے اور بادشاہ نے اطلاع پا کر یہ رقعہ لکھا اور اسی سفر کی طرف رقعہ میں اشارہ ہو۔

متعدد بیانات کے پیش نظر ہمارے خیال میں یہ نتائج نکالے جا سکتے ہیں :

(۱) جہاں اپنے (پہلے) سفر سے مولانا جامی کی وفات (۸۹۰۸ھ) سے پہلے دہلی میں پہنچے ہیں۔ سیرالعارفین میں شیخ سہاء الدین کے درج شدہ حالات سے یہی مترشح ہوتا ہے۔

(۲) شیخ سہاء الدین کی زندگی میں شیخ جہاں حج بیت اللہ اور اپنے سفر سے واپس ہو کر مرشد کے پاس پہنچے ہیں۔ سیرالعارفین میں واپسی کے سلسلے میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں مثلاً شیخ سہاء الدین کے متعلق لکھتے ہیں :

”سالہا مرور اگرچہ این مہجور از دیدہ ظاہر ایشان (شیخ سہاء الدین) دور بود
زمان زمان از التفات باطن آن حضرت رو بے حدود ہی یافت۔ چنانچہ این دعا
در وقت تہجد فوت فرمودند۔ تاآنکہ یہ خاکبوسی آستانہ آنحضرت رسیدہ شد
..... در آنہ ہشرف سعادت قدمبوسی مخدومی مشرف گشتم۔ در کنارم گرفت
و رویم بوسید و فرمود کہ : الحمد للہ ! این دعائے من کہ سالہا در وقت
تہجد می خواندم بلری بہ استجابت مقرون گشت۔“

یہاں زمان بحضور ایشان حضرت مخدوم زادہ..... شیخ نصیر الملت والدین...
فرمودند کہ : شاہنوز در دریا یا بہ جہاز بودہ باشید کہ مخدوم فرمودند !
الحمد للہ ! شیخ جہاں از بیت اللہ مراجعت نمودند۔ شاید این زمان بہ بلاد

گجرات رسیدہ باشند، ۱۰ -

اور کم و بیش پانچ برس کے بعد (۸۹۰۱) میں جب شیخ سہاء الدین کا انتقال ہوا ہے تو جالی ان کے سرہانے موجود تھے -

(۳) جالی نے مثنوی مہرو ماہ تبریزیوں کی فرمائش پر اپنے سفر کے دوران لکھنی شروع کی تھی ۲ -

۱ - سیر العارفین ص ۱۸۲ -

۲ - تبریزیوں کی فرمائش کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے :

قدم برداشتم در راہ بالخیر
فضائے ربع مسکون را زدم سیر
بدین اندیشہ بعد از مدتے چند
قضا در عرصہ تبریزم افکند
خداوندان کہ در تبریز بودند
مرا روئے خداوندی نمودند
براہ دوستی و روئے یاری
بشرط ہمدمی و غم گساری
شدند این خستہ دل را در شب و روز
بہ تنہائی، چراغ خاطر افروز

ز روی نخل بندی اہل تبریز
ز نخل دوستی گشتہ رطب ریز
ہگفتند اے چراغ عشقی بازی
ز تو پروانہ جان، در کدازی
ترا راہ حجاز از اشتیاق است
سزاوار تو، این راہ عراق است
نشیہ در پردہ ہائے دہدہ ما
کہ جائے مردم تنہا است این جا
نوائے خوش براہ عشقی بنواز
کہ گردد پردہ عشاق را ساز
کتابی ہست، مہرو مشتری نام
بشہرت ہمچو مہرو مشتری عام
ز تعصیف، تو پیر فضل عصار
کہ او استاد، استادان درکار ←

جوہا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :

در اہامی کہ گشت این نامہ بنیاد
کہ بنیادش چو بنیاد ابد ہار
بہ جان بودم زدست غربت سخت
کشیدہ در طریق پیدلی رخت
گہے با دام و دد، دمساز گشتہ
گہے با، خار و خس ہماراز گشتہ
گہے در روم و گاہے جانب شام
ندادہ خویش را یک لحظہ آرام
بہ پروادی، روان تنہا و بے کس
کہ از مصر و کہ از بیت المقدس
سرشک آما روان از سوز سینہ
گہے در مکہ گاہے در مدینہ
چو زلف دلبران، خاطر ہریشان
ضعیف و ناتوان چون چشم ایشان
دوان، بادود دل، مانند خانہ
بدینسان در رہ انشاء نامہ
دو بیت از مادر فکرم ہی زاد
یکے ماندی یکے می رفت از یاد
بہ فکر گوہری از ہای تا فرق
شدم در ورطہ خون جگر غرق

سفر میں مثنوی کہتے جاتے تھے - تکالیف اور ہریشانیوں کی وجہ سے بعض دفعہ اشعار ذہن سے نکل جاتے تھے اور بعض دفعہ یاد رہ جاتے تھے - یہ مثنوی اس طویل سفر میں لکھی گئی ہے جس کے دوران وہ حجاز، مصر، بیت المقدس وغیرہ

توہم در فکر مہر و مشتری باش
بہ مہری دل مرا اورا مشتری باش
قلم را در ہنای گہرو تو رداں
عطارد را بر ہروہی بندہ کرداں

گئے تھے اور اسی لمحے سفر میں ان کو تکالیف اور صعوبتوں کا سامنا ہوا اور بعض دفعہ تو ہلاکت تک بھی ٹوٹ پھٹی۔

”و در مسافرت چند جا وقوع امرے ، چہ در بیابان و چہ در آبادانی ، بیم ہلاکت رسیدہ ، امید حیات بہ کلی منقطع گشتہ“

مثنوی کے آغاز میں ”مدح حضرت سلطان العارفين و برہان العاشقين سماء الحق والدین“ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی اس وقت لکھی گئی جبکہ شیخ زندہ تھے یعنی ۸۹۰۱ء سے پہلے۔

(۴) غالباً مرشد کی وفات ۸۹۰۱ء کے بعد جالی نے ایک اور مختصر سفر حج کے ارادے سے کیا ہے اور یہ سفر ۸۹۰۲ء سے ۸۹۰۴ء تک ہو سکتا ہے۔ اس سے واپسی کے بعد جب سلطان کو شیخ جالی کی روحانیت میں اپنی انفرادی شخصیت کا علم ہوا تو مثنوی لانے کی فرمایش کی اور ساتھ ہی ان کو بھی اپنے پاس بلایا۔ مرشد کی زندگی میں سلطان سکندر کے خصوصی تعلقات جالی کے ساتھ نہیں تھے جو کچھ تعلقات ہوئے ، وہ ۸۹۰۵ء کے بعد ہوئے۔

(۵) مثنوی ۸۹۰۱ء سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔ ۸۹۰۵ء میں جب سلطان نے بلایا تو مثنوی کے آخر میں غالباً نئی تاریخ کا شعر لکھا اور اس وقت بادشاہ کی مدح بھی شامل کر دی۔ اگر بادشاہ کی مدح پہلے کہی ہوئی تو ظاہر ہے کہ دستور کے مطابق ہیر کی مدح کے بعد ، مثنوی کے شروع میں اس کو لائے ہوئے۔

(۶) جب ۸۹۰۵ء میں جالی کی ملاقات سلطان سکندر سے ہوئی ، اس وقت سے باہمی تعلقات بڑھے۔ تاریخ خاں جہانی (بخزن افغانی) میں ہے کہ جالی اس دفعہ دو برس تک بادشاہ کے پاس رہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ محفوظ و مسرور رہے۔

”سدر سنہ ۸۹۰۵ بطرف سنہیل نزہت نمود و چوں ہوائے آن مکان موافق طبع شریف سلطان آمدہ بود۔ شکار فراوان داشت و چہار سال در آنجا اقامت کرد..... و فضائل پناہ معارف دستگاہ شیخ جالی کنہوہ کہ از سفر بھرو ہر مراجعت نمودہ ، بہ دہلی آمدہ بود ، سلطان رقمہ منظومہ فرستاد ، ایشان را طلب

عمودہ و دو سال ہا پکدگر محظوظ و مسرور بودند و اکثر صحبت شعر در میان بود“
 اسی دو برس کے ساتھ سنگت اور شعرو سخن کی صحبتوں کی وجہ سے گہا غالب ہے کہ استاد ی و شاگرد ی تگ نوبت پہنچی ہو اور اس سے بھی بڑھ کر اسی زمانے کی بود و باش دوستی تک تعلقات جا پہنچے جیسا کہ جالی نے اپنے تعلقات کو اس شعر میں دوستی پر محمول کیا ہے :

میانہ من و تو دوستی ، ز بہر خداست

نہ از برائے متاع زمانہ غدار

اور پھر یہ دوستی بادشاہ کی وفات ۹۲۳ھ تک برابر قائم رہی اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ اسی لیے جالی نے جو دردناک مرثیے کہے ہیں ، ان سے ”ہوئے خون“ آئی ہے اور ان کو مدت تک پڑھ کر لوگ روتے رہے ہیں ۔

(۷) مرشد کے دوران حیات میں جالی کی اپنی شخصیت مرشد کی ذات میں ضم تھی ۔ وفات کے بعد جالی خود مشیخت کی مسند پر بیٹھے اور ان کی شخصیت مرشد کی شخصیت سے ابھری جس کی طرف خود اشارہ کیا ہے :

گروہے را بدین ارشاد کردم

جہائے را بدین ارشاد کردم

بحمد اللہ ، ز فضل لایزال

جہاں را مرشد دین شد جالی

ظاہر ہے کہ مرشد دین کا دعویٰ اپنے پیرو مرشد کی زندگی میں مرید کو زیب نہیں دیتا ۔ ان اشعار سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی کا تاریخی اختتامیہ اور بادشاہ کی مدح ۹۰۱ھ کے بعد یعنی ۹۰۵ھ میں مثنوی میں شامل کی گئی ہے ۔ تاریخی شعر میں بھی اپنے آپ کو مرشد دین کہا گیا ہے : ”سہر و ماہ مرشد دین“ ۔

اس مثنوی کو ہندو پاک کے فارسی ادب میں زمانے کے لحاظ سے خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے کیونکہ خسرو کے بعد جو دو سو برس تک فارسی ادب پر سکتہ سا رہا اس کو اس مثنوی نے توڑا ہے نیز ”دولرانی و خضر خاں“ کی

۱ - تاریخ خان جہانی ص ۱۸۹ -

۲ - تاریخ خان جہانی (ص ۲۲۷) : ”مرثیہ انجہ بعد از فوت او انشاء فرمود تا مدت مدید اہل فضل و ارباب کمال آن را می خواندند و بجائے اشک خون از دہدا می باریدند“

عشقہ مشنوی کے بعد یہ پہلی مشنوی ہے جس میں عشقیہ داستان قلمبند کی گئی ہے لہذا مشنوی سہر و ماہ اور اس کے مصنف ہماری ادبی تاریخ میں کئی لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اب تک مشنوی کا ایک ہی نسخہ دریافت شدہ ہے اور وہ دانش گاہ پنجاب کے ذخیرہ شیرانی میں موجود ہے۔ ویسے بھی جالی اور اس کے دور کا علمی ذخیرہ بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ اس لیے جالی کے آثار بہت کم پاب ہیں۔ دیوان اور مشنوی مراۃ المعانی کے تو پھر بھی ایک دو نسخے موجود ہیں لیکن سہر و ماہ سوائے اس ایک نسخے کے اور کہیں نہیں ہے۔

مذکورہ نسخہ جو بے حد مغلوٹ کسی ان پڑھ اور بدخط کاتب کا لکھا ہوا ہے، اس پر محمد حسین کی سہر ہے اور اختتام پر ایک مٹی ہوئی سہر کے نیچے یہ عبارت ہے۔

”کتاب سہر و ماہ از کتابخانہ عاصی.... معاصی چرنجی سنگہ متوطن..... ولد رائے کوہال است بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاول ۱۱۸۳ھ ملاحظہ نموده۔“

۴۔ سیرالعارفین (۳۸-۵۹۴)

ہندوستان میں جالی کی شہرت اس نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہ تذکرہ ہرانی روش پر لکھا گیا ہے، تاریخوں کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس میں مندرجہ ذیل تیرہ مشائخ کا ذکر ہے :

- | | |
|--------------------------------|---------|
| (۱) حضرت شیخ معین الدین چشتی - | اجمیر |
| (۲) بہاء الدین زکریا - | ملتان |
| (۳) قطب الدین بختیار کاکی - | (دہلی) |
| (۴) فرید الدین گنج شکر - | ہاک پٹن |
| (۵) صدر الدین عارف - | ملتان |
| (۶) نظام الدین اولیاء - | (دہلی) |
| (۷) رکن الدین ابوالفتح - | ملتان |
| (۸) نجیب الدین متوکل - | (دہلی) |
| (۹) حمید الدین ناگوری - | ناگور |

۱۔ یہ مشنوی راقم الحروف نے ۱۹۷۴ء میں شائع کر دی ہے۔

۲۔ یہ محمد حسین غالباً خلیفہ محمد حسین مترجم ابن بطوطہ ہیں۔

(۱۰) جلال الدین تبریزی -

دہلی

(۱۱) نصیر الدین چراغ محمود -

اوج

(۱۲) جلال الدین مخدوم جہانیاں -

دہلی

(۱۳) سہاء الدین کنہوہ -

دستوری انداز کے طور پر ان سب کا احوال نہایت مختصر لکھا گیا ہے۔ زیادہ تر کرامتوں اور بعض غیر مستند حکایات پر انحصار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ پروفیسر حبیب مرحوم (علی گڑھ) نے لکھا کہ ”جالی نے سیر الاولیاء، فوائد الفواد اور خیر المجالس کو پڑھا تھا۔ اگر انہوں نے صرف ان ہی کتابوں پر اکتفا کیا ہوتا تو سیر العارفین ایک مستند کتاب ہوتی لیکن (خواجہ نظام الدین کے بعد) دو سو سال سے زیادہ گزر گئے تھے اور اس زمانے میں دہلی میں بہت سے غیر مستند قصے مشہور ہو گئے تھے۔ شیخ جالی نے ان قصوں کو بغیر جانچے ہوئے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ اس لیے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ شیخ جالی کے ایک بزرگ ہونے کے باوجود یہ ایک مستند کتاب نہیں سمجھی جا سکتی، (حضرت نظام الدین اولیاء - مطبوعہ دہلی ۱۹۷۲ء ص ۱۵)۔

اس کمزوری کے باوجود اس تذکرے میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ مؤلف نے جستہ جستہ مختلف جگہوں پر اپنے سفر کے حالات، اپنے مشاہدات اور اپنے ذاتی تجربات بیان کیے ہیں۔ دوران سفر میں بعض مقابر دیکھے ہیں۔ بعض علمی و روحانی مشاہیر اور مشائخ سے مختلف شہروں میں ملاقاتیں کی ہیں۔ ان کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات لکھے ہیں۔ اس تذکرے کے پڑھنے سے اس دور کی روحانی، علمی اور سماجی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ اپنے مرشد شیخ سہاء الدین کے حالات ان کی ذاتی معلومات اور مشاہدے پر مبنی ہیں۔

در اصل جالی کی اپنی شخصیت علمی اور مشیخت کی وجہ سے اتنی اہم اور مقبول تھی کہ تذکرے کی یہ کوتاہیاں نظر انداز رہی ہیں اور بعد کے لوگوں نے اس سے استفادہ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

جالی نے تذکرہ لکھتے وقت جن کتابوں سے مدد لی ہے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

ضیاء الدین برنی
امیر حسن سجزی

(۱) تاریخ فیروز شاہی
(۲) فوائد الفواد

(۳) خیر المعالجس	حمید قلندر
(۴) طبقات ناصری	منہاج الدین جوزجانی
(۵) طرب المجالس	امیر حسینی
(۶) سیر الاولیاء	سید خورد مبارک کرمانی
(۷) خزائنہ جلالی	جہاں گشت
(۸) مناقب قطبی	جہاں گشت

اخبار الاخیار اور فرشتہ کے مصنفین نے اس مختصر تذکرہ سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے اسپرنگر کے حوالے سے خیال ظاہر کیا ہے کہ بدایونی پہلا شخص ہے جس نے جالی کے حالات میں اس تذکرہ کا نام لیا ہے اور لکھا ہے کہ سقم سے پاک نہیں ہے۔ عبارت یہ ہے :

”..... و تذکرہ نوشتہ در بیان مقامات بعض از مشائخ ہند، سیر المعارفین، نام کہ خالی از سقمی و تفاصی نیست و ابتدا از حضرت خواجہ بزرگوار معین الحق والدین الاجیری و اختتام بر پیر خود شیخ سہاء الدین گنجوہ دہلوی کردہ“۔

جالی کے احباب کی خواہش تھی کہ دوران سفر میں جن مشائخ اور اولیاء کو دیکھا ہے ان کے حالات لکھے لیکن ایک تو سفر میں واپسی کے بعد ایک لمبا عرصہ بیت جانے کے بعد (بقول ڈاکٹر نذیر احمد ۳۰ سال) حافظہ میں وہ حالات محفوظ نہیں رہے۔ اور پھر یہ کام بھی بڑا تھا، لہذا جالی نے اپنے تذکرے کو فقط ہندوستان کے غیر مشائخ کے حالات تک محدود رکھا۔

جالی نے کتاب کو ہمایوں بادشاہ کے نام معنون کیا ہے اس لیے اس کا سال ۹۳۸ھ کے بعد اور ۹۴۱ھ سے چلے ہونا چاہیے۔ ۹۴۲ھ میں جالی نے غنود اس دار فانی کو الوداع کہا ہے۔

تذکرہ کے خطی نسخے عام ہیں۔ پاکستان کے کتب خانوں میں سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری وغیرہ مولوی شفیع اور نیشنل میوزیم کراچی میں دستیاب

۱۔ اسپرنگر ص ۳۳۶-۳۳۷

۲۔ اردو ادب ص ۱۴۷

۳۔ بدایونی ۱ : ۳۲۵

۴۔ اردو ادب ص ۱۴۹

موجود ہیں۔

ایک مرتبہ یہ تذکرہ ۱۳۱۱ھ میں مطبع رضوی دہلوی ہاشم سید حسن شائع ہوا ہے۔ کتابی سائز کے ۱۴۴ صفحات پر محیط ہے۔

جالی سے منسوب آثار (۱)

جالی کی نثری تصنیف فقط سیرالعارفین موجود ہے۔ اگرچہ بدایونی نے لکھا ہے کہ علاوہ ازیں اور بھی جالی نے آثار چھوڑے ہیں۔
”وغیر ان نظم و نثر دیکر دارد“.....

دنیا کے کتب خانوں میں بعض ایسی کتابیں موجود ہیں جو جالی دہلوی کے نام سے فہرست نویسوں نے منسوب کر رکھی ہیں، مثلاً:

۱۔ بیان العقائقی احوال سید المرسلین

اس کتاب کا پہلا اور آخری قسم موجود ہے۔ دراصل اس کے سات قسم ہیں^۲۔ اس کے دو قسم جو ہنگال ایشیائیک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مصباح الارواح (۵۸۶۸)

(۲) شرح الواصلین (۵۸۷۶)

یہ کتاب حضور صلعم کی سوانح پر ہے اور آپ کے اقوال کی صوفیانہ شرح کی گئی ہے۔

۲۔ محبوب الصادقین

یہ پانچ مثنویوں کا مجموعہ اپریل لائبریری کلکتہ^۳ میں موجود ہے۔ بقیہ چار مثنویوں کے نام ہیں: مہر القلوب، فرصت نامہ، نصرت نامہ، قدرت نامہ۔

ان کتابوں کے مصنف کا نام جالی ہے اور اس نے اپنی ان کتابوں میں اپنی مصروف تصنیفات کے نام بھی کئے ہیں مثلاً

مصباح الارواح میں یہ نام ۵۷۱ کے تحت ہے

(۱) روح القدس

۱۔ بدایونی ۱: ۳۲۶

۲۔ ایوانوف شمارہ ۶۴۸ -

۳۔ ایوانوف ص ۲۸۳-۳۸۶ -

(۲) مرآة الفقر

(۳) معلومات

مصباح چونکہ ۸۶۸ میں لکھی گئی ہے۔ اس لیے ان کتابوں کا سال تصنیف ۸۶۸-۸۶۸ کے درمیان سمجھنا چاہیے۔

شرح الواصلین میں یہ نام آئے ہیں

(۴) احکام

(۵) نہایت

(۶) ہدایت

(۷) ہدایت

(۸) فتح الابواب

(۹) شکوہ

(۱۰) مسر افروز

شرح الواصلین کا سال تصنیف ۹۷۶ ہے اس لیے ان کتابوں کے سال تصنیف ۸۶۸-۹۷۶ کے درمیان ہونے چاہیے۔

اس طرح کہ ویش ۲۶ کے قریب کتابیں جالی کے نام پر منسوب ہیں اسپرنگر اور زخاؤ اور ایٹھے نے ان کتابوں کا مصنف جالی دہلوی کو قرار دیا ہے لیکن ایوانوف^۳ نے ان کتابوں کے مصنف کو جالی دہلوی سے مختلف جانا ہے کیونکہ :

(۱) سیرالعارفین والے جالی اور اس جالی کے افکار میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ جالی مذہب کا مفکر ہے۔

(۲) سیرالعارفین کا جالی سنی اور چشتیہ سمروردیہ سلسلے کا صوفی تھا اور ان کتابوں کا مصنف جالی مذہباً شیعہ ہے۔

(۳) ان کتابوں کا مصنف جالی اپنی کتابوں میں ایرانی مشائخ صوفیہ کا ذکر لاتا ہے، جبکہ جالی دہلوی مشائخ چشت کا نام لیتا ہے۔

(۴) ۸۶۶ اور ۸۷۶ کے درمیان جالی جبکہ جالی کی عمر ۸۰ برس شمار

۱ - اسپرنگر ص ۴۴۶ -

۲ - ہودلین ص ۷۸۷ -

۳ - ہنگالی ایشیائیک سوسائٹی ص ۲۸۴ -

کر کے اگر سال ولادت ۸۶۲ھ تسلیم کیا جائے تو فقط تین سال بنتی ہے یہ تصانیف کس طرح ان کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں۔

(۵) اخبارالاخیار میں ہے کہ جالی ابتدا میں جلالی تخلص کرتے تھے۔

اگر ہم بہت لمبی عمر شمار کر کے ۸۶۶-۸۷۶ھ میں نوعمر تسلیم کریں تو اس حالت میں ان کتابوں میں جالی کے بجائے جلالی تخلص ہونا چاہیے علاوہ ازیں تصوف اور مذہبی فلسفے پر اتنی دقیق کتابیں لکھنا ایک نو عمر لڑکے کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟

(۶) جالی اگر ہسٹار نویس تھے تو ۸۶۶-۸۷۶ھ کے دس برس میں تو ۲۶ کتابیں لکھیں اور بقیہ مایول عرصے میں فقط تین کتابیں لکھ سکے ، یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

در اصل تحقیق شدہ کتابیں فقط چار ہیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ منسوب شدہ کتابیں حقیقت میں جالی 'ردستانی کی ہیں جن کا سال وفات ۸۷۹ھ ہے اور پیر جمال کے نام سے مشہور اور معروف صوفی اور شیعہ مفکر ہو گزرے ہیں اور جن کے متعلق ریحانۃ الادب میں ہے :

”محمد سلق بہ جمال الدین از شعراء و عرفائے قرن ہم ہجرت کہ چند مشنوی
بنام روح القدس و شرح الواصلین و کشف الارواح ، کنز الدقائق و مہر
افروز داشتہ و یک دیوان و قصائد و غزلیات نیز بدو منسوب... و در سال
ہشت صد و ہفتاد و نہ ہجرت در گزشت.....“

تذکرہ روز روشن میں ان کا ایک شعر ہے اور لکھا ہے کہ..... در اکثر
علوم از ارباب کمال است ۲۔ دہخدا نے اس کو ، پیر شوریدہ جان ، صافی ضمیر اور
شیریں زبان لکھا ہے اور تصنیفات میں دیوان (چندہن ہزار بیت) کشف الارواح ،
شرح الواصلین ، روح القدس ، فتح الابواب ، مہر افروز ، کنز الدقائق ، تنبیہ
العارفین ، محبوب الصدیقین ، مفتاح الفقر ، مشکوٰۃ المحجین ، معلومات مشنویات ،
استقامت نا ، نور علی نور ، ناظرو منظور ، مراۃ الافراد کے نام لکھے ہیں۔ اس

۱۔ اس بحث کے لیے ایوانوف دیکھنا چاہیے ص ۲۸۳-۲۸۶ اور اردو ادب

۱۳۷-۱۵۰

۲۔ ریحانۃ الادب ۱ : ۲۸۳۔

۳۔ روز روشن ص ۱۵۳۔

جالی کے پیر کا نام پیر مرتضیٰ اردستانی لکھا ہے۔

اسی طرح ابن جالی اور اس کی کتابوں کا ذکر اور کتابوں میں بھی موجود ہے، مثلاً ریاض المعارفین (ص ۵۳)، الذریعہ (ج ۹)، ابن یوسف (مجلس ۵۴۵-۵۴۸) ساسی (ب ۱۵۸۰-ج ۱۸۳۱)، معصوم (۲: ۱۵۹) آذر (۱۷۵) دائرۃ المعارف فارسی (غلام حسین ۱: ۷۷۷)۔

۸۔ داستان مثنوی سحر و ماہ

مثنوی سحر و ماہ کی داستان کا اجالی خاکہ یہ ہے کہ شاہ بدخششاں کے یہاں

۱۔ لغت نامہ ص ۹۸۔

۲۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سجادی استاد دانش گاہ تہران نے اورینٹل کالج لاہور کے صد سالہ جشن (دسمبر ۱۹۷۲ء) میں ایک مقالہ بعنوان مصباح الارواح ”جالی دہاوی“ پڑھا ہے، جس میں وہی غلطی کی ہے جو اسپرنگر، زخاؤ اور ایتھے سے سرزد ہوئی ہے، یعنی مصباح الارواح جالی اردستانی کو جالی دہلوی کی تصنیف قرار دے کر مثنوی کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے کہ:

.....چون تعقیب کردم و بہ جستجو پرداختم، مصباح الارواح حامد بن فضل اللہ جالی دہلوی شاعر و عارف قرن نہم و اوائل قرن دہم ہجری را یافتہ کہ در ۵۸۶۸ سرودہ شد و خود مصنف در ۵۹۴۲ در گزشتہ است۔

ڈاکٹر سجادی کے سامنے پیرس کے نسخے کا عکس ہے (بلوٹھے ۱۷۵۷) جس کے اختتام پر کاتب نے لکھا ہے۔ ”رسائل مشہور و منظوم فضل اللہ جالی اردستانی دہلوی در گزشتہ ۹۰۱.....“ مضمون نکار نے افسوس ہے کہ مثنوی کو پڑھ کر اندرونی شہادتوں سے استفادہ نہیں کیا بلکہ نہایت سرسری استفادہ کی بنا پر اس کو جالی دہلوی کے نام جوڑ دیا ہے۔ اگر مصنف کی عمر ایک سو برس کی ہو تو وہی جالی دہاوی تصنیف کرتے وقت ۲۵ برس کی عمر کے ہوتے اور اس قسم کی مذہبی، اور عرفانی افکار کو نظم میں بیان کرنے کے لیے ۲۵ برس کی نوجوانی بہت کم ہے گویا اس مثنوی کو تصنیف کرنے (۵۸۶۸) کے بعد بھی ۷۵ برس (۵۹۴۲) جالی جیے ہیں۔

اولاد نہیں ہوتی تھی، وہ دعا طلبی کے لیے خدا رسیدہ بزرگوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ چنانچہ ان کے چاروں میں ایک بزرگ کا ہتھ چلا اور بادشاہ وزیروں کے ساتھ ان کی خدمت میں پہنچا اور مدعا بیان کیا۔ درویش نے بازگاہ خداوندی میں دعا کی اور بادشاہ کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ساء رکھا گیا۔

شہزادے ماہ نے سن بلوغ کو پہنچ کر ایک رات شہزادی سہر کی شبیہ خواب میں دیکھی اور ہزار جاں سے اس پر فدا ہو گیا۔ صبح ہی سے اس کی کیفیت دیگر گوں ہو گئی۔ آہ و زاری میں وقت بسر ہونے لگا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن شاہزادے نے کچھ نہ بتایا۔ مہرور ہو کر بادشاہ نے اس درویش کی طرف رجوع کیا۔ درویش نے غور و فکر کے بعد وزیر کو واقعہ بتایا اور شاہزادی سہر کے باپ بہرام بادشاہ کا نام اور اس کے دارالسلطنت مینا کا نشان ہتھ وغیرہ دیا۔ وزیر نے شاہزادے اور اپنے بیٹے عطارد جس کو شاہزادے کے ساتھ سہر کی تلاش میں جانا تھا، کامیابی اور خیر سلامتی کی درویش سے دعا طلب کی۔ درویش نے کامیابی کا یقین دلایا۔

بادشاہ نے ایک نقاش کو بلا کر شاہزادی سہر کے خد و حال کے مطابق جو درویش نے بتائے تھے اس سے ایک تصویر بنوائی۔ جب تصویر سامنے آئی تو شاہزادے نے دوئی کے اندیشے سے اسے چاک کر ڈالا۔

شاہزادہ ماہ، عطارد کی ہمراہی میں لاؤ لشکر لے کر اپنے گوہر مقصود کی تلاش میں نکلا۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر کشتیوں میں آگے روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک دن قیامت کا طوفان آیا کشتیاں الٹ پلٹ ہو گئیں۔ سارا قافلہ سمندر میں منتشر ہو گیا۔ شاہزادہ اتفاق سے ایک تختے کے سہارے بڑی مصیبتیں جھیلتا ہوا ساحل تک پہنچ گیا۔

خشکی پر چلتے چلتے ماہ کوہ قاف تک جا پہنچا، جہاں ایک مجذوب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ وہاں اچانک ایسی طوفانی بارش شروع ہو گئی کہ شہزادہ ماہ اس کے سیلاب میں بہ گیا۔

وزیر زادہ عطارد طوفان سے رہائی پا کر ایک ہولناک دشت میں پہنچا جہاں سرگرداں آوارہ پھرے پھراتے ایک قلعہ میں پہنچ گیا جس کا نام طربلوس تھا۔ قلعہ پر ایک دیو کا قبضہ تھا جس کی دہشت ناکیوں کے واقعات سن کر عطارد

کے حواس خطا ہو گئے۔ عطار د اس حالت میں حیران و پریشان تھا کہ اتنے میں شہزادہ ماہ بھی بھرتے بھرتے وہیں پہنچ گیا، مدتوں کے پھڑپھڑے ہوں اچانک ایک دوسرے سے مل گئے اور فی الحال اس خوشی میں ساری تکلفیں اور کفایتیں بھول گئے۔

طربلوس کے اس دیو کو آخر کار ماہ اور عطار د مل کر مار دیتے ہیں اور طربلوس ہر ماہ کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ شاہزادی مہر کے باپ بہرام کو جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے وزیر سعد اکبر کو ایسے بہادر کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ وزیر ماہ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اور واپس پہنچ کر اپنے بادشاہ بہرام سے اس کی بہادری اور حسن و جمال کے اوصاف بیان کیے۔ شاہزادی مہر جو بہ سن رہی تھی، وہ ماہ ہر ثانیہ عاشق ہو گئی۔

شاہزادی مہر کی بیقراری کا حال جب سعد اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے خادم شہاب کے ذریعے ماہ کو پیغام بھیجا۔ ماہ نے عطار د کو ساتھ لیا اور ایک خاص باغ میں پہنچ کر شاہزادی سے ملاقات کی۔ کیوان نامی ایک بد طینت مخبر نے یہ واقعہ دیکھ لیا اور بہرام تک اس کی اطلاع پہنچا دی۔ بہرام نے سعد اکبر کو سواخذہ کے لیے بلایا۔ ماہ وہاں سے اپنے ملک طربلوس چلا گیا۔

اس دوران میں روم کے بادشاہ اسد شاہ نے شہزادی مہر کے حسن و جمال کا شہرہ سنا اور اس پر عاشق ہو کر بہرام شاہ کو رشتہ کے لیے پیغام بھیجا۔ اور ساتھ ہی عدم کاسبی کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ بہرام شاہ رشتہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے شاہزادے ماہ سے مدد لے کر میدان جنگ میں آ گیا۔ حریف نے شاہزادے ماہ کے ہاتھوں شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔ غلامی کی مہر لگوا کر جان بخشی کرائی اور مطیع ہو گیا۔

اس فتح کے بعد بہرام شاہ نے شہزادی مہر کی شادی شاہزادے ماہ کے ساتھ کر دی۔ ماہ اپنی دلہن کو لے کر طربلوس چلا گیا۔

فصل بہار آنے کے ساتھ طربلوس میں شادی کے جشن منانے کی تیاریاں ہو گئیں۔ عین جشن کے دن خضر نے شاہزادہ ماہ کو ان کے والد کی وفات کی خبر دی۔ اس اچانک خبر نے شاہزادے کو اتنا صدمہ پہنچایا کہ شہزادہ وہیں بے ہوش ہو کر گرا اور دم دے دیا۔ شادی کا جشن ماتم میں تبدیل ہو گیا۔ عطار د نے

شاہزادے کو اسی باغ میں دفن کر دیا اور خود سوگ گرنے لگا۔

سہر کے لیے یہ قیامت تھی۔ چنانچہ صبح کی تاب نہ لا کر آخر چند روز کے بعد اس نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کر کے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ ماہ کی پہلی شقی ہوئی اور سہر اس کے آغوش میں چلی گئی۔ جب یہ حادثہ ہو گیا، اس وقت شاہزادے کے ساتھیوں کی دنیا تاریک ہو گئی۔ چنانچہ سب نے اسی باغ میں زندگی پر موت کو ترجیح دے دی۔

قصے کے عمومی خدو خال یہ ہیں۔ قصہ بظاہر عام روش کا ہے لیکن جالی نے اس میں تصوف کے رموز و نکات کے رنگ بھرے اور عشق مجازی میں عشق حقیقی کی نقش بندی کر کے ایک طرف قصہ کو باطنی کر دیا ہے اور دوسری طرف یعنی استادی کا کمال دکھایا ہے۔

۹۔ خاتمہ کلام

شیخ جالی دہلوی کے سلسلہ میں یہاں پاکستان میں جتنا کچھ مواد فراہم ہو سکا، میں نے اس کو پڑھ کر جالی کے سوانح اور آثار پر یہ صفحات مرتب کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہندوستان یا دنیا کے دوسرے کتب خانوں میں اور بھی ماخذ موجود ہوں جن کا نہ مجھ کو علم ہے اور نہ اس پر دسترس :
کار دنیا کسے تمام نہ کرد

آئندہ ممکن ہے جالی کے حالات میں اور بھی اضافہ ہو سکے اور ناممکن نہیں کہ زندگی کے کچھ نئے گوشوں سے پردہ اٹھے۔

ان اوراق کے بعد جالی کی کتاب 'سیر العارفین' کا اردو ترجمہ آپ کی نظر سے گزرنے والا ہے۔ یہ ترجمہ میرے دوست محمد ایوب قادری صاحب نے کیا ہے۔ بحیثیت مترجم انہیں سب ہی جانتے ہیں کہ وہ نہایت ہی مستند اور ترجمہ مطابق اصل کرنے والے دانشور ہیں۔ ان کا ترجمہ اہل تحقیق کو اصل کتاب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اردو میں اکثر تراجم غلط اور ناقص ہو رہے ہیں جو بجائے خود ایک المیہ ہے۔ محمد ایوب قادری صاحب نے اردو میں ترجمہ کا ایک خاص نہج پیدا کیا ہے۔ جسے ہر مترجم کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔

’سیرالعارفین‘ کے اس ترجمہ میں حسب دستور قادی صاحب نے منہد حواشی اور مستند اضافے کیے ہیں جس سے اصل کتاب کی قیمت اور قیمت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

مرکزی اردو بورڈ نے اگر اسی طرح تراجم کا سلسلہ جاری رکھا تو مجھے یقین ہے کہ اردو کا دامن کسی نہ کسی دن ان علمی خزانوں سے جو اردو والوں کی نظر سے پوشیدہ ہیں، مالا مال ہو جائے گا۔ مرکزی اردو بورڈ یقیناً اپنی اس قابل قدر خدمت کی وجہ سے مبارکباد کا مستحق ہے۔

حسام الدین راشدی

خیابان جمشید

$\frac{۳۶}{۵}$ عامل کالونی - ۲

کراچی - ۵

۵ جولائی ۱۹۷۵ء

سیرالعارفین مترجم

۵۱۳۹۵

۱ - "سیرالعارفین مترجم" سے ۵۱۳۹۵ برآمد ہوئے ہیں جو اردو ترجمہ کا سال ہے -
(محمد ایوب قادری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ مؤلف

وہ تعریف تکہ جو نیکی کے دروازے، عبادت کرنے والوں پر کھولتی ہے اور وہ شکر جو صحرائے طلب کے سرگشتہ لوگوں کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ خاص اس ذات واجب الوجود (باری تعالیٰ) کے لیے ہے کہ جس نے اپنی عنایت کے حوض کے آبِ زلال سے اصحاب نبوت و ولایت کے اجسام و ارواح کے باغ کو سیرھا اور اپنی بیماری و رازداری کے خلعت سے نوازا اور ان کے مزاج و فطرت کی کتاب کو

تخلّوا باخلاق اللہ اللہ کے لیے اخلاق پیدا کرو
کے حاشیے سے سنوارا۔ اور فرائض و نوافل کے قرب کے اعزاز کے نقش و نگار سے آراستہ کیا۔

سبحان اللہ عما یصفون۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں وہ بغیر کسی علت کے، معبود ہے اور وہ بغیر کسی قلت کے (ہر جگہ) موجود ہے اور تمام اعداد (مخلوق) کا رجوع اس کے نقطۂ احدیت کی جانب ہے اور تمام افراد کا حساب اس کے فرد ہونے کے ذکر میں ہے

الواحد الفرد الذی لا یحسب اوصافہ بنہایۃ الاعداد
وہ ایسا واحد و یکتا ہے کہ جس کے اوصاف کا حساب اعداد و شمار کی انتہا میں نہیں آسکتا ہے

فرد ولیکن لیس من افرادنا احد ولیکن لیس کلاحادنا
وہ یکتا ہے لیکن ہماری طرح یکتا نہیں اور ایک ہے لیکن ہمارے جیسا ایک نہیں ہے۔ انتہا، درود، ان حضرات محمود (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کہ جو ہر ملک، ہر ملک کے صاحبِ ناج سلطان ہیں اور شریع کے راستوں کے لیے دلیل انوار

شہد النجوم علی جلالت قدرہ
ستارے ان کی جلالت قدر کے
شاہد ہیں

نادی ملایکہ ہسبا منادیا
لایکہ نے آسمان میں منادی کی

کنت نبیا و آدم بن الماء والطين
میں اس وقت بھی نبی تھا جب
کہ آدم آب و گل میں تھے

ان کی نسبت کا نشان ہے
لی مع انہ وقت لا یسعی فیہ
میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ
ایک وقت خاص ہے

ملک مقرب ولا نبی مرسل
کہ جس میں کسی ملک مقرب اور
نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں

ان کی قربت کا بیان ہے۔ عرش اعظم ان کی قدر و منزلت کے آستانے کا فرش
ہے اور

قاب قوسین او ادنلی
دو کپانوں کے برابر یا اس سے
بھی کم ان کا نشان ہے

رسولے کہ عرش آمدش آستانہ و ما کان شمس ولا زہریرا
اور وہ ذات گرامی حضرت محمد ہیں ان پر ، ان کی آل ، ان کے
اصحاب سب پر اللہ کا درود و سلام ہو۔

اس کے بعد اہل اللہ کا معتقد حامد بن فضل اللہ ، جو بارگاہ خداوندی کا اسیدوار
ہے اور درویش ”جالی“ کے عرف سے معروف ہے (اور وہ) [۲] عارفان باللہ کے
راستوں کی خاک اور صاحبان نعمت کے خوانوں کا بھکاری ہے ، عرض کرتا ہے
کہ جب یہ احقر الانام (جالی) زمانہ دراز کے بعد اللہ کے کرم سے بیت اللہ ، روضہ رسول
الفلین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی زیارات اور زمین مغرب
(افریقہ) ، یمن ، بیت المقدس ، روم ، شام ، سیر بالخیبر ، عراق عرب ، عراق عجم ،
آذربائیجان ، گیلان ، مازندران اور خراسان کے سفر سے واپس ہوا اور ہندوستان کے

دارالخلافت یعنی شہر پر نور و سرور حضرت دہلی، اللہ اس کی بنیادوں کو مضبوط اور وہاں کے رہنے والوں کو محفوظ رکھے، پہنچا کہ جو مشہور مقام اور اس درویش (جالی) کا وطن مالوف ہے اور اہنا گندھک جیسا زرد چہرہ کہ جو مسافرت کی گرد سے آلودہ تھا، اپنے پر دستگیر حضرت سلطان المعقین برہان العارفین شیخ ساء الملت والدین کی فرحت افزا خاک ہاء سے ملا اور خدا تعالیٰ کی اس نعمت جاودانہ کا شکر ادا کیا جو حضرت (شیخ ساء الدین) کی معیت سے میری پریشان طبیعت کو سکون کی صورت میں حاصل ہوا۔ میں رات اور دن، ظاہر اور پوشیدہ جناب مخدومی (شیخ ساء الدین) کی خدمت میں حاضر رہتا اور حضرت کی برکتوں سے انوار سعادت حاصل کرتا۔

شعر

ز تائیر قبول صحبت پیر بمقبولی زمین و آسمان گیر
گمے ہم کسوتان را گشتہ رہبر گمے ہم صحبتان را روح پرور

میں بعض ارباب سیرت و اہل بصیرت کے روہرو کہ جو اہل اسلوب و قلوب تھے ان انبیاء و اولیاء کے مقامات باہرکات کا ذکر کرتا کہ جن کی اس احقر الانام (جالی) نے بیت المقدس اور شام وغیرہ میں زیارت کی تھی اور اہل اعتقاد و ارباب اتحاد سے کہ جو راہ دین کے سالک اور طریق یقین کے طالب ہیں، (واقعات) بیان کرتا اور (اس ذکر سے) ان ارباب اتحاد و اعتقاد کے قلوب کو سرور حضور (کی کیفیت) ہم پہنچاتا اور ان کی محبت و مؤدت کا بیج حاضرین کی زمین استعداد و اعتقاد میں ہوتا۔

اکثر اہل صدق و صفا نے جو سہر و وفا کے ساتھ راہ طلب میں درست و راست قدم رکھتے تھے نہایت عاجزی سے باہر ار مجھ سے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنی مسافرت کے دل چسپ حالات اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی باہرکت زیارات کی کیفیات کہ جن سے تم مشرف ہوئے ہو، ضبط تحریر میں لاؤ اور ان عارفانِ اہل ولایت اور عالی درجات کے احوال کہ جن کی زندگی میں ان سے ملے ہو اور ان کی باہرکت صحبت سے فیضیاب ہوئے ہو، قلم بند کرو تاکہ سچے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو نعمتِ اہدی اور برمدی حاصل ہو۔ اور حاضر و غائب کو پورا پورا حصہ ملے۔

میں نے کہا اے دہلی دوستو اور حقیقی محبوا! مجھے عزیزوں کی التماس قبول

ہے مگر یہ گفتگو کہ جس کا ذکر اذکار ہوتا ہے اور جس کو وہ چاہتے ہیں، ضبط تحریر میں نہیں آسکی کیونکہ اس سے لکھنے کے لیے بڑا وقت چاہیے تاکہ یہ سرگزشت مکمل ہو سکے لہذا مجھے متصور رکھیے لیکن میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ان عارفانِ اہل کمال کے حالات [۱] و واقعات اور اعمال و احوال و اقوال کہ جو ملک ہندوستان میں اللہ، اس کے سوا کو روشن فرمائے، صاحبِ کرامات گذرے ہیں، قلم بند کروں۔

بیت

گزردوم شان مثال بوستان جنت الہوی شدہ ہندوستان

اور ان بزرگانِ دین اور رہبرانِ طریق کی کرامات، مقامات اور درجات کو ضبط تحریر میں لاؤں۔ وجہ یہ ہے کہ ان بزرگانِ اہل کمال کے احوال، واقعات اور طریقوں کے متعلق بعض جاہل مجاور اور نااہل منتقد تاواہف عوام الناس سے مختلف خلاف واقعہ باتیں بیان کرتے ہیں (اور اپنی اس تحریر میں) ان سنیے والوں کو جو بغیر ثبوت کے سہوت ہو جاتے ہیں اور ان کی گفتگو پر اعتقاد کو لیتے ہیں، باز رکھوں۔ اور جو کچھ مجھے سنجیدہ و متین اہل اخبار اور دین و دانش کی ہاک کتاب سے یقینی طور سے معلوم و مفہوم ہوا ہے اس کو تحریر میں لاؤں۔

جب اہل الناس نے اس آحق الناس (جمالی) کی باتوں کو سنا تو نہایت رغبت اور خوش دلی سے قبول کیا اور اس کے اسبق وار ہوئے (اور کہا) کہ یہ بات بعض خدا تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے اس کو جلد لکھنا چاہیے تاکہ اس تحریر کی سیاہی کا سرمہ اہل بصیرت کی آنکھوں کے نور کو بڑھائے اس بنا پر جو کچھ مجھے معلوم تھا اور جو کچھ (بطور یادداشت) لکھ رکھا تھا اس سب کو (بصورتِ کتاب) تحریر میں لایا اور میں نے اس مجموعہ معرفت کا نام جو عارفانِ صاحبِ کمال کی صورت و سیرت اور احوال و اعمال پر مشتمل ہے۔ "میرا عارفین" رکھا تاکہ ذکر و اذکار کے ملاحظے کی برکت سے پڑھنے والوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب، نعمتِ عظیم اور دولتِ مستقیم حاصل ہو اور اس کتاب کے مؤلف (جمالی) کو ان نکات (معرفت) کے برکات سے خدا تعالیٰ دنیا و عقبیٰ میں نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ کہ یہ خوش انجام کتاب بہت دنوں میں بادشاہوں کی اعلیٰ جائے پناہ، عالم آب و گل کے سلطان، دین و دنیا کے عالم بردار، ملک و ملت کی

نہایتوں کو زینت دینے والے ، کائنات عالم میں یقینی طور سے شاہان عرب و عجم میں منتخب ، سر بلندی کی جنت میں مثل طویل اور صورت و معنی کے بادشاہ حضرت محمد ہمایوں بادشاہ غازی کے عہد سلطنت میں تکمیل کو پہنچی ، اللہ تعالیٰ ان کی سلطنت و مملکت کو قیامت تک مسلمانوں کے سروں پر قائم و دائم رکھے ،

مثنوی

ایں نور عوالم عجائب	یہنا کن حاضر است و غائب
الجبار وجود اہل حال ست	آثار شہود لا یزال ست
در عانہ دل چراغ نور است	نا قابل ازین چراغ دور است
آہا کہ ہنوز سر مجیب اند	ہنہا بسر اوقات غیب اند
آن لحظہ کہ در ظہور آیند	از ظلمت خود بنور آیند
چو دور دہد زمان ایشان	ایں نور فتد زبان ایشان [م]

سلطان المشائخ خواجہ معین الدین

حسن سجزی قدس سرہ

آل شہنشاہ جہان معرفت
خسرو ملک آفتاب تخت و تاج
عرق بحر عشق از صدق و صفا
کرده مرغ ہمتش ز اوج کمال
اختیار برج سہر لم یزل
آن معین الدین ملت بے نظیر
در ثنائے او جالی را چہ حد
ذات او بیرون ز ادراک و صفت
از خود و از غیر خود بے احتیاج
از خودی بیگانہ با حق آئینا
بیضہ افلاک را در زیر ہال
گوہر برج کمال بے بدل
فارغ از دنیا بملک دین امیر
فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ معدن تحقیق کے گوہر، دریائے تصدیق کے موتی، انوار معرفت کے آفتاب،
گزار مشیخت کے عرعر اور تخت سرمدی کے سرور تھے۔ ان کا اسم گرامی خواجہ
معین الملک و الدین محمد محبوب اللہ قدس سرہ ہے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے مشائخ
میں مشہور و معروف تھے اور بزرگوں کے حلقے میں اللہ کی صفات (عطائی) سے
موصوف تھے اور ہندوستان کے تمام قطب اور غوث، حضرت خواجہ بزرگ دہلوی کے حلقہ
ہمکوش تھے۔

ابتدائی حالات

وہ سجستان میں پیدا ہوئے اور شہر خراسان میں نشو و نما ہوئی۔ ان کے پدر

۱۔ سرد کوی۔

۲۔ حضرت خواجہ معین الدین اجدیریؒ کی تاریخ ولادت اور وصال میں خاصا
اختلاف ہے۔ وحید احمد مسعود مؤلف ”سوانح خواجہ معین الدین چشتی“
نے تمام مآخذ کو پیش نظر رکھ کر ۵۵۳ھ کو سال ولادت قرار دیا ہے
(ص ۷۵)۔

۳۔ حضرت خواجہؒ کے مولد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ وحید احمد مسعود
لکھتے ہیں ”حضرت والا کی جائے ولادت سیستانی سنجر تھا اور اسی پر اجتماع
بھی ہے۔ عربی دلائل حضرات کا سجستان کے اس قصبہ سنجر کو ”سجز“۔

بزرگوار خواجہ شہاب الدین حسن نہایت نیک طبیعت انسان تھے اور وہ انتہائی
 پرہیزگار شخص تھے۔ جب انہوں نے وفات پائی اور ملائے اعلیٰ کو کوچ فرمایا
 تو اس وقت خواجہ بزرگ کی عمر پندرہ سال کی تھی اور وہ ایک بن چکی اور
 باغ کے مالک تھے اور اسی سے بسر اوقات ہوئی تھی۔

ابراہیم قندوزی مجذوب سے ملاقات

وہیں ایک مجذوب تھے، ان کو ابراہیم قندوزی کہتے تھے۔ اتفاق سے ان کے
 باغ میں ان کا گزر ہوا، حضرت خواجہ بزرگ پیڑوں کو ہانی دے رہے تھے۔ انہوں نے
 دیکھا کہ درویش قندوزی آ رہے ہیں۔ وہ دوڑے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور
 درختوں کے سایے میں بٹھایا، انگوروں کا گچھا ان کے سامنے رکھ دیا اور خود
 دو زانو ہو کر ہا ادب ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ درویش ابراہیم قندوزی نے اپنی
 بغل سے تھوڑی سی کھلی نکالی۔ دانتوں سے چبائی اور اپنے منہ سے نکال کر
 اپنے ہاتھ سے حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دی۔ جیسے ہی انہوں نے وہ کھلی
 کھائی کہ ایک نور آن کے اندر روشن ہو گیا، پس ان کا دل پورے طور سے
 اسلاک اور گھر کی جانب سے ہٹ گیا۔

سمرقند و بخارا کا سفر اور عثمان پرونی سے ملاقات و بیعت

حضرت خواجہ نے دو تین روز کے بعد اسلاک و اسباب فروخت کر کے درویشوں
 میں تقسیم کر دیا اور مسافرت اختیار کی۔ وہ ایک زمانے تک سمرقند و بخارا میں رہے۔
 قرآن کریم حفظ کیا اور ظاہری علم پڑھا، پھر وہاں سے عراق عرب کی جانب رخ
 کیا۔ جب وہ قصبہ ہرون پہنچے کہ جو نیشاپور کے نواح میں ہے تو حضرت شیخ
 الشوخ غوث العالم عثمان پرونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً دو ڈھائی
 سال ان کی خدمت میں رہے۔ ریاضت و مجاہدہ میں سخت کوشش کی۔ جب وہاں کا

کہنا صحیح ہے لیکن تر کون نے سنجرستان کے اس قصبے کو ”ساجر“ کہا
 تو غلط نہیں کہا۔“ ص ۷۸۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو ”سیر الاقطاب“
 ص ۱۰۱، تاریخ فرشتہ ۲: ۷۷۵، اکبر نامہ ۲: ۱۵۸، علم و عمل (وقائع
 عبدالقادر خانی) ۲: ۸۹-۹۰۔ معین الارواح، ص ۹۔

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ۱: ۲۵۔

۲۔ بحیر المجالی (نظامی ایڈیشن) ص ۵۲۔

۳۔ حضرت خواجہ عثمان پرونی المتوفی ۶ شوال ۵۶۱ھ۔

کلمہ اقبال کو پہنچ گیا تو حضرت غوث العالم خواجہ عثمان قدس سرہ سے خرقہ ملافت حاصل کیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملاقات

وہاں سے رجعت ہوئے اور بغداد جانا چاہا۔ قصبہ "سنجار" آئے، اس زمانے میں شیخ نجم الدین گبرائیؒ وہاں تھے، ان سے ملے اور تقریباً ڈھائی مہینے ان کی صحبت میں رہے پھر وہاں سے قصبہ جیل آئے۔ حضرت شیخ المشائخ [۵] غوث الصمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانیؒ قدس سرہ سے ملے۔ حضرت اس زمانے میں قصبہ جیل میں تھے اور جیل ایک ہر فیض مقام ہے۔ وہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہ قصبہ کوہ جودی کی وادی میں واقع ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ٹھہری تھی، چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے :

وَالسَّيْفُ عَلَى الْجُودَى
اور وہ کوہ جودی پر ٹھہر گئی
یہ فقیر (جیلانی) بھی بغداد سے اس قصبے میں پہنچا ہے۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب سبحانی غوث الاعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ

۱۔ سین الاقطاب، ص ۱۰۲۔ وحید احمد مسعود کا خیال ہے کہ بیعت ۵۵۸ھ میں ہوئی۔ (سواخ خواجہ معین الدین چشتی ص ۸۸)، مؤلف معین الارواح کا خیال ہے۔ ۵۶۲ھ میں بیعت ہوئی (ص ۲۲)۔

۲۔ سنجار پہاڑی مقام ہے، موصل سے ڈھائی گھنٹے کا راستہ ہے (معین الارواح ص ۲۷) بزم صوفیہ (ص ۴۰) میں یہ مقام "سنجان" لکھا ہے۔
۳۔ ۶۔ جہادی اول ۶۱۰ھ کو شہید ہوئے۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ، ص ۴۳۔ ۹۶، خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۵۹۔ ۲۶۰، نفعات الانس، ص ۳۷۷، مناقب الاصفیاء، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔

۴۔ المتوفی ۵۶۱/۱۱۶۶ع۔

۵۔ خادم حسن مؤلف معین الارواح لکھتے ہیں کہ قصبہ جیل غلط ہے، قصبہ جیل صحیح ہے۔ یہ مقام جیل جودی البرز کی ایک چھوٹی پہاڑی ہے۔ یہ موصل سے ۳۵ میل اور بغداد سے براہ راست اس کا فاصلہ ۱۸۰ میل ہے اور براہ دجلہ دو سو میل ہے۔ فرشتہ (آردو ترجمہ ۲ : ۵۷۰) اور روضۃ الصفا نے بھی جیل جودی لکھا ہے (معین الارواح ص ۲۸)۔

نے اس قصبہ کی زمین کو خرید کر وقف علی الاولاد کر دیا ہے ، چنانچہ ان کی پاک طہنت اولاد اور سجادہ نشین اس قصبے میں رہتے ہیں اور حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر کا مقبرہ ، مطہرہ بغداد میں ہے اور بغداد ہے قصبہ جبل سات دن کی مسافت پر ہے ۔

حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے حضرت سلطان المشائخ محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر قدس سرہ سے ملاقات کی اور ستاون روز ان کی صحبت میں رہے اور طرح طرح کے علوم باطنی اور تسکین روحانی ان کی صحبت سے حاصل کیے ۔ چنانچہ اب بھی حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کا حجرۂ متبرکہ اسی مبارک مقام پر ہے اور لوگ اس کی مرمت کرتے رہتے ہیں ۔ یہ فقیر بھی اس جگہ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے اور وہاں دوکانہ بڑھ چکا ہے ۔

بغداد کا سفر

ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے بعد خواجہ معین الدین قدس سرہ بغداد آئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملتی و الدین کے پر حضرت شیخ المشائخ شیخ ضیاء الدین قدس سرہ سے ملاقات کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے ۔ اس زمانے میں شیخ اوحد الدین کرمانی بغداد میں سلوک کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے ۔ حضرت مولانا جلال الملتی و الدین صاحب مثنوی کے خلیفہ شیخ مسام الدین چلی سے منقول ہے کہ شیخ اوحد الدین کرمانی نے خرقہ خلافت شیخ المشائخ خواجہ معین الدین قدس سرہ سے حاصل کیا اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بھی ابتدائی زمانے میں حضرت خواجہ بزرگ کی صحبت میں رہے

۱۔ اقتباس الانوار ، ص ۱۳۴ اور مرآۃ الاسرار میں پنج ماہ اور ہفت روز لکھا ہے (معین الارواح ، ص ۲۹) ۔

۲۔ شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی غرہ محرم ۸۶۳۲/۱۲۳۴ع ۔

۳۔ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی (۸۴۹۰ تا ۸۵۶۲) ۔ ان کی کتاب آداب المریدین مشہور ہے ۔

۴۔ اوحد الدین کرمانی (ف ۸۶۳۴) کے لئے دیکھئے نفحات الانس ص ۳۸۶ - ۳۸۷ ، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۲۶۵ ۔

۵۔ مولانا جلال الدین رومی المتوفی ۸۶۷۲ ، نفحات الانس ص ۲۹۹ - ۳۰۲ ۔

۶۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۰۵ - ۳۰۶ ۔

اور درجہ کمال کو پہنچے ۔

ہمدان و تبریزی کا سفر

شیخ حسام الدین چلی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ المشائخ معین الدین بغداد سے ہمدان آئے اور شیخ یوسف ہمدانی سے ملے ، وہاں سے تبریزی کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے ہر حضرت شیخ المشائخ ابو سعید تبریزی سے ملے [۶] وہ ایک عالی ہمت مجدد اور متوکل بزرگ تھے ۔

حضرت سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین مجد ہمدانی سے منقول ہے کہ حضرت ابو سعید تبریزی کے ستر کامل مرید مثلاً شیخ جلال الدین تبریزی تھے ۔

ریاضت و فقر

حضرت سلطان المشائخ شیخ فرید الملت و الدین قدس سرہ سے روایت ہے اور وہ اپنے ہیں حضرت قطب الملت و الدین بختیار اوشی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ملک المشائخ و الاولیاء خواجہ معین الدین سجری سے ریاضت و مجاہدہ عجیب تھا ۔ سات روز کے بعد روٹی کے کناروں سے جن کی مقدار پانچ مثقال سے زیادہ نہ ہوتی تھی ، ہانی میں بھگو کر اطار کرتے تھے ۔

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین مجد ہمدانی سے منقول ہے کہ حضرت کا لباس دوہرا سلا ہوا بغل بند (دوتائی) ہوتا ، اگر کسی جگہ سے بھٹ جاتا تو پاک کپڑے کے ٹکڑے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہوتا ، سی لیتے اور اس میں پیوند لگا لیتے ۔ اوش سے جب اسپہان (اصفہان) آئے تو حضرت شیخ محمود اسپہانی سے جو بزرگ مشائخ میں سے تھے ، ملاقات کی ۔

اس زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین احمد ابن موسیٰ اوشی ، اوش میں تھے جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے اور وہ چاہتے تھے کہ شیخ محمود کے مرید ہو جائیں ۔ جب وہ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ سے ملے اور حضرت خواجہ

- ۱۔ بالاعتلاف روایت شیخ یوسف ہمدانی کا انتقال ۵۳۵ھ یا ۵۳۶ھ میں ہوا ہے (مسائل السالکین ۲: ۲۷۶ ، ذکرة العابدین ص ۱۰۶ - ۱۰۷ ، معین الارواح ص ۱۷) ۔ لہذا ممکن ہے کہ حضرت خواجہ نے ان کے مزار کی زیارت کی ہو ۔
- ۲۔ مہولت افغانی (ص ۱۹۳) کے مطابق یہ قصبہ مضافات بغداد سے ہے ۔ ایک قصبہ اوش ماوراء النہر میں ہے جو ہنشاں کے شمال میں ہے اور اصفہان سے اس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے (معین الارواح ص ۲۵ و ۳۱) ۔

کو دو تائی اورے ہوئے دیکھا تو شوق قلبی سے خواجہ صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مرید ہو گئے چنانچہ خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو وہ دو تائی مرحمت فرمائی اور قطب صاحب نے وفات کے وقت وہ دو تائی اپنے پیادہ نشین حضرت فرید الدین مسعود کو مرحمت کی۔

حضرت قطب صاحب کے وصال کے وقت شیخ فرید الدین وہاں موجود نہ تھے، اس وجہ سے شیخ محمد عطا خمید الدین لاہوری کو وصیت کی کہ یہ دو تائی شیخ فرید الدین کو سپرد کر دیں جو اس وقت ہانسی میں تھے۔ حضرت نظام الدین قدس سرہ فوائد القواد میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس پوند لکی ہوئی دو تائی کو دیکھا تھا۔ ممکن ہے کہ آخر میں وہ ان (نظام الدین اولیاءؒ) ہی کے پاس پہنچ گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خواجہ بزرگ، اللہ کے محبوب ہیں

سنا گیا ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے حضرت شیخ عثمان ہرونی قدس سرہ سے خرقہ (خلافت) پایا تو وہ باون (۵۲) سال کے تھے۔ خواجہ بزرگ خوب عبادت و ریاضت کرتے تھے اور آزاد پر تھے، تن تنہا سفر کرتے۔ جس جگہ پہنچتے اکثر قبرستان میں قیام کرتے۔ وہ روزانہ قرآن کریم ضرور ختم کرتے اور جس جگہ ان کی تھوڑی سی بھی شہرت ہو جاتی یا کوئی شخص ان کے حالات سے واقف ہو جاتا تو وہاں سے اس طرح سفر کرتے کہ کوئی شخص (ان کے حال سے) واقف نہ ہوتا چنانچہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی نے بارہا اپنی زبان مبارک سے ذکر کیا کہ ہمارا معین الدین، محبوب اللہ (اللہ کا محبوب) ہے اور ہم اس کی مریدی پر فخر کرتے ہیں [۷]۔ حضرت شیخ عثمان ہرونی کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ ان سے رخصت لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

شیخ عثمان ہرونیؒ کا آتش پرست کے بھی کو آگ سے لکالنا

کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ المشائخ شیخ عثمان قدس سرہ اس فرط محبت کی وجہ سے کہ جو وہ خواجہ بزرگ سے رکھتے تھے، اپنے مقام سے منتقل ہوئے۔ چند منزلوں کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے کہ جہاں آتش پرست رہتے تھے۔ انہوں نے اپنا آتش کدہ بنایا ہوا تھا جس کو وہ روشن رکھتے۔ اس کے اوپر اینٹوں کا ایک کنبہ بنا لیا تھا۔ تقریباً بیسی گاڑی ایندھن مقرر تھا جو وہ روزانہ اس

میں نکلتے تھے۔

جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو قصے سے کافی دور ایک درخت کے نیچے ٹھہرے۔ حضرت کے پاس ایک ملازم تھا جس کا نام فخرالدین تھا، اس کو انہوں نے بھیجا کہ کچھ آنا اور آگ لانے اور انظار کے ایسے روٹی تیار کرے۔ فخرالدین اس گاؤں میں پہنچا، اس نے کچھ آنا خریدا اور آگ کے لیے اس آتش کدہ پر پہنچا اور چاہا کہ کچھ آگ لے۔ وہاں بہت سے آتش ہرست تھے، آلوں نے اس کو آگ کے پاس نہ جانے دیا۔ خادم واپس آیا اور سب حال بیان کیا۔

حضرت شیخ جس درخت کے نزدیک ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں ہانی کا ایک چشمہ تھا۔ انہوں نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور اس آتش کدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ آتش کدہ کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ آتش ہرستوں کا پیر لکڑی کے ایک تخت پر بیٹھا ہوا آتش کدہ کی طرف متوجہ ہے اور ایک لڑکا جو تقریباً سات برس کا تھا اس کی گود میں ہے اور اس آتش ہرست کا نام بختیا تھا۔ جب حضرت شیخ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس آتش ہرست سے پوچھا کہ اس آگ کو کیوں ہو جتے ہو اور اس کے ہو جانے سے کیا فائدہ، خدا کی ہرستش کیوں نہیں کرتے کہ آگ کو اس نے پیدا کیا ہے؟ آتش ہرست نے جواب دیا کہ ہمارے دین میں آگ ایک عظیم وجود ہے پھر اس کو کیوں نہ ہو جائے؟ حضرت نے جواب دیا کہ اتنی عمر تک تم نے صدق دل سے آگ کی ہرستش کی کہ جو ایک اشارے میں ناپید ہو سکتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم ہاتھ، پاؤں اور منہ اس میں ڈالو اور وہ اس کو نہ جلانے۔ آتش ہرست نے جواب دیا کہ اس کا کام اور خاصیت جلا دینا ہے، یہ کس کی ہمت ہے کہ اس کے نزدیک جائے۔

جب حضرت شیخ نے آتش ہرست کا جواب سنا تو جو بچہ اس کی گود میں تھا اس کو کھینچ کر آگ کی طرف دوڑے۔ آتش ہرستوں نے رونا اور چلانا شروع کیا۔ انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا، کر آیت قلنسایا نار کوئی بردا و سلاماً ہم نے کہا کہ اے آگ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ پڑھی اور آتش کدہ میں داخل ہو گئے۔ تقریباً چار گھنٹے تک اس میں رہے،

۱۔ نسخہ اول میں اس کا نام موجود نہیں ہے (ص ۸)، آب کوثر (ص ۲۲۳) میں یہ نام مختار اور معین الارواح (ص ۲۱) میں مخیشا لکھا ہے۔

آگ کی گرمی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ وہ روئے پٹھنے کا شور مچتے تھے مگر اس جگہ سے بلٹے نہیں تھے۔ کئی ہزار آتش پرست اس آتش کدہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور شور مچاتے لگے۔

آتش پرستوں کا لبول اسلام

بہت دیر کے بعد وہ اس عظیم آتش کدہ سے باہر آئے۔ شیخ کے خرقے (گڈیوں) اور اس لباس کو جو وہ پہنے ہوئے تھا، دھواں بھی نہیں لگا۔ آتش پرستوں نے مجھے سے پوچھا کہ وہاں کیا حال تھا؟ اس مجھے نے جواب دیا کہ میں نے وہاں سوائے کھڑار [۸] کے کچھ نہیں دیکھا اور میں حضرت شیخ کے پاس تفریح کرتا رہا۔ جب آتش پرستوں نے مجھ سے یہ بات سنی اور حضرت شیخ کا یہ کرشمہ دیکھا تو یکبارگی سب نے اپنے سروں کو حضرت شیخ کے قدسوں پر رکھ دیا اور ان کے پیروں کی خاک ہرگز ہڑے اور ایمان لے آئے۔

حضرت شیخ نے ایک مدت تک وہاں قیام فرمایا اور اس بختیاری جو ان کا پر تھا تربیت فرمائی اور اس کا نام شیخ عبداللہ رکھا۔ چنانچہ شیخ عبداللہ اولیاء میں سے ہوا اور اس مجھ کا نام ابراہیم رکھا جس کو آتش کدے میں لے گئے تھے۔ وہ بھی اہل ولایت میں سے ہوا۔ ان لوگوں نے اس آتش کدے کو منہدم کر دیا اور وہاں ایک اچھی عمارت بنوائی۔ شیخ عبداللہ اور شیخ ابراہیم کے مقبرے وہیں ہیں وہ بہت متبرک اور بڑا قبرستان ہے۔ یہ فقیر (شیخ جامی) بھی وہاں پہنچا ہے اور تقریباً دو ہفتے وہاں رہا ہے، بہت سا فیض ان سے حاصل کیا۔ جب وہاں کے لوگوں سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ عثمان قدس سرہ اس جگہ دو ڈھائی سال رہے۔ چنانچہ ان کی خانقاہ اور حجرہ وہاں موجود ہے۔

تبریز و خرقان کا سفر

حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ تبریز سے مہینہ اور خرقان کی جانب آئے۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے اسی سال رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ (ابوسعید)

۱۔ گلزار ابرار (ص ۳۸) میں شیخ ابراہیم اور عبداللہ کو رازی (یعنی ساکن ریے

متصل طہران) لکھا ہے۔ دیکھئے فرشتہ (اردو) ۲ : ۵۴۳ - ۵۴۵،

مسالك السالكين ۲ : ۲۶۶ - ۲۶۷، معین الارواح ص ۱۹ - ۲۱۔

۲۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کا انتقال ۸۲۵ھ میں ہوا لہذا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔

نفعات الانس ص ۱۹۱۔

ابوالخیر مہینہ میں تھے ، ان کی زیارت کی^۱ - کہتے ہیں کہ حضرت شیخ مذکور (خواجہ بزرگ) تقریباً دو سال اس نواح میں رہے اور وہاں سے استرآباد تشریف لائے اور حضرت شیخ ناصرالدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے ، وہ ایک عالی مرتبہ اور کامل بزرگ تھے - ایک سو سات سال^۲ کی ان کی عمر تھی - حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اور حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے شیخ ناصرالدین کی صحبت پائی تھی اور وہ (-وہوں) شیخ مذکور کی مصاحبت اور محبت پر فخر کیا کرتے تھے اور شیخ ناصرالدین استرآبادی کا تعلق دو واسطوں سے حضرت سلطان العارفین شیخ طیفور بابزید بسطامی^۳ سے تھا چنانچہ میں (شیخ جامی) نے بھی ان مشائخ کی (قبور کی) زیارت کی ہے اور اپنا زرد چہرہ ان کے آستانے کی خاک پر ملا ہے - حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ حضرت ناصرالملت و الدین قدس سرہ کی صحبت سے مشرف ہونے کے بعد استرآباد سے ہری (ہرات) کی جانب روانہ ہوئے اور ایک مدت تک اس نواح میں رہے - حضرت کی عادت تھی کہ ایک جگہ کم قیام کرتے تھے ، روانہ سیر کرتے اور اکثر حضرت شیخ عبداللہ انصاری^۴ کے مقبرے میں رات گزارتے - ایک درویش کے علاوہ کوئی اور شخص ان کی خدمت میں نہیں رہتا تھا - اغلب یہ ہے کہ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے اور برابر سیر (الی اللہ) میں رہتے -

خواجہ بزرگ کے دست مبارک پر یادگار عہد، حاکم سبزواری کی توبہ

جب وہاں زیادہ شہرت ہو گئی اور یکبارگی خدا کی مخلوق ان کی طرف متوجہ ہوئی تو حضرت سبزواری چلے آئے - وہاں عہد یادگارہ نامی ایک حاکم تھا جو درشت مزاج ، کشیف طبیعت ، فاسق اور رفص میں مشہور [۹] تھا - جناب رسول کریم

۱ - شیخ ابوسعید ابوالخیر کا انتقال ۵۴۴ھ میں ہوا (نفحات الانس ص ۱۹۶) متن میں ”اور دریافت“ لکھا ہے - نسخہ اول میں اس کا ترجمہ ”ملاقات کی“ کیا گیا ہے -

۲ - نسخہ اول میں ایک سو ستائیس سال لکھا ہے (ص ۹) دیکھیے معین الارواح ص ۱۸ و مسالک السالکین ۲ : ۲۷۲ -

۳ - بابزید بسطامی ، انتقال ۱۵ شعبان ۵۲۶ھ -

۴ - شیخ عبداللہ انصاری ، انتقال ۵۴۸۱ھ -

۵ - آگے ”یادگار عہد“ لکھا ہے -

صلى الله عليه وسلم کے اصحاب کو برا کہتا اور جس کسی کا نام ابوبکرؓ، عمروؓ اور عثمانؓ نہ پڑتا، ان کو سخت تکلیف پہنچانا اور ان کی بربادی کے درپے ہو جاتا۔ شمر کے نزدیک اس کا ایک باغ تھا، وہاں اس نے ایک راحت افزا حوض اور پرتکلف نہایت بڑائی قوی۔ حب وہ اس جگہ آتا تو شراب اور عیاشیوں میں مشغول ہوتا۔

حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ جب سبزوار آئے تو پہلے ہی دن اس باغ میں داخل ہوئے اور اسی حوض میں غسل کیا جو اس باغ میں تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق سے اسی روز یادگار محمد اس باغ کی طرف منوجہ ہوا۔ اس درویش نے جو حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ کے ساتھ تھا، شیخ سے عرض کیا کہ اس کے فراش، باغ میں آ گئے ہیں، ان کے بعد وہ بھی آئے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اس باغ سے باہر نکل آئیں کہ وہ ایک قوم اور عالم مختص ہے۔ حضرت شیخ نے اس کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی اور اس سے فرمایا کہ اس سرو کے سایے میں بیٹھ جاؤ جو حوض کے قریب ہے۔

اسی اثنا میں یادگار محمد کے فراش آ گئے اور انہوں نے اس کا خاص غالیچہ حوض کے کنارے بٹھا دیا اور شیخ کی دہشت اور بزرگی کی وجہ سے وہ ان کو وہاں سے نہ اٹھا سکے اور نہ منع کر سکے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد آ گیا۔ حضرت شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت کی، جب اس کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کے چہرے کا رنگہ متغیر ہو گیا۔ حضرت شیخ کی بزرگی و شان کی وجہ سے اس کے تمام مصاحبوں اور ہم نشینوں پر دہشت چھا گئی اور اس نے لرزاں و دسماں غالیچہ کو دور پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کی طرف نیز نظروں سے دیکھا، وہ ذرا سی دیر میں بے غلاف ہو گیا اور گر پڑا۔ جب حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا تو سب نے زمین پر سر رکھ دیے۔ حضرت شیخ نے اپنے درویش سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی حوض سے لے اور اس کے چہرے پر چھڑک۔ درویش مذکور نے شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، کچھ دیر کے بعد یادگار محمد نو ہوش آیا، اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تو نے توبہ کی؟ اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ میں نے توبہ کی، پھر حضرت نے فرمایا کہ وہ برا عقیدہ (رفض) جو رکھتا تھا اس کو چھوڑ دیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا کہ یکبارگی ڈر گیا، کانپا اور بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ معین الدین نے فرمایا کہ وہ وضو کرے اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مرید ہو گیا۔ اس کے تمام مصاحبوں نے بھی اسی طرح توبہ کی۔

کہتے ہیں کہ جس روز یادگارِ محمد نے توبہ کی اور بیعت سے مشرف ہوا، تمام سامان اور نقدی جو اس کی ملکیت میں تھا، حضرت کی نذر کر دیا۔ [۱۰] حضرت شیخ نے فرمایا کہ تمام دشمنوں کو خوش کرے اور جس کسی سے جو کچھ ظلم و تشدد سے حاصل کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استغفار و دوام عطا فرمائے اور تجھ پر رحمت کی نظر کرے۔

یادگارِ محمد مذکور نے ایسا ہی کیا جیسا کہ حضرت شیخ کا حکم تھا، تمام کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ لٹے سے متعلق دیکھا، وہ بھی ان کو بخش دیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں، دونوں کو طلاق دے دی اور دل و جان حضرت شیخ کی محبت و آلفت و اتحاد و اعتقاد کی نذر کر دیے اور وہ اصلانِ حق سے ہوا۔ میں (شیخ جامی) نے یہ حکایت محمد نجفی سے اس وقت سنی جب اس فقیر کا گزر شہر ہری (ہرات) سے سبزوار میں ہوا۔

محمد نجفی سبزوار کے بزرگوں میں سے تھے اور صلاح و تقویٰ میں مشہور تھے۔ اس کے بعد حضرت معین الدین قدس سرہ سبزوار سے حصارِ شادمان آئے۔ محمد یادگار بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کو اسی مقام پر مقرر کر دیا۔ چنانچہ یادگارِ محمد کا مزار حصارِ شادمان میں ہے۔^۲

خواجہ بزرگ اور حکیم ضیاء الدین بلخی

حضرت خواجہ وہاں سے بلخ آئے اور حضرت شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا حکیم ضیاء الدین بلخی تھے^۳۔ مولانا مذکور کو علم تصوف پر بالکل اعتقاد و اعتقاد نہ تھا۔ چنانچہ وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ علم تصوف ہڈیاں ہے کہ جو تپ زدہ اور مسلوب العقل بکا کرتے ہیں اور وہ (حکیم بلخی) مطلق اہل تصوف و معرفت پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اور

۱ - ملاحظہ ہو معین الارواح ص ۳۶ - ۳۸ -

۲ - حصارِ شادمان متصل بلخ بسمت شمال و مشرق واقع ہے (معین الارواح ص ۵۰)

۳ - گلزارِ ابرار (ص ۳۴) ضیاء الدین حامد لکھا ہے -

اس نیک بخت گروہ کے حق میں سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتے تھے۔ بلخ کے نواح میں ایک گاؤں تھا، وہیں ان کا مدرسہ اور باغ تھا، وہ زیادہ تر وہیں رہتے تھے۔ کبان، چقاق اور نمک دان ساتھ رکھتے تھے۔ ان کا خادم ان چیزوں کو لیے رہتا۔ جس وقت آبادی سے جنگل کی طرف ان کا گزر ہوتا تو وہ شکار کرتے اور اس سے روزہ افطار کرتے۔

اتفاق سے حضرت خواجہ کا گزر اس گاؤں میں ہوا جہاں حکیم ضیاء الدین درس دیتے تھے۔ وہاں تیر سے ایک کلنگ کو مارا اور چاہا کہ اس کے کباب بنائیں اور کام میں لائیں۔ حضرت نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا اور خادم کو حکم دیا کہ آگ جلانے اور کباب تیار کرے، خود نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق سے مولانا حکیم ضیاء الدین کا اس طرف سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہیں اور ان کا خادم کلنگ کے کباب بنا رہا ہے۔ مولانا مذکور بھوکے تھے، انہوں نے چاہا کہ کچھ دیر اس درخت کے نیچے کہ جہاں حضرت زبدۃ المشائخ مشغول (عبادت) تھے، قیام کریں اور کباب میں سے چند لقمے کھائیں۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم ضیاء الدین کی یہ مجال [۱۱] نہ تھی کہ ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھیں لیکن تکلف سے انہوں نے اپنے کو باز رکھا۔ سلام کیا اور ان کے سامنے بیٹھ گئے، اسی وقت حضرت زبدۃ المشائخ کے خادم نے کباب پیش کیا۔ حضرت شیخ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمائی اور اس کلنگ کی ایک ران علیحدہ کی اور مولانا ضیاء الدین حکیم کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران میں سے کچھ گوشت کاٹا اور خود تناول فرمایا۔ مولانا ضیاء الدین نے جب اس کباب میں سے ایک لقمہ اٹھایا اور کھایا تو فوراً اس لقمے کے اثر سے ان کے سینے میں ظلمت فلسفیانہ کا جو رنگ تھا، اس کی جگہ اسرار معرفت کے انوار رونما ہو گئے۔ چنانچہ مولانا مذکور اس نور کے ظاہر ہونے کے بعد از خود رفته ہو گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت زبدۃ المشائخ نے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈال دیا جس سے مولانا ہوش میں آ گئے۔

مولانا ظہیر الدین بلخی سے سنا گیا ہے کہ جب مولانا ضیاء الدین کو اسرار وحدت کے انوار کی روشنی حاصل ہو گئی تو انہوں نے اپنا تمام فلسفیانہ کتب خانہ دریا میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو دنیاوی ساز و سامان سے آزاد کر لیا اور ان کے مرید ہو گئے اور ان کے تمام شاگرد بھی حضرت خواجہ بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولانا ضیاء الدین کو اس جگہ متعین کر دیا اور خود غزنی کی

طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں حضرت شمس العارفین عبدالواحد سے ملاقات کی جو حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر تھے۔

لاہور میں شیخ حسین زنجانی سے ملاقات

وہاں سے شہر لاہور آئے۔ حضرت شیخ المشائخ شیخ پیر علی ہجویری کمدجن کا قول ہے :

الفقیہ عندی من لا قلب له ، میرے نزدیک فقیر وہ ہے کہ جس کا نہ کوئی دل ہو اور نہ اس کو کسی چیز کی حاجت ہو۔

اسی سال انتقال فرما گئے تھے لیکن حضرت المشائخ حسین زنجانی کہ جو حضرت شیخ سعد الدین حمید کے پیر ہیں ، زندہ تھے۔ حضرت زبدة المشائخ و الاولیاء معین الحق و الدین اور حضرت شیخ المشائخ شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان بے انتہا محبت و اتحاد ہو گیا۔

- ۱۔ ملاحظہ ہو معین الارواح ص ۵۰، گزار ابرار ص ۳۴-۳۵، مسالک السالکین ۲ : ۱۷۶، وقائع شاہ معین الدین چشتی ص ۱۵، احسن السیر ص ۱۳۷-۱۳۸۔
- ۲۔ ”ہم در آن سال از دار فنا رحلت نموده بود“ یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت علی ہجویری کا سال انتقال ۵۴۶ھ تا ۵۴۹ھ میں ہوا۔ ملاحظہ ہو کشف المحجوب (اردو ترجمہ علامہ ابوالحسنات قادری) مقدمہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص ۵۹۔
- ۳۔ ملاحظہ ہو آئین اکبری ۲ : ۲۰۷، گزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۶، ۲۵، شاہجہاں نامہ (محمد صالح کتبہ) ۱ : ۵۰۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ حضرت خواجہ کا ورود لاہور ۵۸۷ھ تا ۵۸۸ھ ہوا (وحید احمد مسعود ص ۷۱، تاریخ السلف ص ۸، ۹، کشف المحجوب (اردو) مقدمہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ص ۵۱-۵۲)۔ اب کوثر کے مولف شیخ محمد اکرام نے قاضی تولک ملقب بہ معین الدین کو خواجہ معین الدین اجمیری سمجھ کر سلطان محمد غوری کے لشکر میں شامل کر دیا، حالانکہ فارسی کی عبارت بہت واضح ہے مگر معلوم نہیں شیخ صاحب نے کس طرح سے یہ بات لکھ دی۔ دیکھیے اب کوثر ص ۲۱۶ اور طبقات ناصری (منہاج سراج، مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی) ص ۳۴-۳۵ نیز دیکھیے سیر الاولیاء ص ۳۵ و اخبار الاخیار ص ۲۲۔

اُسی زمانے میں سلطان معز الدین محمد سام دہلی کو فتح کر چکا تھا اور اس نے اپنے خاص غلام سلطان قطب الدین ایبک کو دارالخلافہ دہلی میں چھوڑ دیا تھا ، وہ خود غزنی کی طرف لوٹ گیا تھا ۔ اثناء راہ میں اس نے انتقال کیا [۱۰]۔

ورودِ دہلی

حضرت زبدة المشائخ معین الحق و الدین قدس سرہ حضرت شیخ حسین زنجانی سے رخصت نے کر دارالخلافہ دہلی کی طرف متوجہ ہوئے ۔ جب وہ اس مبارک مقام (دہلی) پر پہنچے ، چند سہانے آنہوں نے آرام کیا ۔ ان کا متبرک حجرہ اس جگہ پر تھا کہ جہاں آج کل شیخ رشید مکی کی قبر ہے ۔ اب بھی ان کی مسجد کے آثار میں سے ایک محراب قائم ہے ۔

اجمیر

جب خاص و عام کا ازدحام [۱۲] ان کے پاس زیادہ ہوا تو دہلی سے شہر اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے ۔ اگرچہ اس متبرک مقام پر اسلام کی رونق قائم ہو چکی تھی لیکن بدبخت کفار کا غلبہ وہاں سے ایک درنگ کے فاصلے پر قائم تھا ۔ سلطان قطب الدین ایبک نے سید السادات حسین شہیدی کو اس مقام کی داروغگی سپرد کی ۔ وہ تنہا میں دفن ہیں ؟ اور شہید ہوئے ہیں ۔ سید مذکور نے (حضرت خواجہ کی) آمد کو غنیمت سمجھا ، وہ ان کی صحبت میں رہے ۔ اس علاقے کے بہت سے مشہور کفار اس خلاصہ اہرار (حضرت خواجہ بزرگ) کی برکت سے ایمان سے مشرف ہوئے اور بہت سوں نے جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا ، ان کے حضور میں بے حد و شمار نذرین بھیجیں اور اس وقت تک وہ کفار اسی طریقے سے معتقد ہیں ۔ ہر سال

۱ ۔ نسخہ اول میں یہ پورا پیرا گراف نہیں ہے (ص ۱۲) ۔

۲ ۔ مولوی عبدالقادر رام پوری نے گڑھ ہٹھلی لکھا ہے ۔ معین الارواح (ص ۴۹) میں ہٹھلی ، سیرالاقطاب (ص ۱۳۵) میں ہٹھلی لکھا ہے ۔ بعض نے ہٹھلی لکھا ہے ۔ مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ تارا گڑھ کا دوسرا نام ہے ۔ سید حسین ، ان کے عہد اور ان کے مزار و کتبات کے لیے دیکھیے :

(۱) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ۲ : ۳۳ ، ۱۰۸ ۔

(۲) معین الارواح ص ۵۳ ۔

(۳) احسن السیر ص ۱۱۳ - ۱۱۶ ۔

(۴) اکبر نامہ ۲ : ۳۶۵ ۔

(اجمیر) آئے ہیں اور اس عالی مرتبہ اور بزرگ شیخ کے آستانے پر اپنا سر رکھتے ہیں اور کافی رقوم روضہ مطہرہ کے مجاوروں کے پاس بھیجتے ہیں اور خدمت بجا لاتے ہیں۔

ایسا سنا گیا ہے کہ سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں دو مرتبہ خواجہ بزرگ دارالخلافت دہلی تشریف لے گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ واقعہ حضرت سلطان المشائخ شیخ قطب الدین احمد بختیار اوشی کے ذکر میں تحریر کیا جائے گا۔

صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ

دوسرے خلفاء مثلاً شیخ المشائخ سلطان التارکین فقیر حمید الدین صوفی سوالی کا ذکر جو ناگوری میں مدفون ہیں، حضرت شیخ نظام الملت و الدین سے اس طرح منقول ہے کہ وہ بڑے تارک تھے اور موضع سوال میں رہتے تھے کہ جو اجمیر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ وہ ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے۔ وہ نہایت خوبصورت تھے۔ چنانچہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی فریفتہ ہو جاتی تھی۔ جب انہوں نے حضرت معین الملت و الدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے۔ توبہ کر لینے کے بعد ان کی ہم نشینوں نے پھر فسی و فجور کی طرف بلایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کی حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں۔ انہوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یکبارگی ترک و تجرید اختیار کر لی اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا فقراء کو دے دیا۔ تقریباً دس جرب زمین دریا کے کنارے تھی جسے وہ کسیوں (پھاوڑوں) سے کھودتے تھے اور سبزی بو دیتے تھے اور ہر سال

- ۱۔ تاریخ فرشتہ ۲ : ۳۷۷۔
- ۲۔ شیخ حمید الدین سوالی ناگوری المتوفی ۲۹ ربیع الثانی ۷۶۷ھ/۱۲۷۳ع۔ مگر سلطان التارکین (سواخ عمری صوفی حمید الدین ناگوری) کے سواغ نے سال انتقال ۷۶۷ھ لکھا ہے (ص ۱۲۹)۔
- تفصیل کے لیے دیکھئے :
- (۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۷۰، ۱۷۱۔
- (۲) نزہۃ الخواطر (جلد اول) ص ۱۳۵، ۱۳۶۔
- (۳) اخبار الاخیار ص ۳۵ - ۳۷۔
- (۴) ممرات القدس، ۸ الف۔

اسی پر قناعت کرتے تھے۔ گذری پہنتے تھے، دوسرے لباس کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نذرانہ و شکرانہ قبول نہیں کرتے تھے۔
 ان کی زوجہ خدیجہ نامی تھیں جو زید میں رابعہ، عصر تھیں۔ ایک ہفتے کے بعد نیم کے ہتے سے ایک بار افطار کرتیں۔ ایک فقیر نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض مشائخ زندگی میں بڑی شہرت حاصل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا اور بعض مرنے کے بعد خاص و عام میں شہرت پاتے ہیں [۱۳] انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اپنی زندگی میں شہرت کا کوشاں ہے خداوند کریم اس کے مرنے کے بعد اس کے نام و نشان کو پوشیدہ کر دیتا ہے اور جو شخص اپنی زندگی میں اپنے کو پوشیدہ رکھتا ہے، اس کا ذکر خیر مرنے کے بعد مشرق سے مغرب تک مشہور ہو جاتا ہے۔

ایک ہندو کا لبول اسلام

حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہے کہ اجمیر کے نواح میں ایک ہندو تھا۔ حضرت شیخ ہمیشہ اس کے متعلق فرماتے کہ یہ مرد صاحب نعمت اور ولی خدا ہے۔ لوگ منجیر ہوتے تھے کہ حضرت خاص کافر کو خدا کا ولی کہتے ہیں۔ آخر کار وہ ہندو، مسلمان ہو گیا اور اولیاء اللہ میں سے ہوا۔

حمید الدین صوفی ناگوری اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کا مذاکرہ

یہ بھی سنا گیا ہے کہ دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صوفی نے حضرت جلال الدین پر ایک تہمت لگائی اور ایک محضر تیار کیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ذکر میں النشاء اللہ تحریر کی جائے گی۔ مختصر یہ کہ اس محضر میں بڑے بڑے مشائخ حاضر تھے، حضرت سلطان المشائخ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا بھی موجود تھے۔ شیخ حمید الدین صوفیؒ نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے سوال کیا کہ اے مخدوم! اس میں کیا حکمت ہے کہ جس جگہ لوگ مال رکھتے ہیں وہاں سانپ بھی اپنا مسکن بنا لیتے ہیں، جیسا کہ مشہور ہے کہ خزانہ سانپ کے ساتھ ہوتا ہے اور بھول (گلاب) کانٹے کے ساتھ۔ سانپ اور مال میں نہ صوری مناسبت ہے اور نہ معنوی، ان دونوں کی وھراہی کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ نے

جواب دیا کہ اگرچہ صورت کی مناسبت نہیں ہے لیکن معنوی مناسبت ہے کیونکہ زہر کی وجہ سے سانپ مہلک ہے اور مال بھی اکثر لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ شیخ حمید نے کہا بس مال بھی سانپ کی تعریف میں آتا ہے لہذا جس نے مال کو محفوظ کیا حقیقت میں سانپ کو محفوظ کیا، شیخ حمید مذکور نے یہ بات حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے متعلق کہی کیونکہ ان کے یہاں دنیا (کا مال و اسباب) تھا۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ مال اگرچہ مثل سانپ کے ہے لیکن جو شخص سانپ کا منتر جانتا ہے سانپ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔ پھر شیخ حمید نے جواب دیا کہ کیا ضروری ہے کہ ایک پلید زہر والے جانور کو محفوظ کیا جائے اور اس کے منتر کا محتاج رہے۔

حضرت شیخ الاسلام بہاء العلت والدین نے جب شیخ حمید الدین کا مقدمہ مضبوط دیکھا تو سمجھے کہ حمید الدین صوفی کا سوال صرف سمجھ پر عائد نہیں ہوتا بلکہ میرے پیر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سمرودی قدس سرہ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ انہوں نے فوراً مراقبہ کیا، حضرت شیخ شہاب الدین کی روح کو حاضر پایا، گویا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اے بہاء الدین! سلطان التارکین حمید الدین صرف چشتی سے [۱۴] کہو کہ تمہاری درویشی کا حسن و جمال ایسا نہیں ہے کہ اس کو نظر لگ جائے لیکن ہماری درویشی کا جمال اتنا کامل ہے کہ اگر تھوڑی سی سیاہی اس کے چہرے پر نہ لگائیں تو نظر لگ جائے گا احتمال ہے۔ جب حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے یہ جواب دیا [تو انہوں نے پھر جواب میں کہا کہ تمہارا حسن صفاقی ہے، ذاتی نہیں ہے۔ جمال ذاتی کو کبھی نظر نہیں لگتی۔ جب سلطان التارکین کا یہ جواب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے سنا تو وہ خاموش ہو گئے]۔

بدر الدین موئنہ دوز خجندی

وہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کے جوار پر انوار میں دفن ہیں۔ وہ ایک بزرگ اور صاحب کشف و کرامات شخص تھے اور زیادہ تر حضرت شیخ

۱۔ نسخہ اول میں قوسین کی عبارت حذف ہے (ص ۱۴)۔

۲۔ سیر العارفین (نسخہ کراچی میوزیم ورق ۱۰ الف) میں صراحت ہے کہ شیخ بدر الدین محمود موئنہ دوز حضرت خواجہ اجمیری کے خلیفہ تھے۔ یہ جملہ مطبوعہ متن میں حذف ہے۔ شیخ بدر الدین محمود موئنہ دوز، قاضی۔

مشائخ خواجہ قطب الدین کی مصاحبت میں رہتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الہی سے منقول ہے کہ جس کسی کا غلام بھاگ جاتا تو وہ شیخ محمود سونٹہ دوز کے پاس آتا اور غلام کے بھاگنے کی صورت حال ان کے سامنے پیش کرتا۔ وہ کچھ غور کرنے کے بعد فرماتے کہ جاؤ فلاں وقت اس کو پاؤ گے لیکن جب بھاگا ہوا غلام مل جائے تو ہم کو خبر کر دینا تاکہ اس کا بوجھ ہمارے دل سے اتر جائے۔ مخلوق بھی (غلام) مل جائے کے بعد خبر کر دیتی تھی۔

ایک دن ایک شخص ان کے سامنے آیا اور عرض کیا کہ حضور میرا ایک غلام بھاگ گیا ہے، دعا فرمائیے کہ مل جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ فلاں وقت مل جائے گا اور جب وہ تمہیں مل جائے تو مجھے خبر کر دینا۔ اس نے کہا کہ ایسا ہی کروں گا۔ خدا کے حکم ہے۔ اسی وقت پر وہ غلام مل گیا جیسا کہ حضرت شیخ نے فرمایا تھا لیکن اس نے حضرت شیخ کو خبر نہیں کی کہ غلام مجھے مل گیا ہے۔ اتفاق کی بات کہ دو تین روز کے بعد وہ غلام پھر بھاگ گیا۔ غلام کا آقا پھر شیخ کے پاس آیا اور صورت حال بیان کی کہ وہ (غلام) مجھے مل گیا تھا مگر پھر بھاگ گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ نو نے مجھے اس کے ملنے کی خبر نہیں دی، اب وہ تجھے نہیں ملے گا۔ ایسا ہی ہوا۔

خواجہ بزرگ کی اولاد کا بیان

جس زمانے میں کہ یہ فقیر (جالی) حضرت خواجہ بزرگ کے مزار متبرک کی زیارت سے مشرف ہوا، اس وقت حضرت کی اولاد میں شیخ المشائخ شیخ بایزید سجادہ نشین تھے، وہ بڑے اور عظیم الشان شیخ گزرے ہیں۔ سید شمس الدین طاہر نے کہ جن کی عمر ایک سو پچاس سال کی تھی، حضرت شیخ بایزید مذکور سے خرقہ

حمید الدین ناگوری کے مرید اور خواجہ قطب الدین کاکی کے معتقد و مصاحب تھے۔ بقول مؤلف مزارات اولیائے دہلی ۶۵۵ھ اور بقول مؤلف خزینۃ الاصفیاء (ج ۱، ص ۲۸۵) ۶۵۷ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو:

- (۱) اخبار الاخیار ص ۵۶۔
- (۲) جواہر فریدی ص ۱۶۸۔
- (۳) مزارات اولیائے دہلی ص ۱۰۰۔

خلالت پایا۔ وہ شیخ المشائخ شیخ نور کے مرید تھے کہ جو بنکالہ میں مدفون ہیں۔

سید شمس الدین کو حضرت ملک المشائخ والاولیاء سماء الحق والدین قدس سرہ سے بہت اعتقاد [۱۵] و اتحاد تھا اور اس احقر الانام (شیخ جمالی) سے بھی بہت محبت تھی۔ ان (شمس الدین) سے سنا گیا ہے کہ حضرت زبدۃ المشائخ معین الدین نے آخر عمر میں نکاح کیا تھا اور اولاد ہوئی تھی لیکن جب یہ حقیر (شیخ جمالی) اپنے پیر زادہ سجادہ نشین شیخ المشائخ نصیر الدین کی ہمراہی میں حضرت زبدۃ المشائخ معین الدین کے روضہ ساوک کی زیارت کے لیے گیا اور ان کی ہمراہی میں زیارت سے مشرف ہوا، وہاں ایک بڑے عظیم القادر مجاور مولانا مسعود تھے جن کی عمر اسی سال کی تھی چنانچہ ان کے بزرگوں کے بزرگ احمد بن محمد بن مخدوم قاضی تاج بن مخدوم قاضی شمس الدین دہلوی نبیرہ امام محمد شیبانی، حضرت شیخ مشار الیہ قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

مولانا احمد سے جو حضرت شیخ کے خادم رہے منقول ہے کہ جب حضرت شیخ اجمیر سے پہلی مرتبہ دہلی گئے اور پھر واپس آئے تو انہوں نے نکاح کیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ سید وجیہ الدین محمد شہیدی کہ جو سید حسین شہیدی کے چچا تھے کہ جو تنہا میں مدفون ہیں اور شہید ہوئے ہیں، اس شہر مذکور (اجمیر) کے داروغہ تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی عصمت و عفت میں پاکال، اس کا نام بی بی عصمت تھا۔ یہ لڑکی بالغ ہو چکی تھی، وہ چاہتے تھے کہ اس کو کسی بزرگ زادہ کے نکاح میں دے دیں اور نہایت اعلیٰ خاندان ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے لائق اور مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے ساتھ نکاح کریں۔ وہ اکثر اسی فکر و تامل میں رہتے تھے۔ اتفاق سے انہوں نے ایک رات حضرت امام جعفر صادقؑ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرزند وجیہ الدین! جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ اس لڑکی کا نکاح شیخ معین الدین مجزی کے ساتھ کر دو۔ سید وجیہ الدین مذکور حضرت شیخ سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے یہ واقعہ حضرت شیخ سے ظاہر کیا۔ حضرت شیخ نے

۱۔ شیخ نور الحق والدین، شیخ علاء الحق کے فرزند، مرید اور خلیفہ تھے،

۸۱۳ھ میں انتقال ہوا (اخبار الاخیار ص ۱۵۸ - ۱۶۰)

۲۔ نسخہ اول میں شیخ نور کے مرید ہونے کا ذکر نہیں ہے (ص ۱۵)۔

۳۔ نسخہ اول میں شیخ نظیر الدین لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے (ص ۱۵)۔

فرمایا کہ میری عمر کا آخری وقت ہے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے ، میں قبول کرتا ہوں للہذا نکاح ہو گیا ۔ یہ پاک طینت اور درست اعتقاد اولاد اس بزرگ خاندان اور اعلیٰ دودمان سے ہے ۔

حضرت شیخ (معین الدین) نکاح ہونے کے بعد تقریباً سات سال زندہ رہے ، اس کے بعد جوار رحمت حق میں آرام کیا جب ان کی عمر ستانوے سال کی ہو گئی تو انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا ۔ علیہ الرحمہ و العزراں ۔
ان کا وصال ۶ رجب پر کے دن ہوا - [۱۶]

۱ - اسلام جیسے فطری اور عالم گیر مذہب کی اساسی تعلیم اور قرآن کریم کی روشنی میں یہ باتیں مجاوروں کی گھڑی ہوئی داستانیں معلوم ہوتی ہیں ۔ اسلام مساوات اور اخوت کا پیغام لے کر آیا اور اس نے ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ کا اعلان کر کے نسل و نسب کی سامراجیت کے بتوں کو چکنا چور کر دیا ۔

۲ - خواجہ معین الدین کے نکاح اور اولاد کے سلسلے میں ملاحظہ ہو :

(۱) سوانح خواجہ معین الدین چشتی ص ۱۶۸ - ۱۷۳

(۲) معین الارواح ۶۷ - ۶۹

(۳) وقائع شاہ معین الدین چشتی ص ۵۳ - ۵۷

(۴) تحقیقات اولاد خواجہ صاحب حصہ اول و سوم

(۵) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ۲ : ۹۵ - ۹۷ -

۳ - خواجہ معین الدین کا انتقال باختلاف روایت ۸۶۳۲ یا ۸۶۳۳ میں ہوا ، مؤلف معین الارواح کہتے ہیں ۸۶۲۷ میں ہوا ۔

سلطان العارفين برہان الواصلین شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

آن نہنگ محیط نور خدا	غرقہٗ نجمہٗ حضور خدا
رفتہ در لامکان زمستی خویش	کردہ اسرار حق پرستی خویش
تندہ از جان بلامکان واصل	کردہ ہر دم ہزار جان حاصل
در خدا محو در خنی و جلی	قطب دین بختیار شیخ ولی
زندہ جاوداں زفیض عظیم	کشتہٗ زخم خنجر تسلیم
سینہٗ عارفان ازو گلشن	دیدہٗ عاشقان ارو روشن
دائم او را مقام عالی باد	نظر او جانب جالی باد

وہ تخت تجرید کے جمشید ، توحید و تفرید کے نور کے آفتاب ، لامکان کے محرم راز ، اعزاز جاودانی کے مستحق ، کشتہٗ خنجر تسلیم و رضا ، صدق و صفا کے گلشن کے گلستے ، اسرار الہی کے منبع ، انوار نامتناہی کے مطلع اور طہارت و پاکی کے آسمان کے آفتاب ہیں ۔

ابتدائی حالات

حضرت قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ قصبہ اوش کے رہنے والے تھے چنانچہ اس قصبہ کی تعریف زبدۃ المشائخ خواجہ معین الدین قدس سرہ کے ذکر میں بیان ہوئی ہے ۔ جب حضرت سلطان العاشقین خواجہ قطب الدین قدس سرہ پیدا ہوئے تو ان کے پدر بزگوار کمال الدین احمد موسیٰؒ نے اس دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرمائی ، حضرت اس وقت ڈیڑھ سال کے تھے ۔ ان کی نہایت پاک ذات ، مریم صفات ، عفت و عظمت میں باکمال والدہ ماجدہ ان کی پرورش و تیمارداری کرتی تھیں ۔

۱ - خواجہ نعمت اللہ ہروی نے لکھا ہے کہ خواجہ بختیار کا کیؒ کا تعلق افغانوں کے قبیلہ سڑینی سے تھا (تاریخ خان جہاں و مخزن افغانی ص ۷۰ ، ۷۱ ، ۷۲) تاریخ افغانہ ۲ : ۷۱ - ۱۱) - بزم صوفیہ (ص ۶۳) کے مؤلف نے سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیاء کے حوالے سے ان کا نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملایا ہے ۔

جب وہ تفریح پانچ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ایک پڑوسی کو بلایا۔ ایک طباق میں کچھ حلوہ رکھا اور حضرت خواجہ (بختیار) کو ان کے ہمراہ معلم کے پاس بھیجا۔

تعلیم و تربیت

اتفاق سے اسے میں ایک پیر روشن ضمیر کا سامنا ہوا، انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ مجھے "کو کہنا" لیے جانے ہو؟ پڑوسی نے عرض کیا کہ یہ مجھ خاندان اہل فلاح و صلاح سے ہے۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اس کی والدہ نے جو نہایت نیک خاتون ہیں، میری خوشامد کی ہے کہ میں اس بچے کو کسی مکتب میں لے جاؤں اور کسی نیک معلم کے سپرد کر دوں کہ وہ اس کو قرآن پڑھا دے۔ جب ان پیر نے اس پڑوسی کی یہ تقریر سنی تو فرمایا کہ اس بچے کو چھوڑو اور میرے سپرد کر دو تا کہ میں اسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں کہ اس کی برکت اس میں تاثیر اُکمال پیدا کر دے اور وہ اس پر نہایت سہربانی کرے۔ جب اس پڑوسی نے اس بے مثل پیر کی یہ شفقت و نہایت دیکھی تو وہ بخوشی رضا مند ہو گیا کہ آپ کا ارشاد درست ہے۔

اس مقام پر ایک نہایت با کمال معلم نئے جن کا نام ابو حفص تھا۔ وہ عبادت اور سعادت میں مصروف تھے، ان کے پاس حضرت خواجہ قطب الدینؒ کو لائے اور ان کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ یہ مجھ مبارک اور خدائے بزرگ و برتر کا برگزیدہ ہے وہ ایک دن اولیائے بزرگ اور گروہ شافع میں سے ہوگا۔ تم کو چاہیے کہ نہایت سہربانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھاؤ۔ معلم مذکور نے دل و جان [۱] سے قبول کیا اور وہ پیر وہاں سے چلے آئے۔ اس نے بعد شیخ ابو حفص حضرت شیخ خواجہ قطب الدین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم ان بزرگ کو جانتے ہو جو تم کو یہاں لائے تھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے معلم سے عرض کیا کہ میری والدہ نے مجھ کو ایک پڑوسی کے سپرد کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے معلم کے پاس لے جائے۔ راستے میں ان بزرگ پیر سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھ کو آپ کی قدم بوسی سے مشرف کرا دیا۔ شیخ ابو حفص نے فرمایا کہ اے بیٹے! یہ پیر حضرت خضر علیہ السلام تھے جو تجھ کو یہاں لائے اور میرے سپرد کیا۔

۱۔ گلزار ابرار اور تاریخ خان جہان و مخزن افغانی (ص ۷۳) میں ابو الحفیظ لکھا ہے مگر خیر المجالس (ص ۱۰۸) میں ابو حفص ہے۔

حضرت شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی نے یہ حکایت خیرالمجالس میں نقل کی ہے^۱۔

بیعت

مولانا ابو حفصؒ کی صحبت کی برکت سے حضرت شیخ المشائخ شیخ قطب الدین نے ظاہری و باطنی اخلاق اور شریعت و طریقت کے آداب حاصل کیے۔ وہ دینی معاملات اور ظاہر و باطن کے یقینی حالات سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے چنانچہ ایک ساعت کے لیے بوی عبادت و ریاضت سے غافل نہ رہتے اور ہر وقت خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں مستغرق رہتے۔ اتفاق سے حضرت زبدۃ الاولیاء و خلاصہ الاتقیاء خواجہ معین الملت و الدین وہاں پہنچے، ان کی بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت پائی^۲۔

جیسا کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ وہ اس ملک کے بہت سے لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے اور چاہتے تھے کہ مکہ معظمہ کو چلے جائیں۔ اس زمانے میں ان (خواجہ بختیار) کی عمر بیس سال کی تھی۔ وہ اپنے مریدوں کی پوری تربیت کرتے تھے اور دن رات میں نہایت ایثار سے دو سو پچاس رکعت نماز پڑھتے تھے^۳ اور رات کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہزار مرتبہ درود شریف بھیجا کرتے تھے۔

کثرت درود اور حضوریٰ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ قصبہ اوش میں حضرت زبدۃ الابرار شیخ قطب الدین بختیار کے ایک مرید رئیس قصبہ جن صلام احمد تھے جو نہایت نیک شخص تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا محل ہے اور اس کے گرد مخلوق جرق در جوق جمع ہے

۱۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۱۰۷-۱۰۸۔

۲۔ میر القطاب ص ۱۴۵، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۵۔

۳۔ نسخہ اول میں پچانوے رکعت لکھا ہے (ص ۳۷)۔

۴۔ یہ روایت فوائد الفواد سے منقول ہے۔ دو مطبوعہ نسخے (نولکشور اور لاہور)

پیش نظر ہیں، ان میں رئیس کا نام ”احمد“ مذکور نہیں ہے۔ ممکن ہے کسی

خطی نسخے میں ہو جس کی بنا پر سیر العارفین نے یہ نام احمد نقل کیا ہو۔

مؤلف بزم صوفیہ نے رئیس احمد نام لکھ دیا (بزم صوفیہ ص ۶۴)۔

اور ایک پر نور ہستہ قد شخص اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے اور لوگوں کے پیغام باہر سے اندر لے جاتا ہے اور جواب لاتا ہے۔ رئیس مذکور احمد نے کہا کہ میں اس محل کی درگاہ میں پہنچا اور ایک شخص سے پوچھا کہ محل کے اندر کیا ہے اور یہ ہستہ قد شخص کون ہے جو جاتا ہے اور آتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ محل کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ مرد عبداللہ مسعود ہیں کہ جو حضور کے سامنے خاص و عام کے پیغام لے جاتے ہیں اور جواب لاتے ہیں۔ رئیس مذکور احمد، عبداللہ مسعود [۱۸] کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میری جانب سے عرض کیجیے کہ میں حضرت کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ عبداللہ مسعود محل کے اندر گئے اور باہر آئے، مجھے اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تجھ میں ابھی تک اتنی اہلیت نہیں ہوئی ہے کہ تو مجھے دیکھے۔ تو جا اور میرا سلام، قطب الدین بختیار اوشی کو پہنچا اور ان سے کہا کہ تم ہر رات جو اندھ سیرے اپنے بھیجتے تھے، تین راتوں سے وہ نہیں پہنچا ہے۔ جب رئیس مذکور حضوری کے اس خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت خواجہ قطب الدین سے رات کی کیفیت اور خواب بیان کیا۔ حضرت شیخ خواجہ (بختیار) سمجھ گئے کہ اس خطا کا کیا سبب ہے (اور وہ یہ تھا)۔

جب ان (خواجہ قطب الدین) کی واندہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور سفر کریں گے تو انہوں نے نہایت تحلف کے ساتھ ایک نیک لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا۔ وہ منکوحہ نہایت حسینہ اور جمیلہ تھی چنانچہ حضرت شیخ کو یہ تقاضائے بشریت ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سے قدرے محبت ہو گئی اور اس بیوی کی ہمراہی اور محبت کی وجہ سے تین راتوں سے وہ درود جو تین ہزار مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جاتا تھا نہیں بھیجا گیا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فوراً اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی اور وہاں سے بغداد روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ اس مقدس

۱۔ اجل صحابی ہیں۔ وفات ۵۳۲ھ۔

۲۔ فوائد الفوائد (نول کشور، ص ۱۰۷۔ لاہور، ص ۱۸۴) تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، ص ۷۱۵، سیر الاقطاب ص ۱۵۶، خزینۃ الاصفیاء ۱: ۲۷۲۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ ص ۴۶-۴۷)۔

مقام (بغداد) ہر پہنچ گئے اور وہاں جو غارت حضرات تھے، ان سے ملے۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردی اور بڑے بڑے مشائخ ان کی صحبت سے محظوظ ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند میں وزود

اس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ دوسری مرتبہ خراسان سے واپس ہو کر وہاں پہنچے تھے۔ چونکہ حضرت زیدۃ المشائخ شیخ معین الملت و الدین خراسان سے ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور حضرت (خواجہ قطب الدین) کو ان سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا، وہ بھی بغداد سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ (جلال تبریزی) بھی شیخ (قطب الدین بختیار) کی ہمراہی کو شہیت سمجھ کر ان کے ساتھ چل دیے اور کچھ عرصے میں اس بزرگ مقام پر پہنچ گئے جو قبة الاسلام شہر ملتان ہے۔ وہاں حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق و الدین زکریا قریشی رہتے تھے۔ وہ آں دونوں نامدار اور باوقار بزرگواروں کی صحبت سے کہ جن سے ان کو بے انتہا محبت و شفقت تھی، مل کر بہت خوش ہوئے اور وہ اکثر ایک جگہ رہتے تھے۔ اس زمانے میں قبة الاسلام، ملتان ایک ترک قباچہ بیگ کے قبضہ و تصرف میں تھا [۱۹] کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ملتان پر مغلوں کا حملہ

حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق و الدین محمد بدایونی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ سلطان العاشقین شیخ قطب الدین اوشی، برہان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاء الدین زکریا قریشی ایک جگہ پر تھے یکبارگی چند ملعونوں (مغول) نے خطا و ختن کی جانب سے آ کر ملتان کے قلعے کو گھیر لیا اور اہل ملتان اپنی زندگیوں سے ناامید ہو گئے۔ وہ قباچہ بیگ حضرت قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں آیا اور حضرت سے اس بلا کے دور کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے ایک نیر مانگا اور اس ترک کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا کہ جب مغرب کی نماز کا وقت ہو تو قلعے کے برج پر جا کر کفار کی طرف اس تیر کو پھینکنا۔ قباچہ مذکور نے وہ تیر لیے لیا اور قلعے کے برج پر پہنچا اور اس تیر کو کہاں میں رکھ کر ان ملعونوں (مغول) کی

۱۔ ناصر الدین قباچہ ۶۲۵ھ میں دریائے سندھ میں غرق ہوا (طبقات ناصری، ص ۸۴)۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۱۸۵، سیر الاولیاء ص ۴۷۔

جانب پھینک دیا اور کھر چلا آیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی رات اس علاقے کے قرب و جوار سے وہ قوم ایسی ناپید ہو گئی کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ چند روز کے بعد حضرت خلاصۃ المشائخ (خواجہ قطب الدین) وہاں سے دارالخلافہ دہلی کی طرف چلے اور شیخ جلال الدین تبریزی غزنین کی طرف چلے گئے۔ اگرچہ پہاچہ نے بہت اصرار کیا کہ کچھ عرصے اپنی ذات بابرکت سے اس مقام کو اور عزت بخشیں لیکن حضرت شیخ متوجہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ جگہ شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا کے ذمے اور حوالے ہے اور ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گی۔

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت سلطان العارفين شیخ فرید الحق و الشرع و الدین قدس سرہ مسعود اجودہنی ملتان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے ذکر میں تحریر کیا جائے گا۔

قدس الدین التتمش کا استقبال کرنا

منقول ہے کہ جب وہ حضرت شہر ملتان سے دہلی تشریف لائے، سلطان شمس الدین التتمش نے حق سبحانہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور ان کا استقبال کیا اور چاہا کہ حضرت کو شہر میں لائیں اور حضرت شہر میں سکونت پذیر ہوں۔ حضرت نے ہائی کے استعمال کی وجہ سے سرحد کیلوکھری میں قیام فرمایا اور وہیں رہنے لگے۔ چنانچہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کتاب خیر المجالس میں ذکر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دہلی کے شیخ الاسلام جلال الدین محمد بسطامی تھے، ان کی تعریف حضرت سلطان المشائخ نظام الحق نے کتاب [۲۰] فوائد الفوائد میں کی ہے۔ شیخ الاسلام جلال الدین محمد بسطامی کو حضرت سلطان المشائخ قطب الدین بختیار سے بے حد اتحاد اور زیادہ اعتقاد ہو گیا اور حضرت شیخ محمد عطا المعروف بہ حمید الدین ناگوری کو شہر بغداد میں حضرت قطب المشائخ سے بہت اعتقاد ہو گیا تھا اس جگہ سو گنا ظاہر ہوا اور حضرت حمید الدین محمد عطا صدق و صفا کی وجہ سے اکثر اوقات حضرت (خواجہ قطب الدین) کی صحبت میں رہتے۔

سلطان شمس الدین ہفتے میں دو بار ان کی خدمت میں جاتا اور ان سے فیض

۱۔ مغول نے ملتان پر ۸۶۲۱ء میں حملہ کیا تھا (طبقات اکبری ص ۸۵) نیز دیکھیے

سیر الاقطاب ص ۱۴۹۔

حاصل کرتا۔ چونکہ ان کی مبارک قیام گاہ شہر سے کچھ دور تھی اس لیے سلطان شمس الدین نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اگر براہ عنایت و کرم آپ شہر کے نزدیک قیام پذیر ہو جائیں تو بہت بہتر اور نہایت خوب ہو۔ حضرت شیخ (خواجہ قطب الدین) نے ان کی درخواست منظور کر لی اور شہر کے نزدیک مسجد ملک اعز الدین کے نزدیک قیام فرمایا۔ تمام معززین اور امراء ان کی جانب متوجہ ہوئے اور سب ان کی صحبت اور طریقے کے عاشق و فریفتہ ہو گئے۔ اسی زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی ان کی بیعت اور خرقے سے مشرف ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی عمر عزیز ان کی صحبت میں گزار دی اور طرح طرح کی برکتیں حاصل کیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین شہر میں رہنے لگے تو انہوں نے اشتیاق ملاقات کا ایک خط حضرت سلطان الآفاق شیخ معین الحق و الدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ اس زمانے میں شہر اجمیر میں قیام پذیر تھے۔

اگر یہ بشارت اشارت مسرور فرماید اگر حضور اجازت سے مشرف و مسرور شرف پابوس حاصل نمودہ آید۔ فرمائیں تو شرف قدم ہوسی حاصل ہو۔

حضرت معین الحق و الدین نے خط کے جواب میں یہ مضمون ارسال فرمایا

المراء مع من احب، معتبر است۔ قرب	”المراء مع من احب“ درست ہے۔ قرب
جانی را بعد مکانی مانع نیست بسلامت و بصحت ہم آنجا باشند۔ انشاء اللہ تعالیٰ	جانی کو بعد مکانی کبھی مانع نہیں ہوتا ہے۔ صحت و سلامتی سے وہیں رہو۔
بعد چند گاہ ہارادت حضرت اللہ ہم درآن طرف توجہ نمودہ خواہد شد۔	انشاء اللہ تعالیٰ کچھ عرصے کے بعد ہمیشہ ایزدی ہم خود اس طرف آئیں گے۔

مجبوراً ان پر بزرگوار (خواجہ بزرگ) کے حکم سے خلاصہ الابرار (خواجہ قطب الدین) اس شہر (اجمیر) کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

شیخ الاسلامی کے عہدے سے انکار

منقول ہے کہ اسی زمانے میں حضرت شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی نے

- ۱۔ شیخ بدر الدین غزنوی کے لیے دیکھیے اخبار الاخیار ص ۵۶ - ۵۷ - نیز دیکھیے تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۵ - ۱۵۶، سیر الاولیاء، ص ۱۶۵ - مزارات اولیائے دہلی (ص ۷۰) میں تاریخ انتقال ۱۱ ربیع الاول ۸۶۵ اور وفیات الاخیار (ص ۲۴) میں ۱۶ ربیع الاول ۸۶۵ لکھا ہے۔

دعوتِ اجل کو قبول کیا یعنی اس دارِ رحمت سے جوارِ رحمت حق کی طرف کوچ کیا۔ سلطان شمس الدین نے چاہا کہ اس شہر اور علاقے کو حضرت شیخ المشائخ قطب الدین بختیار کے سپرد کر دیں۔ حضرت نے شیخ الاسلامی کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ آج تک ان بزرگوار (نجم الدین صغریٰ) کا مزار [۲۱] مولانا برہان الدین بلخی کے متبرک مقبرہ کے نزدیک دہلی میں حوض شمسی پر موجود ہے۔

نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام دہلی

ان شیخ نجم الدین صغریٰ کا طریقہ اور اخلاق شیخ الاسلامی کے زمانے سے پہلے بہتر تھا۔ اس کے بعد جب اقبال دنیوی ان کو حاصل ہوا تو اس (سابقہ) حالت پر نہیں رہے۔ ادھر مخلوق خواجہ قطب الدین کی طرف بے حد و حداب متوجہ ہوئی اور لوگ ظاہری و باطنی فیوض سے مستفید ہوتے اور ترکِ علائق کر کے خواجہ قطب الدین کی صحبت میں رہنے لگے۔ اس سے ان (نجم الدین صغریٰ) کو حسد ہوا۔

شیخ الاسلام کی خواجہ بزرگ سے ملاقات

انقول ہے کہ اس زمانے میں شیخ معین الملک و الدین تشریف لائے۔ حضرت شیخ المشائخ قطب الملک و الدین کو ایک بڑی دولت مل گئی۔ انہوں نے ہروردگار کا دو گناہ ادا کیا اور چاہا کہ سلطان شمس الدین التتمش کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع دیں۔ حضرت شیخ المشائخ معین الدین نے منع فرما دیا کہ میں صرف کنہاری ملاقات کے لیے یہاں آیا ہوں کسی کو میرے حال سے تشویش میں مت ڈالو۔ میں دو تین روز سے زیادہ اس جگہ قیام نہیں کروں گا۔ حضرت (خواجہ بزرگ) کو خاص و عام کا اجتماع مطلق پسند نہیں تھا۔

باوجودیکہ وہاں کے قرب و جوار کے رہنے والے تمام مشائخ، حضرت کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھا مگر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ اس حسد کے سبب سے نہ آئے کہ جو وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار سے رکھتے تھے حالانکہ شیخ الاسلام مذکور کو حضرت (خواجہ بزرگ) سے خراسان

۱۔ مزارات اولیائے دہلی میں تاریخ انتقال برہان الدین بلخی ۱۳ ذی الحجہ ۵۶۸۷ تحریر ہے۔ ان کے مزار کے قریب نجم الدین صغریٰ کا مزار ہے۔ (مزارات اولیائے دہلی ص ۹۷ - ۹۸) نیز دیکھیے اخبار الاخبار ص ۵۲۔

میں نے حر اعتقاد و اعتقاد تھا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت خواجہ معین الدین، شیخ نجم الدین کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ شیخ الاسلام نے یہاں پر گیا تھا اور وہ مزدوروں کو تاکہ کر رہے تھے کہ اسی حال میں حضرت شیخ معین الدین وہاں پہنچ گئے۔ شیخ الاسلام نجم الدین جیسا کہ چاہیے تھا اس طرح ان کی جانب استقبال کے لیے نہیں بڑھے اور محبت و مؤدت سے پیش نہ آئے۔ حضرت سلطان المشائخ معین الدین کو یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اے نجم الدین! تجھ پر کیا بلا آگئی کہ جس نے تجھے بدل دیا شاید شیخ الاسلامی کے مرنے نے تجھ میں غور پیدا کر دیا۔ جب شیخ الاسلام نے یہ بات سنی تو شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا اور عذر کرنے لگے اور کہا کہ میں وہی شخص ہوں کہ جو اس سے پہلے تھا اور قدم بوسی کرتا ہوں۔ اب آپ نے (اپنے) ایک مرید (خواجہ قطب الدین بختیار اوشی) کو یہاں چھوڑ رکھا ہے کہ تمام مخلوق اور شہر کے مشائخ اس کی طرف متوجہ ہیں اور میری شیخ الاسلامی کو کوئی نہیں ہوچھتا کہ کس کھیت کی مولیٰ ہے۔ حضرت شیخ معین الدین نے [۲۲] جب یہ بات سنی تو مسکرائے اور فرمایا کہ نجم الدین خاطر جمع رکھو کہ میں ان ملک سے قطب الدین بختیار کو اپنے ساتھ شہر اجمیر لے جاؤں گا۔ حضرت نے یہ بات کہی اور گھر سے باہر چلے آئے۔ شیخ الاسلام نے ہر چند کھانے کے لیے اصرار کیا مگر حضرت نے قبول نہیں کیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ والاولیاء شیخ فرید الملت والدین مسعود اجدہنی اس زمانے میں سلطان المحققین حضرت خواجہ قطب الدین کی خدمت میں تھے اور حضرت (شیخ فرید الدین)، خواجہ قطب الدین کی صحبت میں حضرت معین الملت والدین کی دست بوسی کے شرف سے بھی مشرف ہوئے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین بارہا فرماتے تھے کہ بابا بختیار تم نے ایک بڑے شہباز کو قید کر لیا ہے کہ جو سوائے مدرۃ المنتہی کے اور کہیں قیام نہیں کرے گا۔ یہ فرید ابک شمع ہے کہ درویشوں کے خاندانوں کو منور کرے گا۔

خواجہ قطب الدین کی اجمیر کو روانگی

چند روز کے بعد حضرت معین الملت والدین نے شہر اجمیر کی جانب روانگی اختیار کی اور حضرت خواجہ قطب الدین ان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اس ان کے شہر

دہلی سے باہر جانے کی وجہ سے ہر محلہ میں کھرام مچ گیا اور ایک ماتم بپا ہو گیا۔ شہر کے بزرگوں نے بہت رنج کیا، حد یہ کہ حضرت قطب الملت و الدین جس جگہ قدم رکھتے تھے، لوگ وہاں کی خاک کو تبرک کی طرح اٹھا لیتے تھے۔ جب حضرت زیدۃ المشائخ معین الحق و الدین نے یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ بابا قطب الدین تم اسی مقام پر رہو کہ تمہارے جانے سے یہاں کے لوگ بہت پریشان اور مضطرب ہیں۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ اتنے دلوں کو صدمہ پہنچایا جائے۔ اس شہر کو تمہاری پناہ میں دیا۔ سنا گیا ہے کہ جب سلطان شمس الدین نے یہ بات (روانگی خواجہ قطب الدین) سنی تو پریشان ہو کر ان کے پیچھے دوڑا اور جب وہ حضرت کے پاس پہنچا تو اس نے بھی حضرت (خواجہ معین الدین) سے عرض کیا۔ اس کی درخواست کو حضرت شیخ (خواجہ بزرگ) نے قبول کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین اپنی جگہ واپس چلے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ سبحان اللہ کیا اچھا طریقہ تھا کہ ان کی نظر میں دنیا و مافیہا خشخاش نے ایک دانے کے برابر بھی نہ تھی۔ وہ ہرگز کوئی ایسا نذرانہ جو نصاب (زکوٰۃ) کے لائق ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے اور ہمیشہ ذات حق کی یاد میں مستغرق رہتے۔ جب نماز کا وقت آتا تو سراپہ سے آنکھیں کھولتے، غسل کرتے اور نماز ادا کرتے۔

ازدواجی زندگی

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت شیخ قطب الدین نے آخر میں قرآن مجید [۲۳] حفظ کیا^۱ اور ہر روز کلام اللہ کے دو ختم کر لیتے تھے۔ عجب زمانہ تھا، اپنے پاس پیسہ نہیں رکھتے تھے۔ آخر زمانے میں ازدواجی زندگی اختیار کی۔ حضرت کے دو جوڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔ چھوٹے لڑکے کا نام شیخ محمد رکھا اور بڑے کا شیخ احمد کہ جو ان کے مزار کے برابر دفن ہیں۔ اس مقام کے مجاورے وہاں کا نام شیخ احمد تاجی^۲ مشہور کر دیا ہے۔ شیخ محمد مذکور سات سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ حضرت (خواجہ قطب الدین) کی زوجہ نے لڑکے کی وفات ہر گریہ و زاری کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جب بیوی کی

۱۔ سیر الاولیاء ص ۵۵ - ۵۶ -

۲۔ فوائد الفواد ص ۱۳۵ -

۳۔ نسخہ اول میں شاہی لکھا ہے (ص ۵۳) -

آواز سنی تو شیخ بدر الدین غزنوی سے پوچھا کہ میرے گھر میں رونے کی آواز
 کسی ہے اور کون گریہ و زاری کرتا ہے؟ شیخ بدر الدین نے عرض کیا کہ
 حضور کے فرزند ارجمند انتقال فرما گئے، شاید ان کی ماں مضطرب ہیں۔ جب یہ سنا تو
 افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر مجھ کو اس کی تکلیف سے واقفیت ہو تو خدا کی
 درگاہ میں اس کی زندگی کے لیے دعا کرنا، حق تبارک تعالیٰ قبول فرماتا۔ چونکہ
 اس کا وقت آ گیا تھا اس لیے مجھے معلوم نہیں ہوا۔ یہ کہہ کر اس کی ماں کو رونے
 سے منع کیا اور خود مراقبہ حق سبحانہ تعالیٰ میں مستغرق ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسا
 ان کا استغراق تھا کہ ان کو اپنے بیٹے کی تکلیف اور موت کی بھی خبر نہ ہوئی۔

کاکا کی وجہ تسمیہ

منقول ہے کہ ان کو کاکا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب انہوں نے دہلی
 میں توطن اختیار کیا تو کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ
 عبادت میں مشغول رہتے۔ اس زمانے میں ان کے گھر میں بیوی، کنیزیں، اڑکے اور
 خدام سب نو نفر تھے جو ان سے متعلق تھے۔ ان کے بڑوس میں ایک مسلمان بقال رہتا
 تھا جس کا نام شرف الدین تھا۔ اس شرف الدین کی بیوی سے حضرت (خواجہ بختیار)
 کی زوجہ کے تعلقات تھے، وہ کبھی کبھی ان کے گھر آتی تھی۔ جب کوئی چیز
 موجود نہ ہوتی اور ایک دو فاقے ہو جاتے تو حضرت خواجہ قطب الدین کی بیوی،
 شرف الدین بقال کی زوجہ سے آدھا تنکہ یا اس سے کم یا زیادہ قرض لے لیتیں
 جس سے اپنے بچوں اور متعلقین کا کھانا تیار کرتیں۔ حضرت سلطان المشائخ کو
 اس کی مطلق خبر نہ ہوتی۔ جب غیب سے کچھ عنایت ہو جاتا تو قرض ادا کر دیتیں۔
 ایک دن شرف الدین بقال کی عورت نے ان کی بیوی سے کہا کہ ایسے بی بی !
 اگر ہم نہ ہوں اور قرض نہ دیں تو تمہاری حالت مرنے کے قریب پہنچ جائے۔
 یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین کی بیوی کو ناگوار ہوئی اور یہ عہد کیا کہ
 قرض کے طور پر اس سے ہرگز کچھ نہیں لیں گے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ انہوں نے یہ
 بات حضرت خواجہ قطب الدین سے عرض کر دی کہ جب ہمارے گھر میں متواتر
 دو تین فاقے گزر [۲۸] جاتے ہیں تو میں اس بقال شرف الدین کی عورت سے تھوڑا سا
 قرض لے لیا۔ ثرتی تھی جس سے متعلقین کے لیے کھانا تیار کرتی تھی۔ اب شرف الدین

کی ضرورت نے اس مارے کی بات کہی کہ اگر ہم نہ ہوں تو تمہارے یہاں ہلاکت واقع ہو جائے۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جب یہ بات اپنی بیوی سے سنی تو کچھ دیر قائل کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ شرف الدین کی بیوی سے قرض نہیں لینا چاہیے اور ایک طاق کی طرف اشارہ کیا کہ جو ان کے حجرہ مبارک میں تھا اور فرمایا کہ ضرورت کے وقت جمر تدر روٹیاں چاہئیں، بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہہ کر اس میں سے نکال لینا اور اپنے ہاتھ میں سے جس کو چاہنا دے دینا۔ چنانچہ ان کی بیوی اس طاق سے کہ جمر کی طرف انہوں نے اشارہ کیا تھا، کرم روٹیاں نکال لیتیں اور تقسیم کر دیتیں۔ اب بھی ان کے متبرک مقبرے میں روٹیاں پکاتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں۔

خضر علیہ السلام سے ملاقات

خضر علیہ السلام اکثر ان کے پاس آتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پیر فرید الملت والدین قدس سرہ سے سنا ہے کہ وہ صاحب کمال جب ابتدائی زمانے میں قصبہ اوش سے باہر آئے اور ایک شہر میں پہنچے۔ چند روز وہاں قیام کیا۔ اس شہر سے دور ایک مسجد تھی جس میں ایک حینار تھا۔ ان کو ایک دعا ملی کہ جو کوئی اس دعا کو آخر شب میں پڑھے اور خالی گوشے میں دو رکعت نماز ادا کرے تو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اس سے ملاقات کریں۔ حضرت (خواجہ) بختیار آخر شب میں اس مسجد میں آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور جو دعا ان کو ملی تھی اس کو پڑھا۔ کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ جب وہاں سے واپس آئے تو اس مسجد کے دروازے پر ایک نورانی بزرگ کو دیکھا انہوں نے کہا کہ رات کے وقت تم اس جگہ کیا کرتے ہو؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ اے خواجہ! مجھ کو ایک دعا اس جگہ ملی تھی کہ جو کوئی اس مسجد کے گوشے میں جائے۔ دو رکعت نماز پڑھے اور اس دعا کو پڑھے تو اسے اللہ تعالیٰ خواجہ خضر علیہ السلام سے ملائے گا۔ اس بزرگ نے کہا کہ کیا تو دنیا چاہتا ہے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے کہا کہ دنیا سے میں کچھ نہیں چاہتا۔ پھر اس بزرگ نے کہا کہ کیا تجھے کچھ قرض ادا کرنا ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ مجھے قرض ادا کرنا نہیں ہے۔

۱۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خواجہ قطب الدین ضرورت مندوں کو سونے یا چاندی کی کاک دیا کرتے تھے (ابن بطوطہ ۲ : ۴۷)۔

پھر اس بزرگ نے کہا کہ خواجہ خضر کا کیا کرے گا کہ وہ خود تیری طرح سرگرداں ہیں۔ اس شہر میں ایک مرد ہے کہ جو حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور حضرت خضرؑ سات مرتبہ اس بزرگ کے پاس جا چکے ہیں مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بزرگ میسرک صورت مسجد کے ایک گوشے سے ان پہلے بزرگ کے پاس آئے جو حضرت سے گفتگو کر رہے تھے۔ جب انہوں نے ان کو دیکھا تو حضرت سلطان المشائخ (خواجہ قطب الدین) کا ہاتھ پکڑا اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ مرد یعنی حضرت مالک المشائخ قطب الملت و الدین، دنیا [۲۵] نہیں چاہتے اور نہ ان کو کچھ قرض ادا کرنا ہے لیکن تمہاری صحبت کے آرزو مند ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو وہ مسجھ گئے کہ یہ حضرت خواجہ خضرؑ ہیں اور دوسرے بزرگ بھی مردان غیب سے تھے۔ خواجہ قطب الدین کو حقیقت معلوم ہو گئی تو دونوں ان کی نظر مبارک سے غائب ہو گئے۔ اور یہ واقعہ ابتدائے سلوک میں گزرا۔ اس حقیر (جالی) نے بھی اس جگہ کو دیکھا ہے۔

حوض شمس (دہلی) کی تعمیر

سلطان شمس الدین التمش کے دل میں عرصے سے یہ خیال تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض بنوائے کہ خدا کی مخلوق اس کے پانی سے فیضیاب ہو۔ چونکہ پانی شہر سے دور تھا لوگ کنوؤں کا پانی استعمال کرتے تھے۔ اتفاق سے سلطان شمس الدین نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھوڑے پر سوار کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے شمس الدین! اگر تو حوض بنوانا چاہتا ہے تاکہ خالق خدا کو اس سے آرام ملے تو جس جگہ میں کھڑا ہوا ہوں اس جگہ بنا۔ جب سلطان شمس الدین بیدار ہوا تو اس نے اس جگہ کو کہ جس کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا بہت تلاش کیا کہ

۱۔ فوائد الفواد (ص ۲۱۲) میں بارہ مرتبہ لکھا ہے۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۲۱۲ - ۲۱۳، سیرالاولیا (اردو ترجمہ) ص ۴۷ - ۴۸۔

۳۔ شمس الدین التمش نے ہدایوں کی گورنری کے زمانے میں ہدایوں میں ایک حوض تعمیر کرایا تھا۔ کنز التاريخ ص ۴۶، کیمبرج ہسٹری آف انڈیا

کہاں ہے؟ ایک مصاحب کو حضرت خواجہ قطب الملت والدین کے پاس بھیجا اور اطلاع دی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر حضور کی اجازت ہو تو میں آؤں اور عرض کروں۔ یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین کو بھی معلوم ہو چکی تھی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان مذکور کو اس امر کی بشارت فرمائی ہے کہ فلاں خاص زمین پر حوض بنایا جائے۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ جلد چلے آؤ۔ میں بھی اس جگہ چلتا ہوں کہ جس جگہ کی بابت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض بنانے کا حکم فرمایا ہے۔ جب مصاحب مذکور سلطان کے پاس پہنچا تو جو کچھ شیخ سے سنا تھا ظاہر کیا۔ سلطان فوراً حضرت شیخ کی جانب روانہ ہوا جب ان کے گھر پہنچا تو ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ قطب الدین فلاں جگہ تشریف رکھتے ہیں سلطان بھی اسی جگہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ حضرت شیخ نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوکانہ ادا کرنے کے بعد سلطان مذکور نے حضرت شیخ (قطب الدین بختیار کاکی) کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سہم کے نشان اس جگہ پر ظاہر ہو گئے تھے اور وہاں سے ہانی بھی جاری ہو گیا تھا۔ اسی جگہ حوض بنایا گیا اور اس جگہ کہ جہاں سمون کے نشان ظاہر ہوئے تھے ایک عمارت بنا دی گئی اور اس حوض کو مکمل کرا دیا گیا اور اس جگہ سے ایک سیراب کرنے والا چشمہ جاری کیا گیا کہ جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور اس چشمے سے اکثر باغات کی آبیاری کی جاتی ہے۔

مردان غیب سے ملاقات

اس چشمے اور حوض کی تعریف خواجہ امیر خسرو نے اپنی کتاب قرآن السعدین^۱ میں کی ہے اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس حوض پر فیض کے قریب کتنے اولیاء اللہ آرام کرتے ہیں^۲ اور اکثر حضرت خواجہ قطب الدین بھی وہاں

- ۱۔ حوض شمسی کے لیے دیکھیے آثار الصنادید (طبع دہلی) ص ۵۷ اور آثار الصنادید (طبع کراچی) ص ۹۲ - ۹۳، سفر نامہ ابن بطوطہ (آرڈو ترجمہ) ۲ : ۴۶ - ۴۷ - ۴۸۔
- ۲۔ ملاحظہ ہو قرآن السعدین ص ۳۲ - ۳۳ و آثار الصنادید ص ۹۲۔
- ۳۔ خاکسار مترجم مجد ایوب قادری نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء بروز یکشنبہ، حوض شمسی اور وہاں کے بزرگان کرام کے مزارات کی زیارت کی۔

عبادت میں مشغول رہتے [۲۶] اور مردمانِ محبوب سے ملاقات فرماتے اور بے انتہا فیض بآب ہوتے۔ اکثر شیخ حمید ناگوریؒ، خواجہ محمود موینہ دوز، شیخ بدر الدین غزنوی اور شیخ تاج الدینؒ ستور اوشی بھی ان کے پاس رہتے۔ ایک روز ایک بزرگ شتر سوار نیلا لباس پہنے ہوئے اس حوض کے کنارے پہنچے۔ وہ لٹکی باندھ کر اور خرقة اتار کر حوض میں داخل ہوئے، غسل کیا، پانی سے باہر آئے، دو گانہ ادا کیا اور یہ درویش حضرت خواجہ قطب الدین کے ساتھ اس مسجد میں کہ جو سلطان شمس الدین کے لفکر خانے کے نزدیک حوض کے کنارے واقع ہے تشریف فرما تھے۔ اچانک اس نیلی پوشاک والے شتر سوار نے نماز ادا کرنے کے بعد آواز دی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کے کیا نام ہیں؟ شیخ تاج الدین ستور اوشیؒ نے جواب دیا کہ اس جگہ کئی درویش ہیں کہ جو ذات باری کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر اس بزرگ نے فرمایا کہ اے تاج الدین منور حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور محمد عطا کو میرا سلام پہنچاؤ کہ ابو سعید دمشقی نیاز مند خاص ہے۔ اور وہ مردانِ غیب سے ہے۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین نے ابو سعید دمشقی کا نام سنا تو درویشوں کے ہمراہ ان کی طرف دوڑے۔ جب اس جگہ پہنچے تو ان کا کوئی نشان اور اثر نہ پایا۔ اکثر مردانِ غیب تنہائی اور خلوت میں شیخ (بختیار کاکی) کے پاس آتے تھے اور ان سے ملاقات کرتے تھے۔

شیخ نظام الدین ابوالموید

منقول ہے کہ جب حضرت سید نور الدینؒ مبارک غزنوی غزنین سے دارالخلافہ دہلی پہنچے۔ ان کی ایک بہن تھیں جن کو رابعہؒ عصر کہنا مناسب ہے انتہائی عفیہ، نام نامی بی بی سائراں تھا۔ وہ عفت مآب زمانہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کو بھائی کہتی تھیں۔ شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ جو حضرت بی بی سائراں کے فرزند تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کے تربیت یافتہ تھے وہ بھی بزرگ ترین اولیاءؒ میں سے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ

۱۔ مزارات اولیاءؒ دہلی ص ۷۷۔

۲۔ نور الدین مبارک غزنوی، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، وفات

۵۶۳۲ھ - دیکھئے اخبار الاختیار ص ۳۴ - ۳۵۔

۳۔ شیخ نظام الدین ابوالموید بن شیخ جمال الدین غزنی میں پیدا ہوئے، وہیں ←

نظام الملث و الدین محمد بدایونی ان کے اوصاف میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شروع زمانے میں دہلی کی جامع مسجد میں کہ جس میں مینار ہے، میں جمعہ کے روز موجود تھا کہ حضرت شیخ المشائخ نظام الدین (ابوالموید) تشریف لائے اور صلوٰۃ قہمۃ المسجد میں مشغول ہو گئے کہ ان کی نماز نے مجھ پر حالت استفراق طاری کر دی اور ذوق تمام حاصل ہوا۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہ منبر پر گئے۔ ایک خوش الحان شخص فاسم مصری تھے، انہوں نے کلام اللہ کی ایک آیت تلاوت کی۔ اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدین (ابوالموید) نے فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بیت :

نہ از عشق تو نے از تو عذر خواہم کردا جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد
[۲۷] اس شعر کے سنتے ہی مخلوق نعرے مارنے لگی اور حاضرین رونے لگے۔ مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں از خود رفته ہو گیا۔

امساک باران اور شیخ نظام الدین ابوالموید کی دعا

اور ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ایک مرتبہ شہر میں بارش نہیں ہوئی۔ شیخ نظام الدین کو لوگوں نے مجبور کیا کہ بارش کے لیے دعا کیجیے۔ وہ منبر پر گئے اور بارش کے لیے دعا کی۔ اپنا رخ

پرورش اور تعلیم و تربیت پائی، اکابر مشائخ سے فیض پایا۔ ۸۶۷۲ھ میں انتقال ہوا (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ۱: ۲۳۷) ان کے ایک فرزند عبداللہ تھے جن کے صاحبزادے شیخ جمال شمس العارفین (مدفون کول، علی گڑھ) ہیں۔ ان کی اولاد اور خاندان کے حالات میں ۱۱۵۳ھ میں راجی چند نے ایک کتاب اخبار الجبال معروف بہ اشجار الجبال لکھی ہے جس میں ان کا نسب ابو عبیدہ ابن الجراح رضی سے ملایا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے المعارف (ابن قتیبہ) کے حوالہ سے حضرت ابو عبیدہ کے متعلق لکھا ہے ”لا عقب له“ (استاذ العلماء ص ۲)۔

۱۔ فرشتہ میں یہ مصرع اس طرح ہے ”در عشق تو کے از تو حذر خواہم کرد“ (فرشتہ ۲: ۱۰۷) اور فوائد الفواد (ص ۲۲۳) اور نزہۃ الخواطر (۱: ۲۳۷) میں یہ مصرع اس طرح ہے: ”بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد“
۲۔ فوائد الفواد ص ۲۲۳۔

مبارک آسمان کی جانب کیا اور زبان مبارک سے عرض کیا کہ اے خدا تیری عظمت کی دہائی ہے اگر تو نے آج مومنہ نہ برسا یا تو میں پھر کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ یہ کہنا ابھی وہ منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے کہ بارش ہونے لگی۔ اس کے بعد سید قطب الدین ترمذی نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھ کو آپ سے کامل اعتقاد ہے اور جانتا ہوں کہ آپ کو حق تعالیٰ سے ہرے طور پر نیاز حاصل ہے لیکن آپ نے یہ بات کیوں کہی تھی کہ اگر بارش نہ بھیجی تو میں پھر کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید نے جواب دیا کہ میں یقین سے جانتا تھا کہ حق تعالیٰ باران رحمت بھیجے گا۔ اس وقت یہ ایک زائد بات کہہ دی۔ سید صاحب نے کہا کہ کیسے جانتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ سے اور حضرت نور الدین غزنوی سے سلطان شمس الدین کی مجلس میں کسی بات پر نزاع ہو گیا تھا اور وہ حضرت مجھ سے کچھ رغبتہ ہو گئے تھے۔ جب مجھ سے لوگوں نے دعائے باران کے لیے کہا تو میں ان کے روضے پر گیا اور کہا کہ مجھ سے لوگ دعائے باران کے لیے کہتے ہیں اور آپ مجھ سے رغبتہ ہو گئے ہیں۔ اگر آپ معاف فرما دیں تو دعائے باران کروں۔ میں نے روضے سے آواز سنی کہ میں نے تم سے صلح کی۔ تم جاؤ اور دعائے باران کرو۔ حق تعالیٰ ضرور باران رحمت بھیجے گا۔ میں نے اس بھروسے پر یہ بات کہی تھی^۱۔

حضرت سلک المشائخ شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی^۲ سے منقول ہے کہ ایک زمانے میں بارش نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کو تمام بزرگوں نے دعائے باران کے لیے منتخب کیا۔ وہ منبر پر گئے، دعا کے درمیان ہاتھ کو آستین کے اندر کر لیا۔ ایک اور کھڑا باہر نکالا، پھر آسمان کی طرف دیکھا اور اس کپڑے کو ہلایا۔ اتنی بارش ہوئی کہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ جب اپنے مکان پر تشریف لائے، سولانا وجیہ الدین یحییٰ نے جو حضرت سلطان العارفين قطب الدین کے مرید ہیں، ان سے دریافت کیا کہ آپ نے جو کھڑا آستین سے نکالا، آسمان کی طرف دیکھا اور اس کو ہلایا، یہ سب کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کھڑا وہ دوپٹہ تھا کہ جو حضرت سلطان العارفين قطب الدین بختیار اوشی^۳ نے میری والدہ کو عطا کیا تھا۔ اس کی برکت سے بارش ہوئی^۲۔

۱۔ فوائد الفواد ص ۳۳۳، فرشتہ ۱: ۴۰۱۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۳۳۸ - ۳۳۹، فرشتہ ۱: ۴۰۱ - ۴۰۲۔

ناصری ناصر دوہار التمش میں

سنا گیا ہے کہ ایک شاعر ناصری ماوراء النہر سے دہلی آیا اور حضرت سلطان المارین والعاشقین [۲۸] قطب الدین بختیار اوشی کے مکان کا ہتہ لوگوں سے پوچھا۔ جب ان کے مکان کا ہتہ معلوم ہو گیا تو وہ مقدس مقام کی طرف دوڑا اور حضرت قطب الدین کی آستانہ بوسی سے مشرف ہوا۔ اس نے دعا کی درخواست کی کہ میں نے ایک قصیدہ سلطان شمس الدین کی مدح میں لکھا ہے۔ حضور کرم فرمائیں کہ اس کا بہترین صلہ میرے ہاتھ آئے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے فاتحہ پڑھی اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جا انعام باہرکت پائے گا۔ ناصری مذکور ان کے ارشاد سے خوش ہوا۔

جب وہ سلطان کی خدمت میں پہنچا، اس نے کھڑے ہو کر قصیدے کے اشعار پڑھنا شروع کیے۔ اس قصیدے کا مطلع یہ تھا کہ جو کتاب فوائد الفواد میں تحریر ہے۔ شعر:

اے فتنہ از نہیب تو زہار خواستہ تیغ تو مان و خیل ز کفار خواستہ سلطان اس مطلع کے شروع ہونے کے وقت کسی دوسری بات میں مشغول تھا۔ ناصری مذکور نے حضرت شیخ قطب الدین سے شفاعت چاہی اور مدد مانگی۔ اسی وقت سلطان شمس الدین نے ناصری کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ پڑھ اے فتنہ از نہیب تو زہار خواستہ تیغ تو مان و خیل ز کفار خواستہ

باوجودیکہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ تھا لیکن ایک ہی مرتبہ من لینے سے مطلع یاد ہو گیا کہ اس نے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب ناصری نے قصیدہ ختم کیا تو سلطان نے فرمایا کہ ناصری اس قصیدے میں کتنے اشعار ہیں جو تم نے لکھے ہیں؟ ناصری نے عرض کیا کہ تریپن اشعار ہیں۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس کے صلے میں ناصری کو تریپن ہزار سفید تنکے (چاندی کا سکہ) دیے جائیں۔ ناصری مذکور کا ہرگز یہ کمال نہیں تھا کہ تریپن ہزار سفید تنکے حاصل کرتا۔

مولانا سراج سے کہ جو طبقات (ناصری) کے مؤلف ہیں، منقول ہے کہ میں نے ناصری سے سنا ہے کہ میں جب سلطان شمس الدین کے حضور میں قصیدہ لے جا رہا تھا، سلطان المشائخ قطب الدین نے دعا فرما دی تھی۔ جب سلطان کے سامنے قصیدہ لے گیا اور مطلع ادا کرنے کے وقت سلطان مذکور دوسری طرف متوجہ

تھا، میں نے اپنے دل میں نیت کی اور شیخ قطب الدین کا وسیلہ اختیار کیا کہ اگر سلطان اس قصیدے کی جانب پوری توجہ فرمائے اور جو صلہ بھی مجھے انعام دے، میں اس کا نصف حضرت شیخ کے ہاں بطور شکرانہ لے جاؤں گا۔ جب مجھے تربین یزار سفید تنکے انعام ملے تو میں ان میں سے نصف تنکے حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں لے گیا اور حضرت سے اپنی نیت کا حال بیان کیا۔ میں جتنی رقم شکرانے میں لے گیا تھا، وہ سب انہوں نے مجھ کو بخش دی اور مطلق اس (رقم) کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

جلسہ سیاح

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین مجدد دہلیوی سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سیاح تھی، صاحبان حال اور اہل کمال درویش جمع تھے [۲۹] حضرت سلطان العارفین وزیدۃ العاشقین شیخ المشائخ قطب الملت و الدین بختیار اوشی بھی موجود تھے۔ قوال نے یہ شعر پڑھا :

نیت

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

حضرت سلطان المشائخ قطب الملت و الدین کو ایسا حال، تغیر اور تحیر پیدا ہوا کہ بالکل از خود رفتہ ہو گئے۔ سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ مجدد عطا المشہور بہ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ المشائخ بدر الدین غزنوی حضرت کو مکان پر لائے اور جن قوالوں نے یہ شعر پڑھا تھا، ان کو بلایا۔ جیسے ہی وہ شعر کی تکرار کرتے تھے حضرت سلطان المشائخ قطب الدین کو وجد آتا تھا۔ یہاں تک کہ تین شبانہ روز اسی حال میں رہے۔ نماز کے وقت از سر نو وضو فرما کر فرض اور سنت موکدہ ادا کرتے تھے اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی تھی یہاں تک کہ حضرت کی ہڈیاں اپنی جگہ پر نہیں رہیں۔

کشتہ خنجر تسلیم

چوتھی شب میں حضرت کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ حضرت کا ہر مبارک حضرت شیخ مجدد عطا حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا اور ان کے پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی گود میں تھے۔ اسی حالت میں شیخ حمید الدین نے عرض کیا

۱۔ در فوائد الفواد ”سجری“ (ص ۲۳۶)، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۱۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۲۳۶ - ۲۳۷۔

کہ حضور کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ اپنے خلفاء میں سے کسی ایک کے محل میں حکم فرما دیجیے کہ جو جناب کی جگہ پر ہو جائے۔ اگرچہ حضرت شیخ (قطب الدین بختیار کاکی) کے فرزند اکبر تھے لیکن حضرت ان کی جانب متوجہ نہ ہوئے اور حکم دیا کہ وہ خرقہ جو حضرت شیخ المشائخ معین الدین سے مجھے ملا ہے خاص مصلیٰ، عصا اور چوٹی نعلین کے ساتھ شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دیں۔

فرید الدین مسعود کی سجادہ نشینی

اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین شہر ہانسی میں قیام پذیر تھے۔ جس رات کو حضرت قطب الملت و الدین نے رحلت فرمائی، اسی رات کو حضرت فرید الملت و الدین قدس سرہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب الملت و الدین کو درگاہ باری تعالیٰ میں بلاتے ہیں۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد وہ علی الصباح دہلی کی جانب روانہ ہو گئے۔ وصال کے دن شیخ محمد عطا حمید الدین ناگوری نے ایک درویش کو ہانسی کی طرف دوڑایا کہ حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کو اس حادثے کی اطلاع دے۔ کہتے ہیں کہ وہ درویش حضرت سلطان المشائخ فرید الدین مسعود سے قصیدہ مہم درہ میں جو کہ ویش آدھ راستے میں ہوکا، ملا۔ درویش مذکور نے وہ خط جو اس کے پاس تھا حضرت کو دیا۔ جب حضرت (فرید الدین مسعود) نے اس خط کو پڑھا تو اس جگہ سے تیز تر روانہ ہوئے، چنانچہ نیسرے روز حضرت سلطان المشائخ قطب الدین کے مقبرے پر پہنچے اور اپنا گرد سے بھرا ہوا چہرہ ان کے مرقد پر ملا۔

حضرت شیخ محمد عطا (حمید الدین ناگوری) اور شیخ بدر الدین نے خرقہ، مصلیٰ، عصا اور چوٹی نعلین اس جگہ حاضر کیے اور حضرت قطب المشائخ و الاولیاء (بختیار کاکی) کی وصیت ان سے بیان کی۔ انہوں نے اس مجلس میں [۳۰] وہ خرقہ مبارک زیب تن کیا، وہ خاص مصلیٰ بچھایا اور دو گانہ ادا کیا اور حضرت سلطان المشائخ و الاولیاء قطب الملت و الدین کے مکان میں قیام فرمایا۔

مرقد کے لیے زمین خریدنا

حضرت خلاصۃ المشائخ شیخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ عید کا دن تھا، حضرت شیخ خواجہ قطب الدین نے عید گاہ سے واپسی فرمائی اور اس جگہ تشریف لائے کہ جہاں اب حضرت کا روضہ مطہرہ ہے۔ اس جگہ تھوڑی سی زمین تھی جہاں کوئی قبر نہ تھی۔ وہاں کچھ دیر کھڑے ہوئے اور غور فرمایا۔ جو

درویش آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ اج عید ہے، خلق خدا انتظار میں ہے کہ آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہو اور کھانا کھائے۔ آپ اس جگہ دیر کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس زمین سے بونے عشق آ رہی ہے، کچھ دیر یہاں ٹھہرو۔ اس زمین کے مالک کو تلاش کیا اور اس کو بلوایا اور مال حلال سے اس زمین کو خریدا اور اپنے دفن کے لیے اس کو معین فرمایا۔

وصال

شیخ المشائخ بدر الدین غزنوی سے منقول ہے کہ جس رات حضرت قطب الملت والدين رحلت فرمائیں گے ان کے ہائے مبارک مری گود میں تھے۔ میں نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ حضرت آسمان کی جانب پرواز کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بیداری میں دیکھا وہ پاک ذات ملک صفات اس خاک دلیوی سے جانب افلاک روانہ ہو گئی یعنی حضرت انتقال فرما گئے۔ ان کا انتقال ۳۰ ربیع الاول بروز پیر ہوا۔

۱۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۵۔

۲۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۷۶۳ھ / ۱۲۳۵ع کو ہوا (اخبار الاحیاء ص ۳۲)، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۲۔
خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء بروز اتوار حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔

شیخ المشائخ والاولیاء فرید الدین مسعود

کل کلزار انوار معانی در درہائے کنج لا مکان
محیط معرفت شیخ خدا ہیں بقا باللہ را سلطان بہ تمکین
مٹے وحدت زجام عشق خورده قدم در عالم لاپوت بردہ
چو فائے فقر را برقاف شد جائے سویدائے دانش شد نقطہ فائے
ہوا کا گشت ہر نامش ہویدا کمال فقر فخری کرد پیدا
ہملک فقر فخری شاہ مقصود فرید الدین و ملت شیخ مسعود
جالی را چہ حد آن کہ اقدام کشاید سوئے مدح آن تکو نام

وہ اولیائے کبار کا خلاصہ، اقیائے اخیار کا انتخاب، تقدیس ربانی کے جنگل کے شیر، تسمیں سبحانی کی شبستان کی شمع، اسرار مشیت خداوندی کے محرم اور انوار الہی کے ہمد، ذاتِ لا نہایت کے قرب سے خوب، مقرب، صفات بیغایت کے نور سے موصوف، اور طاعت خداوندی میں مستغرق تھے۔ سلطان المشائخ فرید الدین مسعود اولیائے کبار میں سے تھے اور طریقہ مشیخت میں صاحب اعتبار تھے۔ وہ عجیب و غریب روش رکھتے تھے۔ بود و باش کا طریقہ بھی خوب تھا۔ کشف و کلمات میں درجہ عظیم اور تسلیم و رضا میں مستقیم تھے۔

والد بزرگوار

ان کے والد بزرگوار جلال الدین سلیمان، [۳۱] سلطان محمود غزنوی کے بھائی، کابل کی طرف سے سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں ملتان آئے۔ ملتان کے اطراف میں کھوتواں نامی ایک قصبہ ہے۔ وہ بزرگوار وہاں کے ناضی ہو گئے۔ وہیں انہوں نے شادی کر لی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے تین بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام اعز الدین محمد، منجھالے کا فرید الدین مسعود اور چھوٹے کا

- ۱۔ لاحظہ ہو سوانح بابا فرید الدین مسعود کنج شکر (وحید احمد مسعود) ص ۶۰ (آگے اس کتاب کا حوالہ "سوانح بابا فرید" سے دیا جائے گا)۔
- ۲۔ وحید مسعود نے بڑا بیٹہ "فرید الدین کنج شکر" کو بتایا ہے (سوانح)۔

محبوب الدین محمد متوکل تھا۔ ان نیک لڑکوں کی والدہ کراسی، وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں۔ وہ صلاحیت و علت میں کامل تھیں اور ان کے کالات و حالات مشہور ہیں۔

والدہ ماجدہ

حضرت شیخ نظام الدین محمد ہدایونی سے منقول ہے کہ: ایک رات ان کی والدہ عبادت و تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور ان کے گھر میں داخل ہوا۔ اس عفت مآب بیبی کے خوف سے وہ اچانک اندھا ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ وہ وہاں سے باہر چلا جائے مگر اندھا ہو جانے کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا۔ اس نے آواز دی کہ میں چور ہوں اور اسباب چرانے کے لیے اس گھر میں آیا تھا۔ اس گھر میں ضرور کوئی ایسی ہستی ہے کہ جس کی دہشت نے مجھے اندھا کر دیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بینائی چشم مجھے دوبارہ عطا ہو جائے تو پھر میں کبھی چوری نہیں کروں گا اور کفر سے اسلام میں داخل ہو جاؤں گا۔ حضرت فرید الحق والدین کی والدہ نے جب اس چور کے یہ الفاظ سنے تو اس کی بینائی کے لیے خدا سے دعا کی۔ اللہ کے حکم سے چور کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔ اس صاحب کمال والدہ کے سوا کسی اور کو اس حال کی واقفیت نہ تھی۔

جب دن نکلا تو ایک شخص اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ آیا اور ان کے لیے دیہی بھی لایا اور کہا کہ میں وہی چور ہوں کہ جو گزشتہ رات اس گھر میں چوری کے لیے آیا تھا اور ایک نیک بیبی یہاں نماز میں مشغول تھیں۔ میں دہشت سے بالکل اندھا ہو گیا۔ میں نے دل میں عہد کیا کہ اگر میں بینا ہو جاؤں تو (آئندہ) ہرگز چوری نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نیک بیبی کی برکت سے میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اب میں آیا ہوں کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسلمان ہو

بابا فرید ص ۶۲ - ۶۶ - خلیق احمد نظامی نے "اعز الدین محمود" لکھا ہے ملاحظہ ہو

The Life and Times of Shaikh Fariduddin-Ganj-i-Shakar

آئندہ اس کا حوالہ "فرید الدین گنج شکر" سے دیا جائے گا۔

۱۔ ان خاتون کا نام قرسم خاتون یا مریم خاتون بتایا جاتا ہے (سوانح بابا فرید ص ۶۶، ۶۷)۔

۲۔ فوائد الفوائد، ص ۲۰۹ - ۲۱۰۔

جائزہ۔ آخر اس نے ایسا ہی کیا اور وہ صالحین سے ہوا، اس نے بہت سی خدمات انجام دیں۔ اب اس کی قبر اسی قصبے میں ہے۔ اس علاقے کے لوگ اس مزار کی زیارت سے بڑی کثرت حاصل کرتے ہیں اور وہ شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الدین مسعود کے والد کی قبر اور حضرت شیخ کے بڑے بھائی اعز الدین مد کا مزار اسی قصبے میں واقع ہے۔

خرقہ ہوشی کے بعد ہانسی والی

حضرت سلطان المشائخ نظام الملک والدین مد ہدایونی سے مشہور ہے کہ حضرت قطب المشائخ والاولیاء بختیار اوشی کی وفات کے بعد حضرت شیخ المشائخ فرید الدین نے جب ان کا متبرک خرقہ پہنا تو ایک ہفتے سے زیادہ سلطان المشائخ (خواجہ بختیار کاکی) کے مکان میں [۳۲] نہ ٹھہرے اور شہر ہانسی کی طرف روانہ ہو گئے۔ کہنے ہیں کہ وہاں (دہلی میں) حضرت نے اپنے پر کے جاعت خانے میں قیام کیا تھا اور دہلی کے لوگوں نے ان کی قدم بوسی کے لیے ہجوم کیا۔ حضرت کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مخلوق تشویش میں پڑے۔

اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، حضرت نماز کے ارادے سے گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک مجذوب کہ جس کا نام سرہنگا تھا مکان کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ وہ مجذوب شہر ہانسی میں اکثر ان کی صحبت سے مشرف ہوتا رہتا تھا اور اس کو ان سے محبت تھی۔ جب اس نے حضرت سلطان المشائخ کو دیکھا تو ان کے پیروں پر گر گیا، سر خاک پر رکھ دیا اور رو کر کہنے لگا کہ شہر ہانسی میں میں نے اکثر آپ سے درم بائے ہیں اور میں (زیارت سے) مشرف ہوا ہوں۔ اب جب آپ نے یہاں قیام فرمایا تو مجھ سے نہ ہو سکا کہ آپ کے چہرہ مبارک کو بغیر دیکھے ہوئے ہانسی میں رہوں۔ آپ کے پیچھے پیچھے میں وہاں سے دوڑا اور یہاں پہنچ گیا۔ مجھے لوگوں نے اجازت نہیں دی کہ آپ کی قدم بوسی حاصل کروں۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس بات نے بہت رغبتہ کیا۔ نماز جمعہ ادا کی اور فرمایا کہ جو نعمت حضرت پر قطب الملک سے مجھے ملی ہے چاہے یہاں رہوں یا وہاں رہوں وہ میرے ساتھ رہے گی۔ یہ گفتگو کی اور شہر ہانسی کی طرف واپس ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے

۱۔ سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو فوائد القواد ص ۳۱۵-۳۱۶، سیرالاولیاء (اردو ترجمہ)

تو وہاں کے خاص و عام کا زیادہ ازدحام ہوا اور لوگ زیارت کے لیے آنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت وہاں سے منتقل ہو گئے اور فرمایا کہ میں یقیناً اسی جگہ قیام کروں گا کہ جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔

سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ جلال الدین ہانسوی اس زمانے میں ان کے خرقہ مبارک سے مشرف ہوئے تھے یعنی خلافت ہائی تھی کہ جب حضرت شیخ الاسلام فرید الدین شہر دہلی سے اپنے پیر قطب الملت کی وفات کے بعد ہانسی کو واپس ہوئے تھے۔

اجودھن میں قیام

مختصر یہ کہ حضرت ملک المشائخ (فرید الدین) شہر ہانسی کے سفر کے بعد قصبہ اجودھن پہنچے کہ جو مشہور شہر دیپالپور کے قریب ہے، وہ ایک خراب مقام تھا وہاں آرام کیا۔ اس قصبے میں لوگ زیادہ تر خراب طبع، بد مزاج اور بد اعتقاد تھے۔ وہاں کسی شخص نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ جگہ اچھی ہے، اس جگہ اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو سکتا ہوں۔ قصبہ سے باہر کچھ درخت تھے، ان میں سے ایک بڑا درخت دیکھا اور اس درخت کے نیچے کمبل بچھا دیا اور وہاں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ وہاں کوئی شخص ان سے مزاحم نہ ہوا اور انہیں اطمینان ملی نصیب ہوا۔

شیخ نصیر الملت والدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ فرید الملت والدین نے اس قصبے میں شادی کی، لڑکے پیدا ہوئے [۳۲] جامع مسجد کے قریب مکان بنوایا، ان کی اولاد وہاں رہتی تھی اور وہ اکثر اوقات اس مسجد میں نہایت استغراق سے مشغول عبادت رہتے، چنانچہ حضرت کی شہرت اطراف و جوانب میں ہو گئی کہ یہ ایسا آفتاب ہے کہ جو قطب الاقطاب ہے اور قصبہ اجودھن میں طلوع ہوا ہے۔ وہ اپنے ظاہر و باطن کے نور کے ہر تہ سے جس پر نظر ڈالتا ہے اس کو منور کر دیتا ہے۔

- ۱۔ بابا فرید کے عزیز خلیفہ تھے۔ خزینۃ الاصفیاء میں (۱ : ۲۸۶) میں سال انتقال ۸۶۵ھ دیا ہے۔ حالات کے لیے دیکھیے اخبار الاخیار ص ۶۷-۶۹، سیر الاولیاء ص ۱۷۸-۱۸۴، گلزار ابرار (آردو) ص ۵۴، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۳-۱۶۴، برہان (دہلی) نومبر دسمبر ۱۹۶۰ء۔
- ۲۔ خیر المجالس ص ۸۹-۹۰۔

منقول ہے کہ جب ان کی زورگی کی شہرت دنیا میں چاروں طرف پھیلی تو سلطان حق نے اس سلطان الاقاق کی طرف یکایک رخ کیا۔ حضرت کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی جماعت یکجا ان کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ ان سے فرماتے دوستو! جب میرے پاس آیا کرو تو الگ الگ آیا کرو تاکہ تم علیحدہ علیحدہ ملاقات کر سکو۔

قاضی اجودہن کی خصوصیت

ستون ہے کہ قصبہ اجودہن کے قاضی کو حضرت سے بہت حسد اور دشمنی ہو گئی اور وہ ہمیشہ مخالفت میں رہتا تھا اور اس مقام کے گروہ ہند حضرات کو وقتاً فوقتاً اشتعال دیتا رہتا تھا، وہ لوگ اس پریشان دل (قاضی) کے اغوا سے حضرت سلطان المشائخ کے لڑکوں کو تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ متوجہ نہیں ہوتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ انتہائے دشمنی کی وجہ سے قاضی نے شہر ملتان کے علماء کو اطلاع دی اور استفتاء لکھا کہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک شخص جو اہل علم سے ہے خود کو درویش کہلوائے، ہمیشہ مسجد میں رہے اور وہاں گانا سنے اور رقص کرے۔ جب یہ استفتاء شہر ملتان کے علماء کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ بات تم نے کس کے متعلق لکھی ہے تاکہ ہم بتائیں۔ قاضی مذکور نے شیخ المشائخ فرید الدین مسعود کا نام لیا۔ جب انہوں نے حضرت (فرید الدین مسعود) کا نام مبارک سنا تو فوراً قاضی مذکور سے انکار کر دیا اور کہا کہ اے قاضی! تو ایسے درویش کا نام لیتا ہے کہ مجتہدوں کو بڑی یہ قوت نہیں ہے کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں اور اس کی مخالفت کریں۔ قاضی مذکور نے جب ان کی بات سنی تو شرمندہ اور پریشان ہوا اور اپنے مقام پر واپس آیا لیکن وہ دشمنی سے باز نہیں آیا۔ جس جگہ حضرت سلطان المشائخ کے لڑکوں یا ان کے معتقدین کو دیکھتا حتی الامکان ان کو تکلیفیں پہنچاتا۔ انہوں نے شیخ المشائخ سے عرض کی کہ قاضی اور یہاں کے گروہ ہند لوگ بہت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، ان کا ظلم و جور حد سے گزر گیا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہی جواب دیا کہ ان کے مظالم برداشت کرو۔ ظالم ہمیشہ تباہ ہوتا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ان کا نشان بھی نہ رہا اور جو لوگ باقی رہ گئے وہ حضرت کے لڑکوں کے مطیع ہو گئے اور اب تک ویسے ہی مطیع ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء [۳۴] بدایونی سے منقول ہے کہ آخر کار وہ بدنہاد و ہولناک قاضی ایک ناپاک اور بے باک قلندر سے ملا اور اس کو کوئی چیز دی اور اس بات پر رضا مند کر لیا کہ جب حضرت عبادت میں مشغول ہوں تو ان کو تکلیف پہنچا کر غائب ہو جائے۔ حضرت سلطان المشائخ کی عادت تھی کہ نماز کے بعد سر خاک پر رکھ دیتے تھے اور دو تین گونٹے تک اسی حالت میں رہتے اگر موسم سرما ہوتا تو ان کے سر مبارک پر آستین ڈال دی جاتی۔

ایک دن کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ چمڑے کا لباس پہنے اور حلقہ کانوں میں ڈالے ایک قلندر وہاں آیا اس نے بڑبڑاتے ہوئے آواز دی اور ان کے نزدیک کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ حضرت شیخ کی وہ حالت جاتی رہی۔ حضرت سلطان المشائخ نے اسی وقت کہ سجدے میں تھے، آواز دی کہ یہاں کوئی نہیں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں آپ کا غلام نظام الدین حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے اسی حالت میں کہا کہ میرے نزدیک ایک قلندر کھڑا ہے۔ میں نے عرض کی کہ ہاں! پھر فرمایا کہ اس کی ذمہ میں ایک زنجیر ہے۔ میں نے اس قلندر کی طرف دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں! پھر فرمایا کہ سفید حلقہ اس کے کان میں ہے۔ میں نے دیکھا تو یہ بھی تھا۔ حضرت شیخ الملت فرماتے ہیں کہ ہر بار جب حضرت سلطان المشائخ کے حکم سے میں اس قلندر کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو متغیر پاتا تھا، یہاں تک ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ نے اسی حالت میں فرمایا کہ مولانا نظام الدین! وہ ایک ٹنکی چھری بغل میں لیے کمر آیا ہے۔ اس سے کہو کہ تو فائدہ نہیں آٹھا سکتا۔ یہاں سے چلا جا۔ قلندر نے جب یہ بات سنی۔ فوراً وہاں سے بھاگا اور غائب ہو گیا۔

بابا فرید کا تحمل

سلطان المشائخ نظام الملت سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ فرید الملت معجودہ پر بیٹھے ہوئے تھے، اسی وقت ایک قلندر پہنچا۔ میں اور مولانا بدر الدین اسحاق حاضر تھے۔ قلندر مذکور حضرت شیخ المشائخ والولیا سے مخاطب ہوا اور سخت آواز سے کہا کہ کیا تو نے اپنے کو بت بنایا ہے اور مخلوق سے اپنی پرستش کراتا ہے؟ حضرت شیخ المشائخ نے فرمایا کہ میں نے نہیں بنایا ہے،

ملائے بزرگ نے بنایا ہے۔ قلندر نے کہا کہ نہیں تو نے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے جواب دیا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کچھ نہیں بنا سکتا مگر حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو نوازتا ہے۔ قلندر مذکور نے جب یہ بات سنی تو سر زمین پر رکھ دیا۔ پھر کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ کے تحمل پر شاہان اور ہمیشہ ہمیش کے لیے آفریں ہو اور جب تک دنیا باقی رہے، یہ تحمل باعزت رہے۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔

تعلیم و بیعت

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت سے منقول ہے کہ جب [۳۵] حضرت سلطان العاشقین قطب الملت و الدین کی خدمت میں (حضرت فرید الدین مسعود) مرید ہوئے تو فرید الدین مسعود اٹھارہ سال کے تھے، قیۃ الاسلام ملتان میں مولانا مساج الدین کی مسجد میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور کتاب نافع جو علم فقہ میں ہے پڑھتے تھے، اسی مسجد میں رہتے تھے اور زہد و تقویٰ میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے، قرآن شریف حفظ کرتے تھے، دن اور رات میں ایک قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ المشائخ قطب الملت بختیار اوشی اس مسجد مذکور میں اتفاقاً تشریف لائے۔ شکرانے کے دو نفل پڑھے اور بیٹھ گئے۔ شیخ المشائخ فرید الملت کی ان کے چہرہ منور پر نظر پڑی۔ دیکھتے ہی اُن کو دل دے دیا اور ان کے قدم مبارک پر سر رکھ دیا۔ حضرت سلطان العاشقین قطب العارفین بختیار نے دیکھا کہ ایک خوبصورت اور خوش اخلاق جوان کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔ ان سے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کونسی کتاب ہے اور اس میں کتنی فصلیں اور باب ہیں؟ سلطان المشائخ فرید الملت نے جواب دیا کہ اس کتاب کو نافع کہتے ہیں۔ حضرت قطب الملت و الدین نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب نافع ہوگی۔ فوراً حضرت شیخ المشائخ فرید الملت نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو حضرت

۱۔ کتاب نافع فقہ حنفی کی کتاب ہے جس کے مؤلف ابوالقاسم بن یوسف الحسینی ہیں۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری کی نظر سے مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی (ضلع بہاول نگر) کے کتب خانے میں گزرا ہے جو ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۵۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ دیکھئے البلاغ کراچی جادوی الاولیٰ

علوم کی خدمت میں نفع حاصل ہوگا۔ اسی وقت حضرت شیخ المشائخ فرید الدین شرف ارادت سے مشرف ہوئے اور سعادت جاودانی حاصل کی۔

قولیت

سنا گیا ہے کہ جب حضرت قطب الملت والدین اوشی شہر ملتان سے دارالخلافہ دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو تین منزل تک حضرت شیخ المشائخ قطب الملت والدین ساتھ رہے۔ اس جگہ حضرت قطب المشائخ بختیار اوشی نے حکم دیا کہ اے بابا فرید! اس ترک و تجرید کے ساتھ کچھ عرصے تک علم ظاہری میں مشغول رہو۔ اس کے بعد دہلی آؤ اور میری صحبت میں رہو۔ مجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ تم وہاں پاؤ گے۔ حضرت ملک المشائخ فرید الملت والدین نے اُن کے حکم سے ایسا ہی کیا اور وہاں سے شہر قندھار چلے گئے۔ پورے پانچ سال تک تحصیل علوم کی۔ ان کی طبع مبارک نے علم لدنی کے چشمے جاری کر دیے اور وہ وہاں سے دہلی کو واپس ہوئے۔ قطب الملت والدین وہاں موجود تھے۔ وہ چند روز میں اس مقام سعادت انجم (دہلی) پر پہنچ گئے اور پیر منتظر خواجہ قطب الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے چنانچہ قطب المشائخ ان کے پہنچنے سے بے حد خوش ہوئے۔

(دہلی میں) غربی دروازے کے نزدیک ایک برج ہے، اس برج کے نیچے ایک حجرہ بنا کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے [۳۶] اور دو ہفتے کے بعد پیر منتظر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے برخلاف بعض درویش مثلاً شیخ بدرالدین غزنوی اور شیخ احمد نہروالی ہمیشہ حضرت شیخ الملت والدین کی خدمت میں رہتے تھے۔

جب شہر دہلی میں ان کی بہت شہرت ہوئی اور مخلوق نے اس صاحب کمال کے حال میں مزاحمت کرنی شروع کی تو پھر حضرت قطب الملت والدین سے اجازت و رخصت لے کر ہانسی چلے آئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ تحریر ہے

- ۱۔ خبر المجالس ص ۲۲۰ - ۲۲۱، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۵۶۔
- ۲۔ شیخ احمد نہروالی بڑے پایہ کے شیخ تھے۔ پارچہ باقی ذریعہ معاش تھا۔ جس مجلس میں حضرت خواجہ بختیار کاکی کا وصال ہوا تھا اس میں موجود تھے۔ ۸۶۸۱ھ / ۱۱۸۲ء میں ہدایوں میں انتقال ہوا۔ فوائد الفوائد ص ۲۸۹، اخبار الاخیار ص ۴۷، خبر المجالس ص ۲۷۶۔
- ۳۔ نسخہ اول میں شیخ بدر الدین اور احمد نہروالی کے نام نہیں ہیں (ص ۶۹)۔

کہ اپنے ہر بے نظیر (قطب الدین کاکی) کے انتقال کے بعد دہلی آئے اور پھر بالسن
جائے گئے اور وہاں سے قصبہ اجودھن پہنچے اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔

ایک فقیر کی گستاخی

حضرت نصیر الملت والدین اودھی سے منقول ہے کہ میں نے اپنے ہر
نظام الملت والدین سے سنا ہے کہ ایک دن ایک درویش گدڑی پہنے ہوئے شیخ المشائخ
فرید الدین کی خدمت میں پہنچا۔ شیخ نے اس کو کچھ دلوایا اور جانے کو کہا۔
فقیر کھڑا رہا، اس نے دیکھا کہ شیخ کے مصلے پر شانہ دان میں ایک کنگھی
رکھی ہے۔ اس نے کہا کہ اے شیخ یہ کنگھی مجھے دے دو۔ چونکہ شیخ الاسلام
کے پاس وہی ایک کنگھی تھی، انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر اس فقیر نے
بڑے زور سے سخت آواز میں کہا کہ اے شیخ اگر تو یہ کنگھی مجھے دے تو
مجھے مجھ سے برکت حاصل ہو۔ اس کے بعد شیخ المشائخ فرید الحق نے فرمایا کہ
میں نے تجھے اور تیری برکت کو بہتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد وہ فقیر ان
کے سامنے سے چلا گیا۔ قصبہ اجودھن کے پاس دریا جاری ہے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو
اس نے گدڑی اتاری اور غسل کے لیے دریا میں آدرا۔ وہ دریا میں ایسا ڈوبا کہ اس
کا نشان بھی نہ ملا۔

متصرف کی دشمنی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن کا
متصرف اس مقام کے قاضی سے میل رکھتا تھا اور ہمیشہ شیخ کی اولاد اور ان کے
عزیزوں کو تکلیفیں پہنچاتا رہتا تھا۔ حضرت شیخ کو ہمیشہ یہ خبر پہنچتی مگر
شیخ توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب ان کی جانب سے تکالیف انتہا کو پہنچ گئیں تو
مولانا شہاب الدین نے جو حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے تھے عرض کیا کہ
آپ کی یہ بزرگی ہمیں یہی فائدہ دیتی ہے کہ دن رات قصبے کے متصرف کی دشمنی
کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا ہیں۔ شیخ نے وہ عصا جو ان کے سامنے رکھا تھا،
اٹھایا اور زمین پر مارا۔ اسی وقت متصرف مذکور کے پیٹ میں درد اٹھا۔ اس نے کہا
کہ مجھ کو اٹھا کر شیخ کے دروازے پر لے چلو۔ دروازے تک نہیں آنے پایا تھا
کہ مر گیا۔

۱۔ وحید احمد مسعود کا خیال ہے کہ بابا فرید ۵۴۳ھ سے ۵۴۴ھ تک بالسی
موجود ہے ۵۴۵ھ میں اجودھن آئے (سوانح بابا فرید ص ۹۱، ۹۲، ۱۰۱ و مابعد)۔

ایک ظالم کی اصلاح

حضرت نظام الدین قدس سرہ سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن میں ایک عامل منشی تھا مگر اس علاقے کا گورنر عامل مذکور کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ عامل شیخ کامل فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش کی درخواست کی کہ والی مذکور مجھے ہمیشہ تکلیف دیتا رہتا ہے اور کسی طرح تکلیف پہنچانے سے باز نہیں آتا۔ حضرت شیخ نے [۳۷] اپنے خادم کو اس گورنر کے پاس بھیجا اور کہلوا دیا کہ اس درویش کی (میری) خاطر سے اس مظلوم منشی پر رحم کر۔ رئیس مذکور انھی مظالم پر قائم رہا اور پہلے سے زیادہ ریخ و تکلیف پہنچانے لگا۔

وہ عامل پھر شیخ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے غلام! اس رئیس نے آپ کی منت کو نہیں سنا بلکہ تکالیف کے پہنچانے میں زیادتی کر دی۔ حضرت شیخ نے اس منشی سے فرمایا کہ میں نے تیری سفارش کی، اس نے نہیں سنی، شاید کسی نے کسی مظلوم کی شفاعت قبھ سے کی ہوگی اور تو نے نہیں سنی ہوگی۔ وہ عامل وہاں سے اٹھا اور حضرت شیخ سے دعا چاہی کہ میں آج کے بعد کسی شخص کو ریخ نہیں پہنچاؤں گا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا خدمت کروں گا اور اگر کوئی کسی کے لیے سفارش کرے گا، خواہ وہ میرا دشمن ہی کیوں نہ ہو، اس سے ریخ نہیں بھیروں گا۔ اس دوران میں اس والی (گورنر) نے عامل مذکور کو گھوڑا اور خلعت مرحمت کیا اور ملک المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بھی توبہ کر لی۔

ایک نوجوان کا گناہ سے باز رہنا

حضرت نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ شہر دہلی سے ایک جوان قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہوا تاکہ سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں جا کر تائب ہو جائے اور ارادت کا شرف حاصل کرے۔ اس کو راستے میں ایک پریشان حال غریب صورت مغنیہ ملی۔ وہ مطربہ اس فکر میں تھی کہ اس جوان سے تعلق پیدا کرے۔ چونکہ وہ جوان درست نیت رکھتا تھا اس لیے اس مطربہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا یہاں تک کہ ایک منزل پر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ جوان اور وہ فاسقہ مغنیہ دونوں ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ وہ مطربہ گاڑی میں اس جوان کے نزدیک آ کر اس طرح بیٹھ گئی کہ ان دونوں کے درمیان حجاب اور رکاوٹ نہ رہی۔ مطربہ مذکور نے ناز و غمزہ شروع کیا۔ ان حرکتوں سے اس جوان کا دل قدرے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

اور آہستہ سے اس جوان نے اپنا ہاتھ اس مطربہ کی طرف بڑھایا ۔ اس وقت اس نے ایک مرد کو دیکھا کہ فوراً ظاہر ہوا اور اس نے اس جوان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں توبہ اور ارادت کی نیت سے جا رہا ہے اور دل میں فسق و فجور کی طرف مائل ہے ۔ یہ (کہہ کر) وہ غائب ہو گیا ۔ اس جوان نے جب یہ واقعہ دیکھا تو وہ کڑی سے آذر آیا اور متنبہ ہوا ۔

جب وہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدین کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے پہلی بات جو اس جوان سے کہی یہ تھی کہ تجھ کو خدا تعالیٰ نے اس روز کہ جب تو مطربہ کی طرف مائل ہوا تھا اپنے فضل سے محفوظ رکھا ۔ اس کے بعد اس کو مرید کیا ۔

بابا فرید کی دعا سے مرہض کو صحت

حضرت شیخ المشائخ نظام الملت والدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان الاولیاء فرید الملت والدین مسعود کے ایک مرید مجد شاہ غوری تھے ۔ کہتے ہیں کہ وہ مجھے اور نیک آدمی تھے ۔ ایک مرتبہ شیخ المشائخ مذکور کی خدمت میں نہایت پریشان ، حیرت زدہ اور فکر مند پہنچے ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت نے [۳۸] ہوچھا کہ اے مجد شاہ کیا بات ہے کہ اس درجہ پریشان اور حیران ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا ایک حقیقی بھائی ہے وہ اتنا بیمار ، پریشان اور علیل ہے کہ مرنے کے قریب ہے ۔ جب آپ کی خدمت میں آیا ہوں ، عجب نہیں کہ ختم ہو گیا ہو ۔ اس کی وجہ سے میں پریشان ہوں ۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدین نے فرمایا کہ اے مجد شاہ جس طرح تو اس وقت حیران و پریشان آیا ہے ، میں تمام عمر محبت حق میں اسی طرح رہتا ہوں اور کسی سے ظاہر نہیں کرتا ہوں ۔ اسی وقت ان کو حکم دیا کہ گھر جاؤ ، انشاء اللہ تمہارے بھائی کو صحت ہو جائے گی ۔ اسی وقت مجد شاہ غوری ان کے پاس سے اٹھے اور اپنے گھر پہنچے ۔ دیکھا کہ ان کا بھائی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا کوپا اس کو کوئی تکلیف اور بیماری ہی نہ تھی ۔

بابا فرید پر جادو

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ (بابا فرید) مسعود کو سخت تکلیف اور بیماری ہوئی ۔ یہاں تک کہ بھوک بالکل جاتی رہی ۔ شیخ المشائخ نے چند روز تک نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا ۔ فرزند ، مرید اور معتقد جمع ہوئے

اور طبیعوں کو بلایا۔ انہوں نے جب سلطان المشائخ کی نہیں دیکھی تو کہا کہ ہم کو نہیں اور فارورے سے کوئی بیماری نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت کو کیا بیماری ہے۔ مجبوراً (اطباء) واپس چلے گئے۔

دوسرے دن حضرت شیخ کی تکلیف زیادہ بڑھی۔ انہوں نے سب دوستوں کو بلایا۔ حضرت شیخ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میں بھی اس جماعت میں حاضر تھا۔ حضرت سلطان المشائخ نے مجھ سے، شیخ بدر الدین سلیمان سے کہ جو شیخ المشائخ فرید الملت کے فرزند تھے اور دوسرے مریدوں سے فرمایا کہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں میری صحت کے لیے دعا کرو۔ ہم سب چلے آئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔

اس رات کو بدر الدین سلیمان نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان سے کہتے ہیں کہ شہاب ساحر کے لڑکے نے جادو کیا ہے۔ قصبہ اجودھن میں ایک شخص تھا اس کو شہاب ساحر کہتے تھے، وہ جادو گری میں مشہور تھا۔ اس کے بعد شیخ بدر الدین نے ان بزرگ سے پوچھا اس کام کی تدبیر کیا ہے اور یہ سحر کس طرح دور ہو سکتا ہے؟ بزرگ نے فرمایا کہ ایک شخص شہاب کی قبر پر جا کر بیٹھ جائے اور انہوں نے چند کلمات خواب میں پڑھے کہ ان کلمات کو اس کی قبر پر پڑھے۔ شیخ بدر الدین سلیمان نے ان کلمات کو خوب یاد کر لیا۔ وہ کلمات یہ تھے:

ایہا المقبور المبتلیٰ اعلمی بان ابنک
قد سحر و اذى فقل له [۳۹] لیکن ہاسہ عنا
و الا تلحقہ بالحق بنا

اس کے یہ معنی ہیں کہ اے وہ شخص جو قبر میں رکھ دیا گیا ہے اور آزما لیا گیا ہے، جان لے کہ درحقیقت تیرے لڑکے نے جادو کیا ہے اور تکلیف پہنچائی ہے۔ پس اس سے کہو کہ باز آئے اور اس سحر کو ہم سے علیحدہ کر دے۔ اگر تو نہیں کہے گا تو اس چیز سے متصل ہو جائے گا جو چیز ہم سے متصل ہے۔

جب دن ہوا تو شیخ نظام الملت و الدین ان دوستوں کے ساتھ جو حضرت شیخ کے حکم سے مشغول عبادت ہوئے تھے شیخ بدر الدین سلیمان کی خلعت میں گئے۔ (دوستوں نے) صورت حال بیان کی کہ شیخ بدر الدین سلیمان نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے نظام الملت و الدین کو بلایا

اور حکم دیا کہ ان کلمات کو یاد کر لو اور جاؤ شہاب ساحر کی قبر لوگوں سے بچو اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھو۔ ان کے حکم سے شیخ نظام الملک والدین گئے، شہاب ساحر کی قبر معلوم کی۔ وہ مشہور تھی، ہر شخص نے بتلادی۔ اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ گئے اور یہی کلمات پڑھے اور زمین پر ہاتھ مارا۔ اس قبر کی زمین کچ (بڑھ) کر دی گئی تھی، اس قبر کے سرہانے کچ کے اوپر کھوڑی سی مٹی تھی اس پر ہاتھ مارا۔ اتنا ہی اس کو کریدا، مٹی بٹ گئی، اس طرح گویا کہ اس کے نیچے بھی مٹی تھی اور زیادہ کریدا یہاں تک کہ ان کا ہاتھ اندر چلا گیا۔ شیخ مذکور فرماتے ہیں کہ جب وہ مٹی دور ہو گئی اور میرا ہاتھ اندر چلا گیا تو میں نے زیادہ تلاش کی۔ ایک چیز میرے ہاتھ میں آئی، اس کو میں نے باہر نکال لیا۔ آئے کا ایک بت بنایا تھا اور اس میں سوئیاں چبھو دی تھیں اور گھوڑے کی دم کے بال اس بت پر مضبوط بالندہ دیئے تھے۔ میں اس آئے کے بت کو شیخ المشائخ فرید الملک کے حضور میں لے گیا۔ حضرت شیخ نے حکم دیا کہ وہ سوئیاں اس بت سے نکال لو اور ان بالوں کو جو بندھے ہوئے ہیں کھول لو۔ میں جو سوئی کھینچتا تھا، اس سے ان کی تکلیف کم ہوتی تھی اور آرام ملتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام سوئیاں نکال لیں اور ان بالوں کو کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت شیخ کو صحت کلی ہو گئی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس بت کو توڑ دو اور دریا میں ڈال دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔

جب یہ بات قصبہ اجودھن کے حاکم کو معلوم ہوئی تو اس نے اس جادو گر کو جس نے یہ حرکت کی تھی، گرفتار کر کے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا اور اعلان کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ حضرت شیخ حکم دیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی ہے، میں نے بھی اس کے شکرانے میں اس کو معاف کر دیا اور اس کی خطا کو بخش دیا۔ تم بھی کوئی تعرض نہ کرو۔

درویشوں کی کچ خلقی اور اس کا انجام

حضرت نظام الملک والدین سے منقول ہے [۴۰] کہ جس زمانے میں میں حضرت فرید الملک والدین کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک دفعہ ہاج درویش ان کی خدمت میں پہنچے۔ وہ درویش کچ خلقی اور بہت باتونی تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت کے پاس سے اٹھے اور یہ بات کہی کہ ہم ساری دنیا میں گھومے پھرے

لیکن جیسے درویش کہ چاہے ویسا ہمیں نہیں سلا۔ درویشی کا دعویٰ کرتے والے
 چند لوگ جہوں نے اپنے آپ کو درویش مشہور کر رکھا ہے ملتے ۔
 حضرت فرید الملت والدین نے فرمایا کہ اسے درویشو ! تھوڑی دیر یہاں
 بیٹھو (کچھ قیام کرو) تاکہ میں تمہیں درویش دکھاؤں ۔ کھانا پیش کیا مگر وہ
 وہاں سے چل دیے حضرت شیخ نے فرمایا کہ خبر جب یہاں سے جائے ہو تو دوسرے
 راستے سے چلنا کہ جو آباد ہے ۔ وہ لوگ چونکہ ہریشان تھے انہوں نے حضرت کی
 گفتگو کی طرف متوجہ نہیں کی اور چل پڑے ۔ حضرت نے ایک شخص کو ان کے پیچھے
 دوڑایا کہ وہ معلوم کرے کہ کس راستے سے گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص جو
 ان کے پیچھے دریافت حال کے لیے گیا تھا ، یہ خبر لایا کہ وہ لوگ جنگل کے راستے
 سے گئے ۔ حضرت شیخ نے جب یہ خبر سنی تو بہت روئے اور فرمایا انا للہ وانا الیہ
 راجعون ۔ یہاں تک کہ خبر آئی کہ ان پانچوں آدمیوں کو لو لگ گئی ، چار ایک
 ساتھ مر گئے ۔ ان میں سے ایک کسی کنوئیں پر پہنچا ، اس نے پانی بہت پی لیا اور
 ویرن سو گیا (مر گیا) ۔

بالوں کی درازی درویشی نہیں

سلطان الاولیاء نظام الملت والدین سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم
 کہ جس کا نام نصیر الدین تھا ، شیخ الاسلام فرید الملت والدین کی خدمت میں
 پہنچا ۔ شاید تجارت کی نیت رکھتا تھا اور رعونت و خواری سے خالی نہیں تھا، اس فکر
 میں تھا کہ سر کے بال بڑھا لے ۔ ایک دن ایک جوگی (حضرت کے) جہات خانے میں
 آیا ۔ اس جوگی سے طالب علم (نصیر الدین) پوچھنے لگا کہ سر کے بال کس چیز سے
 بڑھتے ہیں ؟ حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت والدین فرماتے ہیں کہ جب میں نے
 اس طالب علم سے اس قسم کی گفتگو سنی کہ بالوں کو بڑھانے کے لیے جوگی کی
 جانب متوجہ ہے تو مجھ کو کراہت ہوئی کہ یہ طالب علم شیخ المشائخ کی خدمت
 میں کیوں آیا ہے اور بالوں کی درازی کے لیے جوگی کی طرف کیوں متوجہ ہے ۔
 حدیث ہے :

تحت کل الشعرة جنابة ہر ہر بال کی جڑ میں ناہاکی ہے

مختصر یہ کہ اس زمانے میں خواجہ وحید الدین جو حضرت شیخ الاسلام خواجہ
 معین الدین سجزی کے ہوتے تھے ، حضرت فرید الملت والدین کی خدمت میں آئے
 اور بیعت کی درخواست کی اور بال مندوانے کے لیے عرض کیا ۔ حضرت شیخ فرید

الملت والدين نے فرمایا کہ میں نے تمہارے خاندان کے دسترخوان سے روٹی کے ٹکڑے چنے ہیں (یہ بزرگی حاصل کی ہے) یہ بے ادبی ہے کہ تم میری بیعت کرو اور میں تم کو اپنا مرید بنائوں۔ خواجہ وحید الدین مذکور نے زمین پر سر رکھ دیا، بہت روئے اور کہا کہ اے آقا! آپ کی طرح مرشد اس زمانے [۱۴۰۰] میں کہاں مل سکتا ہے کہ جس کی بیعت و ارادت کے لیے جائیں اور سعادت حاصل کریں اور میں حضرت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ جب حضرت شیخ الاسلام فرید الحق نے خواجہ وحید الدین کی گریہ و زاری اس درجہ دیکھی تو ان کو شرف ارادت بخشا اور اپنے خرقہ خاص سے اس منبع اخلاص (خواجہ وحید الدین) کو نوازا اور بال منڈوائے۔ اس زمانے میں نصیر الدین طالب عام نے بڑی کہ جو بالوں کی درازی کی فکر میں تھا، بیعت کے لیے عرض کیا اور بیعت کی سعادت حاصل کی، بال منڈوا دیے اور جو کچھ تجارت کی نیت سے وہ دولت اپنے پاس رکھتا تھا وہ سب درویشوں میں صرف کر دی اور اس نے درویشی اختیار کر لی۔

ایک قلندر کا واقعہ

حضرت شیخ المشائخ نصیر الدین محمود اودھیؒ سے منقول ہے جو انہوں نے خیر العجائب میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ المشائخ فرید الملت والدين اپنے حجرہ مبارک میں عبادت الہی میں مشغول تھے، ناگہ ایک قلندر پہنچا، خادم نے حجرے کے دروازے پر ایک کمبل بچھا دیا کہ حضرت شیخ اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ (قلندر) اس پر بیٹھا، حضرت بدر الدین حاضر تھے، کچھ کھانا لائے اور قلندر کے سامنے رکھ دیا۔ جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو اس نے مولانا بدر الدین سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت شیخ کو دیکھوں۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس وقت حضرت شیخ عبادت میں مشغول ہیں، کسی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اسے وقت میں وہ حجرے میں جائے اور ان کو اطلاع دے۔ اس قلندر نے ایک سبز گھاس البان کہ یہ قوم اس کی طرف منسوب ہے، نکالی اور اپنے کشکول میں ڈالی اور اس کے خمیر کرنے میں مشغول ہوا۔ یہاں تک کہ اس کا عرق حضرت شیخ کے کمبل پر گرنے لگا، شیخ بدر الدین اسحاق آگے بڑھے، قلندر سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے درویش! حد سے زیادہ بے ادبی نہیں کرنی چاہیے۔ اس جگہ سے اٹھ اور کسی دوسری طرف چلا جا۔ قلندر مذکور نے چیخ ماری۔ اس نے کشکول

اٹھایا اور شیخ بدر الدین کے مارنا چاہا۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین نے جو حجرہ خاص میں مشغول عبادت تھے، اس بات کو اپنے نور باطن سے معاموم کر لیا اور فوراً حجرہ خاص سے باہر تشریف لائے، قلندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ اس کو میری وجہ سے بخش دو۔ قلندر نے کہا کہ درویش ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں اور جب الٹا لیتے ہیں تو نیچا نہیں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس دیوار پر مار دو۔ قلندر نے کشکول دیوار پر مار دیا وہ دیوار فوراً گر گئی۔ قلندر نے اپنا سر نیچا کر لیا اور اپنا راستہ لیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مولانا بدر الدین سے فرمایا کہ اکثر عام لوگوں کے لباس میں خاص ہستیاں بھی ہوتی ہیں۔ جس گھاس کا وہ خمیر کر رہا تھا، یہ وہ نہیں تھی کہ جس کو قلندر استعمال کرتے ہیں (۴۲) شاید وہ آزمائش کے لیے آیا ہوا۔

بابا فرید کی دھا سے باز کی واپسی

شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ اجودھن سے چار فرسخ کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ وہاں ایک قشال خانی، ترک حاکم تھا۔ اس کے پاس ایک باز تھا جو ہرندوں کے شکار میں طاق تھا۔ ترک مذکور اس باز کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اس نے وہ باز، میر شکار کے سپرد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اس باز کو میری موجودگی کے بغیر ہرگز کسی جانور پر نہ چھوڑنا، ایسا نہ ہو کہ یہ اڑ جائے اور پھر واپس نہ آئے۔ اگر میرے حکم کو نہ مانا تو اپنی اور اپنی اولاد کی طرف سے ہاتھ دھو لینا۔

اتفاق سے وہ میر شکار اپنے دوستوں کے ساتھ کھوڑے پر سوار گھوم رہا تھا، ناگہ چند سفید کلنگ ان کے اوپر سے گزرے۔ دوستوں نے خوشامد کی اور کہا کہ سات کلنگ جا رہے ہیں۔ اس باز کو جو تمہارے پاس ہے ان پر چھوڑ دو، شاید ہم کباب بنائیں۔ میر شکار نے دوستوں کو جواب دیا کہ میرے آقا نے سخت تاکید کر دی ہے کہ تا وقتیکہ میں موجود نہ ہوں اس باز کو ہرگز کسی جانور پر نہ چھوڑنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تیز اڑے اور غائب ہو جائے۔ کیا معلوم کہ جب ہم باز اڑائیں تو یہ کم ہو جائے۔ میرا آقا ترقی ہے اور بہت پیاک و غضبناک۔ اگر باز کم ہو گیا تو مجھ کو اور میری اولاد کو مار ڈالے گا۔ دوستوں نے پھر کہا کہ

ہم اس بارہ سوار ہیں اور تیز رفتار گھوڑے رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونے دین گے کہ باز غائب ہو جائے۔

مختصر یہ کہ جب انہوں نے بہت خوشامد کی تو میر شکار نے باز چھوڑ دیا اور کنگوں کی طرف اڑایا۔ کنگ ایک طرف کو چلے گئے، باز دوسری طرف کو چلا گیا اور برابر اویٹا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا۔ ہر ایک دوست اس کی تلاش میں ادھر ادھر گیا اور میر شکار روتا اور کھڑے بھاڑتا ہوا نہایت پریشانی اور رنج و غم میں قصبہ اجودھن کے نزدیک پہنچا اور اسی حالت میں حضرت شیخ المشائخ فرید الملت کی خدمت میں آیا۔ جب حضرت کو دیکھا، ایک آہ بھری اور ماتمیوں کی طرح ہرے حالوں زار زار رونے لگا۔ حضرت شیخ المشائخ نے سہربانی سے اس کو اپنے سامنے بلایا، بٹھایا اور پوچھا کہ تیرا یہ رونا پیشا کس وجہ سے ہے؟ اس نے باز کا حال ان کی خدمت میں بیان کیا کہ اے مخدوم! ظالم و جابر خونخوار ترک نے ایک باز میرے سپرد کیا تھا اور اس نے بے حد وصیت و تاکید کر دی تھی کہ اس باز کو میری عدم موجودگی میں نہ اڑایا۔ مجھ سے میرے چند دوستوں نے اصرار کیا اور میں نے ان کی خوشامد کی وجہ سے اس باز کو اڑایا چنانچہ وہ اڑا، نظروں سے غائب ہوا اور کم ہو گیا مجھے یقین ہے کہ اگر باز مذکور میں نے اس کے سپرد نہ کیا تو وہ مجھ کو اور میری اولاد کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میرا خیال ہے [۴۳] کہ جو گھوڑا اور لباس میرے پاس ہے، اس کو چھوڑ دوں اور جلاوطن ہو کر کہیں چلا جاؤں اور کسی کوئے میں مر جاؤں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ ترک میرے بیٹوں اور متعلقین کا خون بہا دے گا اور ان کو خاک میں ملا دے گا۔

حضرت شیخ نے جب اس کی یہ گفتگو سنی تو کچھ کھانا منگایا اور فرمایا کہ یہ کھانا کھاؤ۔ شاید اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری دل جمعی کر دے اور وہ باز تمہارے سپرد کر دے۔ میر شکار نے روٹی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا لیکن گلا خشک ہونے کی وجہ سے نگل نہیں سکا۔ جب حضرت شیخ نے میر شکار کا اضطراب اور پریشانی اس درجہ دیکھی تو اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ تیرا یہ باز قلعے کے کنگورے پر بیٹھا ہے جا اور پکڑ لے۔ جب میر شکار نے باز کو دیکھا تو اپنا سر حضرت کے قدموں سے ملا اور باز کو پکڑ لیا۔ پھر شکریہ ادا کرنے کے لیے شیخ بزرگوار کی خدمت میں آیا اور جس گھوڑے پر سوار تھا اسے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ تو گھوڑے پر سوار

ہو کر اپنے گھر جا اور باز کو اس کے مالک کے سپرد کر دے اور گھوڑے کو فروخت کر کے نصف قیمت میرے پاس لا تاکہ اس کی قیمت کی رقم نصف نصف ہو جائے اور میرے اور تیرے درمیان حق برادری پورا ہو جائے۔

ترک مذکور نے باز کے گم ہو جانے کی خبر سن لی تھی اور باز کی اولاد سے تعرض شروع کر دیا تھا۔ اچانک دوسرے روز میر شکار باز نے کر اپنے اقا کے پاس پہنچا۔ جب اس نے باز کو دیکھا تو میر شکار کو اپنے پاس بلا یا اور باز کے گم ہو جانے کا حال دریافت کیا۔ اس نے اپنا تمام ماجرا اور حضرت سلطان المشائخ کی کرامت اس ترک کے سامنے بیان کی۔ ترک نے جب پورا قصہ سنا تو کہا سبحان اللہ! حضرت شیخ فرید الدین مسعود ایسے بزرگ ہیں کہ جن کا (بہ حال) دیکھا۔ تم کو چاہیے کہ فوراً واپس جاؤ اور چند سنہرے سکے ان کی خدمت میں میری جانب سے شکرانے میں پیش کرو اور حضرت سے میرے لیے دعائے خیر کی التجا کرو۔ اس کے بعد میر شکار نے عرض کیا کہ اے اقا! مجھ کو ان کے حضور میں جانا لازمی ہے کیونکہ جب میں نے ان کی یہ کرامت دیکھی تو میں نے اپنا گھوڑا شکرے میں پیش کیا، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ گھوڑا بھی ہم نے تجھے بخش دیا۔ اس کی نصف قیمت میرے پاس لاؤ۔ آپ جو نذرانہ سیری معرفت ان کے پاس بھیج رہے ہیں، مجھ کو بھی گھوڑے کی نصف قیمت ان کے حضور میں ضرور پہنچانی چاہیے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

اس واقعہ سے پہلے شیخ بزرگ کی طرف سے وہ ترک اچھا عقیدہ نہیں رکھتا تھا وہ (ترک) بالآخر آیا اور ان کا مرید ہو گیا۔ اور خدا ہرست ہوا۔ اس دوران میں میر شکار بھی مرید ہو گیا، اس نے دنیا ترک کر دی اور جب تک وہ زندہ رہا، حضرت کی خدمت میں رہا۔

روغن گری بیوی کی بازبالتی

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت والدين محمود اودھي^{رحمہ اللہ} سے منقول ہے [۴۴] کہ قصبہ اجودھن کے اطراف میں ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں ایک مسلمان قبیلہ رہتا تھا۔ اتفاق سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ شہر دیپال پور کے داروغہ نے اس گاؤں کو تباہ کر دیا اور اس گاؤں کے تمام لوگوں کو قید کر لیا۔ اس قبیلہ کی بیوی نہایت حسینہ و جمیلہ تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ عورت بھی اس گاؤں کی تباہی میں کسی کے ہاتھ پڑ گئی۔ ہر چند اس قبیلہ نے بادیدہ گریاں و سینہ بریاں اس عورت کی ہر طرف تلاش کی مگر ہتہ نہ چلا۔ اس نے نہایت رنجیدہ اور شرمگین

ہو کر سلطان المشائخ فرید الحق والدین کی جانب رخ کیا اور نہایت رنج و ہوشیاری کی حالت میں حضرت شیخ کے پاس آیا۔ حضرت نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کی ہوشیاری کا سبب دریافت کیا۔ اس نے اپنا تمام قصہ جس طرح گزرا تھا، بیان کیا۔ حضرت شیخ نے تھوڑی دیر غور کیا اور حکم دیا کہ کھانا لائیں اور اس تیلی کے سامنے رکھیں۔ ایسا ہی کیا گیا چونکہ وہ تیلی نہایت پریشان اور رنجیدہ تھا کھانے کی طرح اس نے توجہ نہیں کی اور اس نے نوالہ نہیں اٹھایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کھانا کھاؤ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ تیری خاطر جمع کر دے اور اس عورت کو تجھ تک پہنچا دے۔ تیلی نے جب یہ بات سنی تو اس کے دل کو کسی قدر تسکین ہوئی لیکن وہ غم و اندوہ پورے طور سے دور نہ ہوا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تین روز تک میرے پاس رہو۔ دیکھو خدا تعالیٰ پردہ غیب سے کیا ظاہر کرتا ہے۔ مجبوراً اس تیلی نے ایسا ہی کیا تیسرے دن لوگ ایک منشی کو پکڑ کر قصبہ الجودھن میں لائے۔ وہ شاید اس جگہ کا ناظم تھا کہ جو مقام اس اسیر سے متعلق تھا کہ جس نے اس کاؤں کو تباہ کرایا تھا۔ مختصر یہ کہ اس منشی نے اپنے محافطوں سے خوشامد کی اور کہا کہ اگر آپ مجھ کو حضرت فرید الدین کی خدمت میں پہنچا دیں تو آپ کو ایک اعلیٰ چیز دوں۔ محافطوں نے ایسا ہی کیا، اس کو حضرت شیخ کے پاس لائے۔

اس منشی نے اپنا حال حضرت سے بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ داروغہ جس نے تجھ کو قید و بند میں ڈالا ہے تجھ پر بے حد شفقت و عنایت کرے تو میرے پاس کیا شکرانہ بھیجے گا۔ منشی نے عرض کیا کہ میرے پاس جو کچھ مال و اسباب ہے وہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ حضرت شیخ فرید الملک والدین نے فرمایا کہ وہ شکرانہ بھی میں نے تجھ کو بخش دیا۔ وہ فتنہ پرداز داروغہ تجھ کو آزاد کر دے گا، خلعت فاخرہ دے گا اور ایک کنیز بھی تجھ کو دے گا تو یہ وعدہ کر کہ وہ کنیز تو اس روغن گر کو بخش دے گا۔ اس منشی نے صدق دل سے منظور کیا اور روغن گر سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو میں ایسا ہی کروں گا [۵۵] جو حضرت شیخ کا حکم ہے۔ وہ تیلی اس بات کو سن کر رونے لگا اور غرہی کہا کہ اے شیخ المشائخ اس وقت میرے پاس اس قدر دولت ہے کہ آٹھ اچھی کنیزیں خرید سکتا ہوں لیکن میں اپنی زوجہ کا عاشق اور شیدائی ہوں اور اس

کی جگہ میں مضطرب ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ غیر تو اس منشی کے ساتھ چلا بنا دیکھ خدا تعالیٰ ہر حق محبوب سے کیا ظاہر کرتا ہے۔ مجبوراً وہ تیلی حضرت کے حکم کے مطابق اس کے ساتھ چلا گیا اور اس کی حوالات کے پاس متفکر و پریشان بیٹھ گیا۔ اس منشی کو اس داروغہ کے سامنے لیے گئے کہ جس نے قید کیا تھا۔ اس داروغہ نے دیکھتے ہی حضرت کی ہرکت سے اس پر سہربانی کی، اس کو ایک لپٹا کھڑا اور خلعت عنایت کیا اور اسے گھر بھیج دیا اور اس کے پیچھے ایک کھنڈر نہایت حسینہ برقع پوش روانہ کی کہ یہ بھی میری طرف سے انعام و عنایت ہے۔ جب وہ کئی مذکور اس حوالات کے نزدیک پہنچی اور اپنے شوہر کو دیکھا تو اس نے برقعہ منہ سے ہٹا دیا اور اس کی طرف دوڑی۔ اس تیلی نے بھی اس کو پہچان لیا اور اس کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ منشی اس واقعہ سے حیران ہوا۔ اس تیلی کو اپنے پاس بلایا اور کئی کا ہاتھ پکڑ کے اس کے سپرد کر دیا اور وہ اس کو بخش دی۔ اس تیلی نے بتایا کہ یہ میری زوجہ ہے۔ یہ حضرت شیخ فرید الملت والدين کی کرامت ہے کہ وہ وہاں سے اپنی بیوی کے ہمراہ ملک المشائخ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا۔

گنج شکر کی وجہ تسمیہ

اس دویش (جانی) نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت شیخ کو گنج شکر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جس زمانے میں حضرت شیخ فرید الملت اپنے پر حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں دہلی میں تھے تو ان کے رہنے کا مقام غربی دروازے کے نزدیک ایک برج کے پاس تھا۔ اس زمانے میں جو لوگ واقف ہیں وہ اس مبارک منزل پر پہنچتے ہیں اور دوکانہ ادا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ برسات کا زمانہ تھا اور بارش بہت ہوتی تھی، تمام زمین دلدل ہو گئی تھی اور حضرت شیخ کو سات روز ہو گئے تھے کہ طے کا روزہ افطار نہیں کیا تھا۔ جسم مبارک نہایت کمزور ہو گیا تھا۔ ارادہ کیا کہ حضرت قطب الملت والدين کی خدمت میں جائیں۔ کھڑاویں پہنے ہوئے تھے کہ راستے میں ہیں پھسل گیا، جیسے ہی زمین پر گرے، خدا کے حکم سے منہ کھل گیا اور کچھ کھینچ منہ میں پہنچ گئی۔ وہ سب شکر ہوئی۔ وہاں سے حضرت قطب الملت والدين کے حضور میں پہنچے اور زمین پر سر رکھ دیا اور بیٹھ گئے۔ سلطان المشائخ قطب الملت والدين نے فرمایا کہ بابا فرید مسعود کہ اس تھوڑی سی سی سے کہ تیرے منہ میں پہنچی ہے، عجب نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تیرے وجود کو گنج شکر کر دیا ہو۔ [۴۶] جو ہمیشہ

شکر دادا کا۔ حضرت شیخ فرید الدین نے سر زمین پر رکھ دیا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے، جہاں کہیں پہنچے لوگوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت شیخ فرید الدین کنج شکر آ رہے ہیں اور جب یہ درویش (شیخ جلال) خانہ کعبہ کے سفر کے زمانے میں قصبہ اجودھن میں ان کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے اس بات کو شیخ المشائخ شیخ محمد سے جو حضرت شیخ کے سجادہ نشین تھے دریافت کیا اور ان سے بھی ایسا ہی سنا۔

بابا فرید اور چلہ

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت والدین سے منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت بابا المشائخ فرید الملت والدین کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس زمانے میں میں حضرت سلطان ازمافین قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا، ایک دن میں نے حضرت سے درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو ایک چلہ کھینچوں۔ حضرت خواجہ قطب الملت والدین نے فرمایا کہ بابا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ خلوت میں بیٹھو اور چلہ کرو، اس کام سے بہت شہرت ہو جائے گی۔ میرے پیروں کی یہ عادت نہیں تھی، ان کی خلوت میں خلوت ہوتی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ حضرت شیخ موجود ہیں، میرے دل میں شہرت کی خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت قطب الملت والدین خاموش ہو گئے اور جواب کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ میں اس سے سمجھا کہ مجھ سے بے ادبی ہو گئی، میں نے ان کے خلاف کیوں جواب دیا۔ بہت توبہ کی اور ابھی تک ہشام ہوں اور یہ ہریشانی و شرمندگی قیامت مجھ سے دور نہ ہوگی۔

مولانا محمد ملتانی اور دستر خوان

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت والدین سے منقول ہے کہ میں ایک روز حضرت سلطان المشائخ فرید الملت کی خدمت میں بیٹھا تھا، مولانا بدر الدین اسحاق اور مولانا جلال الدین ہانسوی بھی حاضر تھے۔ حضرت شیخ کے ایک مرید تھے جن کا نام محمد تھا، وہ سلطان سے آئے تھے۔ حضرت شیخ نے بلایا تھا اور خود (حضرت شیخ)

- ۱۔ ”کنج شکر“ کے سلسلے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ ملاحظہ ہو میر الاعطاب ص ۱۶۵، خزینۃ الاصفیاء ص ۱: ۲۹۲-۲۹۳، بزم صوفیہ ص ۱۲۰-۱۲۱، سوانح بابا فرید ص ۷۷-۷۹، فرید الدین کنج شکر ص ۱۱۶-۱۱۷۔
- ۲۔ فوائد الفواد ص ۴۲-۴۳۔

کا روزہ تھا۔ جب کھانا آیا تو اپنے سامنے حکم دیا کہ تناول فرمائے۔ جس وقت کھانا آیا تھا، دسترخوان موجود نہ تھا جو بچھایا جاتا۔ وہ کھچڑی تھی جو ارد کی دال اور چاول ملا کر پکائی گئی تھی۔ اس وقت مولانا چھ ملتانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر دسترخوان ہوتا تو بہتر تھا۔ حضرت شیخ پر یہ بات روشن ہو گئی، کھانے کے طباق کے چاروں طرف اپنی انگشت مبارک سے ایک گول دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا مولانا چھ اگر دسترخوان موجود نہیں ہے تو اس دائرے کو دسترخوان تصور کرو اور کھانا کھاؤ۔

ریاضت

حضرت سلطان [۷۷] الاولیاء نظام الملت والدين سے منقول ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت والدين ہمیشہ روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اگر بیمار ہو جاتے یا فصد کھلوئے تب بھی انکار نہ کرتے اور اکثر وہ شربت سے روزہ افطار کرتے۔ تھوڑے منقے شربت کے پیالے میں ڈال لیتے اور افطار کے وقت اس میں سے بقدر تین دام پی لیتے اور منقے کے دو تین دانے منہ میں رکھ لیتے اور باقی شربت حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیتے، کسی کسی کو یہ (شربت پینے کی) سعادت نصیب ہوتی۔ [افطار کے بعد جرت کی دو روٹیاں ایک سیر سے کم وزن کی ان کے سامنے پیش کی جاتیں] ایک تھائی روٹی یا اس سے بھی کم کھاتے اور باقی حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔ اس کے بعد عشا کی نماز میں مشغول ہو جاتے اور عبادت میں مستغرق رہتے۔

ابتدائی زمانے میں جب قصبہ اجودھن میں متوطن ہوئے تھے تو باوجودیکہ اہل و عیال تھے لیکن پیلو اور دیلہ پر کہ جو اس علاقے کے جنگل میں پیدا ہوتا ہے، قناعت فرماتے تھے۔ آخر میں رزق میں وسعت ہو گئی تھی اور متواتر فتوحات حاصل ہونے لگیں، وہ سب مسافروں اور مجاوروں کو دے دیتے تھے اور خود اسی جنگل کی خوراک پر قناعت کرتے اور خوش رہتے۔

سلطان نصیر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کی حاضری

جس زمانے میں سلطان نصیر الدین دہلی نے جو صاحبان خدا سے تھا، اچھ و ملتان کی طرف توجہ کی اور جب وہ قصبہ اجودھن پہنچا تو حضرت فرید الملت والدين کی خدمت میں بھی آیا۔ اس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن بھی جس کا خطاب

الخ علی تھا سلطان مذکور کے ساتھ تھا۔ سلطان (نصیر الدین) مشہور مقام دیہلی ہور کے نواح کے چار بڑے گانوؤں کی معافی کا فرمان اور کچھ نقد روپیہ لایا۔ جب سلطان المشائخ کے سامنے رکھا تو شیخ نے الخ خان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا کہ یہ سب کیا ہے جو سامنے رکھا ہے؟ الخ خان مذکور نے عرض کیا کہ حضرت سلطان نے چار آباد گانوؤں کی معافی کا فرمان آپ کی اولاد کی معاش کے واسطے مرتب کیا ہے اور کچھ نقد روپیہ بھی خانقاہ کے درویشوں کے واسطے لائے ہیں۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو ان کی دلی مسرت اور حصول سعادت کا سبب ہو۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ نقد جو درویشوں کے لیے ہے، میں نے قبول کیا، اس کو تقسیم کر دیا جائے لیکن یہ گانوؤں کا فرمان اٹھا لو۔ جس کو اس کی طرف رغبت ہو اور جو اس کو چاہتا ہو اس کو پہنچا دو۔ یہ فرما کر رخصت ہو گئے۔

بابا فرید کی بیماری اور نظام الدین اولیاء کا صحت کے لیے دعا کرنا

حضرت نظام الدین اولیاء ہدایونی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں میں حضرت (بابا فرید) کے پاس تعصب اجودھن میں تھا تو حضرت کے جسم مبارک میں سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ مجھے، مولانا جلال الدین ہانسوی، مولانا بدر الدین اسحاق اور درویش علی بھاری کو حکم دیا کہ [۸۸] جاؤ میری صحت کے لیے فلاں قبرستان میں جا کر دعا کرو۔ حسب ارشاد ہم سب اس قبرستان میں جس کا حکم دیا تھا تمام رات دعا میں مشغول رہے۔ علی الصباح ان کی خدمت میں پہنچے، دیکھا کہ ایک پرانے کالے کعبل پر تشریف رکھتے ہیں اور وہ عصا جو حضرت قطب الملت والدین کا عطیہ تھا ان کی بغل میں تھا۔ ہر مرتبہ اپنا دست مبارک اس عصا پر لگاتے تھے اور اپنے چہرے پر مل لیتے تھے۔ ہم سب کو دیکھ کر پوچھا کہ تم رات کو اس قبرستان میں مشغول دعا ہوئے تھے؟ ہم سب نے زمین پر سر رکھ دیے اور عرض کیا کہ ہاں ہم لوگ دعا میں مشغول ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہاری دعا نے میری صحت پر کچھ اثر نہیں کیا۔ ہم لوگ خاموش ہو گئے۔

شیخ علی بھاری ہم سے آگے کھڑے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ناقص ہیں اور حضرت شیخ کا وجود ذات ستودہ صفات کامل ہے۔ ناقص کی دعا کامل کے حق میں اثر نہیں کرتی ہے۔ یہ بات انہوں نے نہیں سنی۔ یہی بات پھر میں نے زور سے عرض

کرد جو درویش علی نے، کہی تھی۔ حضرت شیخ نے جب یہ بات سنی تو مجھ کو اپنے قریب بلا دیا اور جو عطا اپنی نفل میں رکھتے تھے، مجھ کو عطا کیا اور کہا کہ مولانا نظام الدین! میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ جو کچھ تم خدا تعالیٰ سے طلب کرو، وہ تم کو عطا کرے۔ میں نے زمین پر سر رکھ دیا اور واہن ہوا (ہمراہی) بھی چلے آئے۔ انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور مبارک باد دی۔

میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ چونکہ حضرت شیخ نے میرے بارے میں یہ دعا کی ہے کہ جو کچھ میں خدا تعالیٰ سے طلب کروں وہ عطا فرمائے۔ شیخ کی دعا، یقیناً خدا کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے۔ اس میں جتن ہے کہ میں آج کی رات سلطان احسان کی خدمت کے اخیر دعا کروں، ضرور قبول ہوگی۔ میرا تمام رات ان کی صحت کی دعا میں مشغول رہا۔ چنانچہ آخر شب میں مجھے انشراح خاطر ہوا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ میری یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی۔ میرے علی الصباح حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا، دیکھا کہ وہ مصلیٰ پر قبلہ رخ اطہان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فوراً ارشاد فرمایا کہ درویش نظام الدین! چونکہ میری دعا تیرے حق میں قبول ہوئی ہے، تو نے کزنتہ شب میری صحت کے لیے جو دعا کی وہ بھی قبول ہوئی۔ جب میں نے یہ بشارت سنی تو زمین پر سر رکھ دیا۔ انہوں نے وہ مصلیٰ جس پر وہ بیٹھے تھے، مجھے عطا کر دیا۔

ہایا فرید کی والدہ کی کم شدگی

فوائد افراد میں حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ فرید الملک والدین شہر ہالسی سے قصبہ اجودھن میں آکر سکونت پذیر ہوئے تو انہوں نے شیخ نجیب الدین متوکل کو [۴۹] اپنی والدہ ماجدہ کے بلانے کے لیے قصبہ کھوتوال بھیجا کہ وہ ان کو اس قصبے سے اجودھن لے آئیں۔ دونوں قصبوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے، جنگل وسیع ہے اور پانی نایاب ہے۔ شیخ نجیب الدین کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ انہوں نے اُن بزرگوار (والدہ) کو گھوڑے پر سوار کیا اور قصبہ اجودھن کی طرف چل دیے۔ جب آدھا راستہ طے کر لیا تو والدہ کو یک درخت کے سایے میں بٹھا دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر پانی کی تلاش میں چلے گئے۔ پھر جب وہ اس نصف راہ پر آئے تو والدہ بزرگوار کو نہ پایا۔ ادھر ادھر بہت دوڑے، ان کی کوئی نشانی بھی نہ پائی۔ مجبور اور پریشان ہو کر شیخ

فرید الملک و الدین کی خدمت میں قصیدہ اجودھی آئے اور حضرت نے صورت حال بیان کی۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فقیروں کو صدقہ دیا جائے اور صلحاء کو کھانا کھلایا جائے۔

ایک مدت گزرنے کے بعد حضرت شیخ المشائخ نجیب الدین متوکل کا گزر اس جنگل میں ہوا جہاں حضرت کی والدہ غائب ہوئی تھیں۔ جب وہ اس درخت کے پاس پہنچے کہ جہاں ان کو بٹھایا تھا اور جہاں سے وہ پانی کی تلاش میں گئے تھے، دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک مرتبہ پھر اس نواح میں گشت کروں، شاید ان کی کوئی لاشی ملے یا ہڈیاں مل جائیں۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ پہنچے کہ جہاں چند ہڈیاں پڑی تھیں۔ حضرت کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ ہڈیاں میری والدہ معظمہ کی ہیں، ان کو بھڑسے یا شیر نے مار ڈالا ہوگا۔ انہوں نے تمام ہڈیوں کو جمع کیا اور تھیلے میں ڈالا۔ پھر حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں آئے اور ہڈیوں کے ملنے کا قصہ اور ان کو تھیلے میں ڈال کر لان سب بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تھیلہ لاؤ اور کھولو اور تمام ہڈیاں میرے مصلے پر رکھ دو۔ شیخ نجیب الدین دوڑے اور تھیلہ لائے، جب اس تھیلے کا منہ کھولا اس میں کوئی ہڈی نہ تھی۔ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین نے فرمایا کہ یہ حکایت عجائبات زمانہ سے ہے۔

بابا فرید اور شیخ بدر الدین غزنوی

حضرت نظام الملک و الدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان العاشقین قطب الملک و الدین نے رحلت فرمائی، شیخ بدر الدین غزنوی جو حضرت کے خلیفہ ہیں، دہلی میں تھے۔ ملک نظام الدین خریطہ دار نے ایک عالی شان خانقاہ بنوائی اور شیخ بدر الدین غزنوی نے اس میں قیام کیا۔ نظام الدین مذکور نعمت و دعوت کے اسباب مہیا رکھتے تھے اور شیخ (غزنوی) کی ہر طرح سے خدمت و رعایت کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد نظام الدین خریطہ دار سے حساب طلب کیا گیا۔ اس کے ذمے عدالت کا کچھ روپیہ برآمد ہوا۔ شیخ بدر الدین غزنوی کے کاموں میں خرابی واقع ہوئی؟ چنانچہ انہوں نے حضرت سلطان المشائخ فرید الملک

- ۱۔ فوائد الفواد ص ۲۱۰ - ۲۱۱، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۷۸ - ۷۹۔
- ۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۳۴ - ۱۳۵، مگر اس میں رقم کی تفصیل نہیں

و الدین کو ایک خط لکھا [۵۰] اور یہ اشعار اس میں تحریر کیے :
 فرید الدین یار زہرکہ کہ بادش در کرامت زندگانی
 دویہا خاطر م در جمع داری بدمحش کردے گوہر فشانی
 اور عرض کیا :

”شخصی از عہدیداران دیوان برائے من خاتقاہ بناء نمود برائے خدمت
 درویشان و تفقد حال ایشان اعمتے و دعوتے مہیا ساخت ۔ اکنوں اور
 بحساب کشیدند بنا بران خاطر م بسیار ہریشان ست ۔ ملتس آنکہ
 بدعائے استمداد فرمایند تا او را خلاص حاصل گردد و کاروبار درویشان
 سرسایان آرد ۔ امید کہ ملتفت خواهند بود و السلام ۔“

ترجمہ ”ایک شخص نے جو عدالت کے عہدیداروں میں سے ہے ، میرے لیے
 خاتقاہ بنوائی اور درویشوں کی خدمت اور ان کی آسائش کے لیے نعمت
 و دعوت کے سامان مہیا کیے ۔ اب اس سے حساب طلب کیا گیا ہے ، اس
 وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان ہے ۔ التماس ہے کہ جناب دعا
 فرمائیں تاکہ وہ رہائی پائے اور درویشوں کا کاروبار درست رہے ۔ امید
 کہ جناب توجہ فرمائیں گے ۔ والسلام ۔“

شیخ فرید الملت و الدین نے قدرے سر ہلایا اور جواب میں لکھا :
 ”رقعہ عزیز الوجودے رسید ۔ بمطالعہ آن فرحت انجاسید بدانچہ مندرج
 بود مبرہن نمود ۔ ہر آئینہ ہر کہ ہر نہج پیران خودش روش نہاید ضرورتش
 ہمیں پیش آید کہ خاطرش از غم نیاہاید ۔ از پیران ما کہ بود کہ
 خاتقاہے برائے خود بنا فرمود و دروے جلوس فرمود ۔“

ترجمہ عزیز الوجود کا رقعہ ملا ۔ اس کے مطالعہ سے فرحت ہوئی ۔ اس میں جو
 کچھ تحریر تھا معلوم ہوا ۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے پیروں کے طور
 طریقے ہر کار بند نہیں ہوتا ہے اس کو ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں کہ
 جن کی وجہ سے اس کی طبیعت پریشان رہتی ہے ۔ ہمارے پیروں میں سے
 کون ایسا تھا کہ جس نے اپنے لیے خاتقاہ بنوائی ہو اور اس میں جلوس

-
- ۱۔ یہ مصرع نسخہ اول میں ”فرید الدین و ملت شیخ عالی“ اور فوائد الفواد (ص ۲۵۵ ، طبع لاہور) میں ”فرید دین و ملت یار مہتر“ ہے ۔
 - ۲۔ در نسخہ اول ”ہودی“ (ص ۸۵) ۔
 - ۳۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) ”شکر فشانی“ ۔

فرمایا ہو۔“

چونکہ شیخ بدر الدینؒ، حضرت سلطان الماثقین قطب الملت و الدین بختیار اوشی قلمس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے حضرت (بختیار کاکی) لور اند کے ہیں حضرت معین الملت و الدین کی یہ عادت و روش نہ تھی کہ خائفانہ بنوائے اور دوکان آراستہ کرتے بلکہ جہاں کہیں پہنچتے، وہیں قیام کر لیتے۔ اکم نامی، غے نشانی اور فنائیت کا ارادہ رکھتے تھے۔^۱

سلطان المشائخ حضرت شیخ فرید الملت و الدین کو ہم بات اچھی نہیں سمجھ سکتے، باوجودیکہ شیخ بدر الدینؒ ہر سوں تک حضرت قطب الملت و الدین کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے طور طریقے کو دیکھا تھا۔ حضرت شیخ بدر الدین غزنوی کے رہنے والے تھے اور وہاں سے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حضری کا ارادہ کیا۔ جب دہلی پہنچے تو ان کی ارادت کا شرف حاصل کیا (مرید ہو گئے)۔ دہلی میں ان کے ایک داماد تھے جن کا لقب کریم الدین تھا، وہ منشی کبری کا کام کرتے تھے۔ آخر میں وہ بھی قطب الملت و الدین کی خدمت میں آئے اور دنیا ترک کر دی۔

حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین جس زمانے میں اپنے ہیں کی خدمت میں دہلی میں تھے تو ایک روز وہ شیخ بدر الدین غزنوی کی ملاقات کے لیے گئے۔ وہ ایک پرانے کمبل پر بٹھے تھے۔ حضرت شیخ فرید الملت و الدین سے ملنے۔ ہانے کی کمر، چیز موجود نہ تھی جو ان کے سے منے رکھتے۔ خراجہ کریم الدین مذکور کو وہ کمبل دیا کہ جس پر بیٹھے تھے اور کہا کہ جاؤ اس کو بازار میں فروخت کر دو اور روٹی اور شوربا لے آؤ تاکہ کہائیں۔ خواجہ کریم الدین نے ان کے حکم سے کمبل لے لیا اور بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ جاتے وقت شیخ بدر الدین نے آواز دی کہ یہ کمبل فقیرانہ طریقے سے فروخت کرنا۔ اس وقت [۵۱] شیخ فرید الدین مسعود کے شیخ بدر الدین سے فرمایا کہ فقیرانہ طریقے سے بیچنے کا کیا منشاء ہے؟ شیخ بدر الدین مسکرائے اور کہا کہ فقیرانہ طریقے کا یہ مطلب ہے کہ جو قیمت بھی کوئی دے، اس میں کوئی مضائقہ نہ کیا جائے۔^۲

پایا فرید کے موئے مبارک کی ہرکت

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ ایک دن میں

۱۔ نسخہٴ دل میں یہ پیرا گراف بھی رقمہ میں شامل ہے (ص ۸۵)۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۱۳۴ - ۱۳۵۔

فرید الملک والدین کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کی ویش مبارک سے ایک ہال کر گیا۔ وہی فوراً اٹھا اور عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو تعویذ دینا لوں۔ فرمایا مناسب ہوگا۔ آخر میں نے اس کو ایک کٹھن میں رکھا اور تاجا لپیٹ کر اسے اپنی ہکڑی میں رکھ لیا۔

جب میں اجودھن سے دہلی پہنچا، وہاں جب کوئی بیمار ہوتا، میں وہی تعویذ لکھ دیتا ہوں۔ دیکھتا کہ جب صحت ہو جائے تو یہ تعویذ بھیجے واپس کر دیتا۔ چنانچہ جس کو میں (تعویذ) دیتا، اس کو صحت ہو جاتی۔ یہاں تک کہ تمام شہر میں اس تعویذ کی شہرت ہو گئی۔ میں اس تعویذ کو اپنے حجرے کے ایک طاق میں رکھ دیا کرتا تھا۔ جس کسی کو ضرورت ہوتی، اس کو دے دیتا کرتا۔

شہر میں میرا ایک صالح اور صادق دوست تھا، اس کو تاج الدین مینائی کہتے تھے۔ اس کا ایک چھپتا چھوٹا لڑکا تھا جو اچانک بیمار ہو گیا۔ وہ تاج الدین مینائی میں سے پاس آیا اور وہ تعویذ مانگا۔ میں حجرے میں گیا اور جس طاق میں تعویذ رکھ دیتا تھا، اس میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ اور دوسرے طاقوں میں بھی جو حجرے میں تھے، تلاش کیا کہ شاید کسی اور طاق میں رکھ دیا ہو، تعویذ مذکور کہیں نہیں ملا۔ چنانچہ وہ دوست بیچارہ رنجیدہ واپس چلا گیا اور اس کا بیٹا اسی بیماری میں فوت ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد دوسرا شخص آیا، اس نے ایک ضرورت کے لیے مجھ سے وہ تعویذ مانگا۔ خدا کے حکم سے اسی طاق میں کہ جو مقرر تھا تعویذ مل گیا۔ میں نے اس کو دے دیا اور اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔ چونکہ اس (تاج الدین مینائی) کا لڑکا مرے والا تھا، اس لیے تعویذ نہ ملا۔

بابا فرید اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

حضرت سلطان الاولیاء نظام الملک والدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملک کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملک والدین سے بہت اعتقاد و ارتباط تھا۔ جس وقت کتاب عوارف کا درس دیتے تھے تو اس طرح بیان فرماتے کہ: ”میں نے ہوش والے کے ہوش جاتے رہتے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کے ہاچ باب حضرت (بابا فرید) سے پڑھے ہیں۔ ان کے بیان کی لذت سے مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی

کہ اگر اس حالت میں کوئی مر جائے تو اس کو دولت (وصال) حاصل ہو جائے۔ جس دن کتاب عوارف میرے درس دہنے کے لیے لائے، اسی روز سلطان المشائخ (بابا فرید) کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شہاب الدین رکھا۔

عہد نیشاپوری کا بیان

ان ہی سے منقول ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین [۵۲] کے ایک صادق الاعتقاد مرید تھے جن کا نام عہد نیشاپوری تھا۔ ان سے میں نے سنا ہے کہ میں جس زمانے میں ولایت گجرات سے دہلی آ رہا تھا، میرے ساتھ دو تین آدمیوں سے زیادہ نہ تھے اور کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔ جب ہم جنگل میں پہنچے کہ وہاں سے آبادی دور تھی، اسی دوران میں ہم نے دیکھا کہ چند ڈاکو ننگی تلواریں لیے ہوئے ہمارے مقابلے کو موجود تھے۔ ہم خوف زدہ ہو گئے۔ میں نے فوراً کہا ”یا شیخ فرید الدین حاضر باش۔“ اس بات کے سنتے ہی ڈاکوؤں نے تلواریں پھینک دیں اور فوراً کہنے لگے کہ ہمیں امان دیجیے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ معلوم نہیں شیخ فرید الدین نے ان کو کیا دکھایا ہوگا۔

ضیاء الدین دانش مند

حضرت شیخ نظام الدین و الملت سے منقول ہے کہ ایک دانش مند تھے جن کا لقب ضیاء الدین تھا اور وہ جامع مسجد دہلی کے منارے کے نیچے درمیان کرتے تھے۔ میں نے ان سے سنا کہ (وہ کہتے تھے) کہ میں ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں علوم منقول و معقول میں سے میں نے کچھ نہیں پڑھا تھا میں نے علاقائی پڑھی تھی۔ ایک جزدان میری بغل میں تھا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حضرت نے مجھ سے علم فقہ یا دوسرے علوم کے متعلق دریافت کیا تو کیا جواب دوں گا۔ میں یقیناً شرمندہ ہوں گا۔ جیسے ہی میں ان کی خدمت میں پہنچا، اپنا سر زمین پر رکھا اور

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۰۷ - ۱۲۸ -

۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۲۹ - ۱۳۰، مگر اس میں ایک ڈاکو کا ذکر ہے۔

۳۔ در نسخہ اول ”علامی“ (ص ۸۸)، در فوائد الفواد ”خلاقی“ (طبع لاہور، ص ۱۵۳ و طبع لاہور ص ۸۹)۔

ہوا اور اس کا بیان شروع کر دیا اور نفی و اثبات جو اس میں مقرر ہیں، بیان کیے۔
 کم سا کمال کشف حضرت کو تھا کہ جو کچھ میں نے پڑھا تھا، وہی مجھ سے
 دریافت کیا۔

ایک شعر پر وجد

نقل ہے کہ حضرت ملک المشائخ فرید الملت والدين اس شعر پر وجد میں
 آجاتے تھے اور دیر تک استغراق کی حالت میں رہتے تھے :

بیت

نظامی این چہ اسرار است کز خاطر عیاں کر دی
 کسے سرش نمی داند زبان در کش زبان در کش
 جب ہوش میں آتے تو یہی فرماتے :

ع کسے سرش نمی داند زبان در کش زبان در کش؟

شیخ نظام الملت والدين سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت نجیب الدین
 متوکل نے حضرت سلطان العارفين فرید الحق والدين سے عرض کیا کہ لوگوں میں
 یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت شیخ نماز کے بعد سجدے میں سر رکھتے ہیں
 اور ”یا رب یا رب“ کہتے ہیں تو عالم غیب سے ”لیک عبدی“ سنتے ہیں۔ فرمایا
 ”الارجاء مقدمة الکون۔“

جب شیخ نجیب الدین نے عرض کیا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خواجہ
 خضر اکثر آپ کی صحبت میں آتے ہیں۔ فرمایا ”غیر“۔ انہوں نے پھر شیخ کی خدمت میں
 عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مردمان غیب، اوتاد و ابدال بھی حضرت کی مجلس
 میں آتے ہیں۔ اس بات سے انکار کر دیا اور فرمایا نجیب الدین تو بھی [۵۳] مرد
 ابدال ہے۔“

شخص الدین دیر کے لیے دعائے خیر

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت والدين سے منقول ہے کہ ایک شخص

۱۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۵۳ - ۱۵۴ -

۲۔ فوائد الفواد ص ۱۷۴ -

۳۔ فوائد الفواد ص ۲۰۹ -

۴۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۲۱۸ - ۲۲۰ -

شمس الدین دیر نالی تھا ، وہ شام کا باشندہ تھا ۔ وہاں سے قصبہ المودھن میں آیا ۔
 حضرت سلطان المشائخ فرید الملک کی خدمت میں زمین ہوئی سے مشرف ہوا اور
 حضرت کی خدمت میں رہنے لگا۔ علم سلوک کی ایک کتاب ”لواغ“ ہے ۔ وہ
 برگزیدہ حق شیخ حمید الدین ناگوری نے تصنیف فرمائی ہے ۔ اس شخص نے وہ
 کتاب ”لواغ“ حضرت کی خدمت میں پڑھنی شروع کی ۔ یہ شخص دہیرہ ، شاعر تھلا ،
 اس نے ایک طولانی قصیدہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملک و والدین کو شان میں
 لکھا ۔ اس نے اجازت چاہی کہ وہ حضور میں پڑھے ۔ حضرت نے اس کو پڑھنے کی
 اجازت دے دی ۔ شمس دہیر کہڑا ہوا اور قصیدہ پڑھا ۔ قصیدہ ختم ہونے کے بعد
 شیخ نے فرمایا کہ بیٹھ اور دوبارہ پڑھ ۔ حضرت سلطان المشائخ اس کے تسکین
 قلب کی خاطر ہر شعر پر اس کی تعریف فرماتے ۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمنا ہے ؟
 شمس نے عرض کیا کہ ناداری اور غربت ہے ، میری والدہ بھی ہیں اور لوگ بھی
 ہے ، ان کی پرورش میرے ذمہ ہے ۔ حضرت شیخ توجہ فرما دیں کہ کچھ مرقہ العالی
 نصیب ہو جائے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ شکرانہ لاؤ ۔ جب حضرت شیخ
 کسی سے فرما دیتے کہ شکرانہ لاؤ تو اس کا کام ضرور پورا ہو جاتا تھا ۔ شمس الدین
 مذکور نے پچاس جہتل حضرت کے سامنے رکھ دیے اور خود دعا کے لیے کہڑا ہو
 گیا ۔ حضرت شیخ نے وہ رقم درویشوں میں تقسیم کر دی اور اس کے حق میں دعا کے
 خیر کی ۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں اسے مال و دولت حاصل ہو گیا ۔
 شمس الدین بادشاہ کا وزیر مقرر ہو گیا ۔

سلطان المشائخ نظام الملک و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ
 فرید الملک و الدین ایک جگہ بیٹھتے تھے اور نماز کے علاوہ بار بار سجدہ کرتے
 تھے ۔ حضرت ایک مرتبہ حجرے میں تھے ، میں نے ان کو اس طرح دیکھا کہ ہر
 مرتبہ کہڑے ہوتے ، سجدے میں جاتے اور یہ مصرعہ پڑھتے :

ع ازہر تو میرم ازہر تو زیم

- ۱ - فوائد الفواد (ص ۲۱۹) میں صرف ماں کا ذکر ہے ۔
- ۲ - فوائد الفواد (ص ۲۱۹) میں ”دیر“ اور سیر المارقین میں ”دیر“ ہے ۔
- ۳ - فوائد الفواد ص ۳۴۱ - ۳۴۲ -

مولانا حمید الدین

حضرت نظام الملّت والدین سے منقول ہے کہ حمید نامی ایک متعلم طغرل کی ملازمت میں تھا کہ جس (طغرل) کو غیاث الدین نے داروغہ بنگالہ کر دیا تھا۔ ایک دن حمید اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس (حمید) کو ایک لطیف پر نور صورت دکھائی دی اور اس نے کہا کہ اے حمید! تو اہل علم ہے، اس جاہل کے سامنے کیوں دست بستہ کھڑا ہے؟ حمید مذکور متحیر ہوا اور (حضرت نظام الدین اولیاء نے) کہا کہ حمید کو (وہاں) رہنے کی طاقت [۵۴] نہ رہی۔ وہ وہاں سے قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں پہنچا تو خاک پر اپنا چہرہ رکھا (آداب بجا لایا)۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے مولانا حمید! تو نے دیکھا کہ گس ترکیب سے میں نے تجھے یہاں بلایا۔ اسی وقت مولانا مذکور نے دنیا ترک کر دی، مرید ہوئے، خرفہ خلافت پایا۔ اور وہ کبھی کبھی ذکر بالجہر کرتے۔ حضرت نظام الملّت والدین فرماتے ہیں کہ میں ان کا ذکر بالجہر اکثر سنتا تھا، بہت اثر کرتا تھا، سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملّت والدین نے فرمایا کہ اے مولانا حمید! اس وقت تم روشن ستارے کی طرح ہو۔ آفتاب کے سامنے ستارے کی زیادہ چمک نہیں رہتی۔ قصبہ اندرہت میں جو دہلی کے نزدیک ہے، سکونت پذیر ہو جاؤ اور خلق خدا کو نفع پہنچاؤ۔ مولانا حمید گھڑے ہو گئے، زمین پر سر رکھ دیا اور عرض کی کہ اے مہربان آقا! مجھے رخصت فرمائیں کہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں اور گناہوں کی گرد بیت اللہ میں آب زمزم سے پاک کروں۔ حضرت شیخ نے دعا اور رخصت عنایت فرمائی۔ پھر ان کی کوئی خبر نہ آئی۔

مولانا عارف کا واقعہ

ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اچہ و ملتان کی طرف ایک صحیح الاعتقاد ملک (سردار) تھا۔ مولانا عارف اس کی نماز کی امامت کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس ملک (سردار) کو حضرت سلطان المشائخ فرید الملّت سے غائبانہ اتحاد و اعتقاد تھا۔ اس

۱۔ ملاحظہ ہو فوائد القواد ص ۳۴۲-۳۴۳۔

۲۔ در نسخہ اول ”معلم“ (ص ۹۰)۔

۳۔ ملاحظہ ہو فوائد القواد ص ۳۶۵ و اخبار الانبیاء ص ۷۵۔

نے دو سو سفید تنکے مولانا مذکور کی معرفت بھیجے اور کہا کہ جب قصبہ اجودھن میں پہنچو تو یہ رقم حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں میری طرف سے پیش کرنا اور عرض کرنا کہ دعاۓ خیر کیجیے۔

مختصر یہ کہ جب مولانا مذکور قصبہ اجودھن میں پہنچے تو دل میں خیال کیا کہ اس رقم میں سے نصف خود رکھ لوں اور نصف شیخ کی نذر کر دوں، اس لیے کہ ملک (سردار) نے مجھے کوئی تحریر نہیں دی ہے کہ جس سے میری خیانت ظاہر ہوگی۔ غرض کہ جب شیخ المشائخ کی خدمت میں پہنچے۔ زمین کو ہوسہ دیا اور دو سو سفید تنکے بفل سے نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کیے کہ فلاں ملک (سردار) آپ کا مخلص و معتقد ہے، سو تنکے میری معرفت شکرانے میں بھیجے ہیں، قبول فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت شیخ مسکرائے کہ مولانا عارف تم نے اس درویش کے ساتھ حق برادری ادا کر دیا کہ شکرانے کی رقم کو نصف نصف کر لیا۔ عارف مذکور شرمندہ ہوئے اور عرض کیا کہ بخدوسی! مولویوں کی ہمت اہل سلوک کی ہمت کے برابر نہیں ہے اور وہ سو تنکے بھی کہ جن کی خیانت کی تھی، پیش کر دیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ سو تنکے بھی تمہارے ہیں تاکہ بھائی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ مولانا عارف مذکور نے جب یہ کشف دیکھا تو جو سامان [۵۵] اور نقدی ان کے پاس تھی، حضرت شیخ المشائخ فرید الدین کے درویشوں میں تقسیم کر دی۔ شرف ارادت سے مشرف ہوئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں حضرت شیخ المشائخ سے خرقہ خلافت پایا اور واصلان حق میں سے ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے ان کو سیستان کے ملک میں مقرر کر دیا تاکہ اس ملک کے لوگ ان سے فیض حاصل کریں۔

مولانا بدرالدین اسحاق

یہ بھی تحقیق سے سنا ہے کہ حضرت مولانا بدر الدینؒ اسحاق بن منہاج الدین

۱۔ نسفہ اول میں دہلی جاتے ہوئے اجودھن میں ٹھہرنے کا ذکر ہے (ص ۹۱)۔

۲۔ در فوائد الفواد (ص ۳۶۵) ”سیوستان“۔

۳۔ حالات کے لیے دیکھیے

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۲۸ - ۱۲۹۔

(۲) اخبار الاخیار ص ۷۳۔

(۳) سیر الاولیاء ص ۱۷۲ - ۱۷۹۔

(۴) معارج الولاۃ (قلمی) ص ۲۵۲، مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی)۔

بخاری علم معقول و منقول میں بے نظیر تھے اور دہلی شہر میں مغربی مدرسے میں درس دیا کرتے تھے اور درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اتفاق سے ان کو چند مشکل مسائل بھی آئے۔ ان کے ہم عصر حضرات میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جو ان مسائل کے مشکلات و نکات کو حل کر سکتا۔ انھوں نے دہلی شہر سے بخارا جانے کا ارادہ کیا۔ جب قصبہ اجودھن پہنچے تو ان کے ساتھی حضرت سلطان المشائخ فرید الحق و الدین کی خدمت میں جانے لگے۔ ان سے بھی کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور حضرت شیخ سے ملاقات کر لو۔ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ تم جاؤ اور ملاقات کرو، میں نے ایسے بہت سے دیکھے ہیں۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں کون وقت ضائع کرے۔ مولانا کے مصاحبین اصرار و خوشامدہ کر کے اپنے ہمراہ لیے گئے۔ جب حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت میں پہنچے اور کچھ آرام کیا تو حضرت سلطان المشائخ و الاولیاء فرید الملت و الدین نے مولانا بدر الدین اسحاق کی جانب توجہ فرمائی اور تمام وہ مشکلات اور دقائق جو ان کے دل میں تھے، مختلف انداز سے بیان کر دیے۔ چنانچہ مولانا مذکور ان کی تقریر سے متاثر ہوئے اور مرید ہو گئے، سر زمین پر رکھ دیا اور بخارا کا ارادہ ترک کر دیا، دن رات حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر وقت فیض حاصل کرتے اور روزانہ لکڑیوں کا گٹھا حضرت شیخ کے باورچی خانے کے لیے اپنے سر پر رکھ کر لاتے۔ آخر کار حضرت شیخ (بابا فرید) نے اپنی دختر کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور اپنی دامادی سے مشرف کیا۔ وہ بھی واصلان حق سے ہوئے۔

مولانا داؤد محمود

حضرت نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المعقین فرید الملت و الدین ایک نہایت کامل مرید تھے۔ ان کو مولانا داؤد محمود باآپچی کہتے تھے۔ اکثر ان کے اوصاف حمیدہ حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین مجلس میں بیان کیا کرتے۔ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ میں اور مولانا داؤد

(۵) تمرات القدس (قلمی) (نیشنل میوزیم کراچی) ورق ۱۵۹ الف -

۱۶۱ الف -

(۶) رجال السند والہند ص ۷۸ - ۷۹ -

(۷) تمرات القدس ورق ۱۵۹ الف - ۱۶۱ الف -

۱ - ملاحظہ ہو ذخیر المعالج ص ۱۱۸ - ۱۱۹ -

۲ - درخیر المعالج (ص ۱۱۸) ”پالہی“ -

حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین سے رخصت ہو کر دہلی کو چلے۔
 دونوں قصیدہ اجودھن سے باہر آئے۔ ہم دونوں پیدل تھے۔ وہ راستے میں قیز قلسی
 کرنے اور آگے نکل جاتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ میں بھی ان
 تک پہنچ جاتا اور جب [۵۶] ان کو نماز میں مشغول پاتا تو آگے بڑھ جاتا۔ تقریباً
 دو کوس آگے نکل جانا اور نماز میں مشغول ہو جاتا۔ اچانک وہ پہنچ جاتے اور مجھ
 کو نماز میں مشغول دیکھ کر خود آگے بڑھ جاتے، یہاں تک کہ میں ان تک پہنچ
 جاتا اور نماز میں مشغول ہو جاتا اور وہ بھی ایک کوس آگے بڑھ جاتے۔ اس راستے
 میں بہت بڑا جنگل تھا۔ وہ راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں پانی کی تلاش میں چلے جاتے
 لیکن ایسے (کہنے) جنگل میں بھی راستہ نہیں بھولتے تھے۔
 داؤد قصیدہ رودوی کے نزدیک ایک گاؤں میں رہتے تھے اور کبھی کبھی میں
 نے ان کو اودھ میں بھی آتے دیکھا ہے۔

ان (چراغ دہلی) سے حکایت ہے کہ اودھ میں ایک بزاز تھا جس کا لقب
 نور الدین تھا۔ اس کا لڑکا بیمار ہو گیا اور سخت تکلیف میں مبتلا ہوا، یہاں تک کہ
 نور الدین مذکور کو اس کی زندگی سے نا امید ہو گئی۔ نور الدین کو مولانا
 داؤد سے بہت اعتقاد و اتحاد تھا۔ وہ مولانا مذکور کے پاس آیا اور بیمار لڑکے کی حالت
 بیان کی۔ مولانا داؤد نے کچھ دیر غور کیا اور نور الدین مذکور سے کہا کہ اگر
 میرے لڑکے کو اسی وقت صحت ہو جائے تو تو مجھے اپنے مال سے کیا شکرانہ
 دے گا؟ نور الدین مذکور نے کہا کہ جو آپ فرمائیں حاضر کروں۔ مولانا داؤد نے
 فرمایا کہ لڑکے کی صحت کے بعد ایک تھائی مال مجھے دینا تاکہ فقراء کو تقسیم
 کروں۔ خواجہ نور الدین مذکور نے قبول کیا۔ مولانا داؤد کی برکت سے وہ لڑکا
 اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا جیسے کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ خواجہ نور الدین
 نے جب یہ کہفیت دیکھی تو مولانا کے پاس تھائی مال لے گیا۔ مولانا مذکور نے
 اپنے مکان پہنچنے تک تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا، یہاں تک کہ ایک جیتل
 بھی اس میں سے اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔

مہدوں کی تربیت

حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین سے منقول ہے کہ حضرت سلطان
 العارفين فرید الملت و الدین دوپہر کے وقت گھر سے باہر آئے۔ میں، مولانا بدرالدین

اسحاق اور مولانا جمال الدین ہانسوی حاضر تھے۔ حضرت شیخ ایک دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔ حضرت کا ایک مرید تھا جنی کا نام یوسف تھا۔ وہ بھی آگیا اور حضرت شیخ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور سختی سے گفتگو کرنے لگا کہ مجھ کو اتنے سال ہوئے کہ شیخ کی خدمت کرتا ہوں، ان کے پاس رہتا ہوں، کوئی نعمت مجھے نہیں ملی۔ بہت سے لوگ میرے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور خلافت کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے حضرت شیخ کے ہاتھوں سے خرقہ خلافت زیب تن کیا اور اطراف و جوانب میں مقرر ہو گئے، ناز و نعمت حاصل کرتے ہیں، لوگوں کو مزید بناتے ہیں اور بہت سے نذرانے پاتے ہیں مگر میں دن رات خدمت کرتا ہوں، ذلت و خواری برداشت کرتا ہوں۔ اس کی گفتگو مجھے بہت کراہیت ہوئی لیکن حضور شیخ کی وجہ سے ان کا ادب مانع ہوا کہ اس کو جواب دوں۔ حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) نے جواب [۵۷] دیا کہ اے درویش! ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق نعمت پاتا ہے۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تجھ میں قابلیت ہونی چاہیے تاکہ تو بھی اس دولت سے مشرف ہو سکے۔

اسی وقت چار سال کا ایک لڑکا جو حضرت شیخ کے اقرباء میں سے تھا، مکان سے باہر آیا اور حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا۔ جس جگہ ہم اور حضرت شیخ کھڑے تھے، اس کے سامنے اینٹوں کا ایک ڈھیر تھا۔ شاید کسی دیوار کے لیے لائے ہوں گے۔ حضرت شیخ نے اس بچے کو حکم دیا کہ اس ڈھیر میں سے میرے لیے ایک اینٹ لاؤ تاکہ میں اس پر بیٹھوں۔ وہ بچہ دو ایک اینٹیں اپنے سر پر رکھ لایا اور حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیں، وہ ان پر بیٹھ گئے۔ پھر شیخ نے فرمایا کہ جاؤ دوسری اینٹ مولانا نظام الدین کے لیے لاؤ۔ وہ گیا اور دوسری اینٹ اچھی اور سالم لے آیا اور میرے سامنے رکھ دی۔ پھر حکم دیا کہ ایک اور اینٹ مولانا جمال الدین کے لیے لاؤ۔ وہ گیا اور ایک صحیح و سالم اینٹ اس ڈھیر میں سے اٹھا کر لے آیا اور مولانا مذکور کے سامنے رکھ دی۔ پھر حضرت شیخ نے اشارہ کیا کہ اور اینٹ مولانا بدر الدین کے لیے لاؤ۔ وہ مولانا بدر الدین کے لیے بھی ایک سالم اینٹ لے آیا اور رکھ دی۔ پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ ایک اور اینٹ یوسف کے لیے لاؤ۔ وہ یوسف مذکور ہم لوگوں کے درمیان کھڑا تھا۔ وہ بچہ گیا، ڈھیر کے نزدیک کھڑا ہوا کچھ دیر ان اینٹوں کو اوپر نیچے کرتا رہا، پھر آدھی اینٹ بلکہ اس سے بھی کم لے کر آیا اور یوسف کے سامنے رکھ دی۔ تمام احباب متعجب رہ گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے یوسف کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ

کہا کروں ، تمہارا حصہ دوسروں کے برابر نہیں ہے ۔ یہ خدا کی تقسیم ہے ۔ جو کچھ وہ دیتا ہے ، اسی سے آرام اٹھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو ۔

بابا فرید کی بیماری

شیخ نظام الملک والدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ فرید الملک والدین کو آخری بیماری ہوئی کہ اس بیماری میں رحمت حق سے جانے تو حضرت نے مجھ کو دہلی جانے کی اجازت دی اور خاص لباس سے مجھے نوازا اور روانہ کر دیا ۔ رخصت کے وقت وہ آبدیدہ ہو گئے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جاؤ تم کو خدا کے سپرد کیا ۔ مجھ کو بھی ان کی جدائی کا ایسا رنج و غم ہوا کہ رخصت ہوتے وقت کبھی ایسا نہیں ہوا تھا ۔ میں اسی حال میں دہلی پہنچا ۔ میں نے سنا کہ حضرت کی علالت نے طول کھینچا ، یہاں تک کہ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہو گئے اور نچوہ دیر کے بعد ہوش میں آئے ۔ مولانا بدر الدین اسحاق سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کر لی ۔ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے نماز عشاء وتر کے ساتھ ادا کی ہے ۔ حضرت پھر بے ہوش ہو گئے ۔ جب ہوش آیا تو فرمایا کہ ایک مرتبہ پھر [۵۸] عشاء کی نماز ادا کر لوں ۔ کیا معلوم کہ پھر موقع ملے یا نہ ملے ۔

وصال

مولانا بدر الدین سے منقول ہے کہ رات میں تین مرتبہ نماز عشاء ادا کی ۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ مولانا نظام الدین دہلی میں ہیں ، میں بھی حضرت قطب الدین قدس سرہ کے وصال کے وقت شہر ہانسی میں تھا ۔ آہستہ سے مولانا بدر الدین کے کان میں کہا کہ میرے انتقال کے بعد میرا وہ لباس جو حضرت قطب الملک والدین سے مجھے ملا تھا ، تم جانتے ہو ، درویش نظام الدین کو پہنچا دینا ۔ یہ کہا اور ہائی دوبارہ وضو کرنے کے لیے طلب کیا ۔ وضو کیا ، دو گانہ ادا کیا اور سجدہ میں چلے گئے یہاں تک کہ اسی سجدے میں وصال فرمایا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت کا انتقال ۵ محرم الحرام ۷۵۵ کے دن ہوا ۔

۱۔ فوائد الفواد ص ۵۲۔

۲۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۸۸۔

۳۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے انتقال کے متعلق مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں ۔ ملاحظہ ہو سیر الاقطاب ۸۹۹، راحت القلوب ۸۹۸، خزینۃ الاصفیاء ۸۹۷، فرشتہ ۸۹۶، مگر جواہر فریدی، اخبار الاخیار، سفینۃ الاصفیاء اور ”فرید الدین گنج شکر“ میں ۸۹۶۸ ہے۔

سلطان المشائخ و الاولیاء شیخ نظام الدین

محمد بدایونی قدس سرہ

شہنشاہ اورنگ عرفان حق دلش صدر دیوان ایوان حق
ملک بردہ درویشہ از شان او فلک کاسہ سبز ہر خوان او
دلش ساکن ملک ذات و صفات زہے پاک دین و زہے پاک ذات
قدم راندہ زین گوئہ در راہ فقر کہ شد شاہ اورنگ درگاہ فقر
بیاطن بتلوین زاطوار محو بظاہر ز تمکین نگہدار صحو
نظام الحق آن شاہ عالم مقام از و کار ارباب دین با نظام
جالی یکے از ثناخوان اوست بصد جان محب محبان اوست

وہ دریائے توحید کے نہنگ، صحرائے تفرید کے ہلنگ، یگانگان آفاق کے مرید،
طریق اطلاق کے سالکوں کے رہبر اور آسمان سرمندی کے مسند نشین تھے۔ سلطان
الاولیاء نظام الدین قدس سرہ زمانہ کے قابل یادگار مشائخ میں سے تھے۔ وہ ارباب
ولایت میں مشہور اور اسرار باطن میں بایزید وقت تھے اور ظاہری اطوار کے اعتبار
سے گویا اپنے زمانے کے امام ابو حنیفہ تھے۔

بچپن

ان کے والد بزرگوار احمد بن دانیال غزنین سے ہندوستان تشریف لائے اور
شہر ہداؤں میں توطن اختیار کیا۔ یہ بزرگوار (نظام الدین اولیاء) شہر ہداؤں میں
پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ ماجدہ

۱۔ مولوی رضی الدین لکھتے ہیں کہ حضرت کا نام احمد دانیال ہے احمد بن
دانیال نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۶۷، ۱۲۱۔

۲۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے والد کا انتقال ۸۶۳ھ میں ہداؤں میں ہوا۔ متصل
ساگرتال دفن ہیں۔ ۱۱۸۴ھ میں حافظ الملک حافظ رحمت خان نے مسجد، گنبد
اور چہار دیواری بنوائی۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۶۷، ۶۹، کنز التاریخ
ص ۶۷، عمدۃ التاریخ ص ۴۵، کلام منظور اولیاء (پہارستان حقیقت) ص ۳،
تاریخ ہداؤں مؤلفہ رائے بختاور سنگھ (ٹائپ شدہ مملوکہ محمد ایوب قادری)

ان کی پرورش کرتی تھیں۔ جب وہ بالغ ہوئے اور طالب علمی اختیار کی تو مولانا علامہ الدین اصول کی خدمت میں ظاہری علوم حاصل کرنے نکلے۔ وہ تمام و کمال سلاح و تقویٰ سے زندگی گزارتے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ رابعہؑ زمانہ تھیں۔

دہلی میں تحصیل علم

پچیس سال کی عمر میں بداؤں سے شہر دہلی آئے۔ اپنی والدہ ماجدہ کو ساتھ لائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ان کا دہلی آنا ہوا۔ یہاں بھی تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں شہر دہلی میں بہت سے درویش اور بے شمار عالم تھے لیکن علمائے کبار میں ممتاز [۵۹] شمس الدین خوارزمی تھے۔ شہر کے تمام علماء ان سے رجوع کرتے تھے۔ وہ فروع و اصول کے جامع تھے اور علوم معقول و منقول میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ آخر الامر سلطان غیاث الدین نے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا اور انہیں اپنے ملک کے مصالح کا مختار بنا دیا جیسا کہ تاج الدین سنگریزہ نے ان کی تعریف میں کہا ہے :

مطلع

شمس! کتنوں ہکام دل دوستانہ شدی فرمان دہی ممالک ہندوستان شدی چونکہ ابتدا میں عدالت کے کاموں کی مصروفیت تھی (لیکن) وہ اپنے اوقات درس و تدریس میں بھی صرف کرتے تھے، اس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ ان کے پاس تحصیل علم کرتے تھے اور ان کے بہت سے مستعد شاگرد تھے۔ ان کا ایک مخصوص حجرہ تھا جس میں وہ مطالعہ میں مشغول رہتے تھے اور کسی شخص کو

۱۔ ان کا نام بی بی زلیخا تھا۔ وہ عابدہ زاہدہ اور ویہ کاملہ تھیں۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۱۱۳ - ۱۱۶، اخبار الاخیار ص ۳۰۳ کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) (ص ۷۱) میں ہے کہ ان کا انتقال غرہ جمادی الاخریٰ ۷۶۸ھ کو ہوا۔

۲۔ ملاحظہ ہو (۱) نزیۃ الخواطر، ۱: ۱۶۶ - ۱۶۷۔

(۲) فوائد الفواد ص ۱۱۵ - ۱۱۶۔

(۳) اخبار الاخیار ص ۸۴۔

۳۔ فوائد الفواد (ص ۱۱۵) میں ہے کہ شمس الدین خوارزمی کو مستوفی الممالک کا منصب ملا تھا۔

۴۔ در فوائد الفواد (ص ۱۱۶) ”مصدرا“۔

۵۔ در فوائد الفواد (ص ۱۱۶) ”مستوفی“۔

اندر نہیں بلاتے تھے مگر حضرت شیخ مذکور، مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا
بریان الدین عبدالباق کو (بلاتے تھے)۔ اگرچہ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام
نظام الملت و الدین قدس سرہ نے درویشی اختیار نہیں کی تھی اور حضرت سلطان
المشاغ شیخ فرید الملت و الدین قدس سرہ سے خرقہ ارادت و خلافت نہیں ملا
تھا، لیکن حضرت خواجہ شمس الملک، علمائے شہر کے مقابلے میں ان کی تعظیم
زیادہ کرتے تھے اور ان کی عادت تھی کہ اگر ان کے شاگردوں میں سے کوئی غیر
حاضری کرتا تو بطور خوش طبعی اس سے فرماتے کہ کیا کرتے تھے جو حاضر
نہیں ہوئے؟ پھر میں ایسا کروں گا کہ تم حاضر نہ ہو سکو گے۔ لیکن اگر حضرت
سلطان المشائخ نظام الملت و الدین کا کبھی ناغہ ہو جاتا اور ان کو دیکھتے تو
یہ شعر پڑھتے :

شعر

بارے اکم از آنکہ کہ گاہے آئی و بیا کئی گناہے

شیخ نجیب الدین متوکل سے تعلقات

نقل ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان الاولیاء نظام الملت و الدین قدس سرہ
دہلی میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت شیخ المشائخ کے مکان کے قریب مسجد
کے پاس حضرت سلطان المشائخ شیخ فرید الدین مسعود اجدہنی قدس سرہ کے
چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ رہتے تھے اور حضرت شیخ نجیب الدین
متوکل ظاہری و باطنی علوم میں یدکانہ و ممتاز تھے جیسا کہ ان کے ذکر میں لکھا ہے
کہ بحکم ”الجار للجار حق“ ان کی صحبت اختیار کی۔ اتفاق سے جب ان سے ملاقات
ہوئی تو زیادہ اعتقاد اور بہت اتحاد پیدا ہو گیا اور یہ چیز روز بروز ترقی کرتی گئی۔ اس
زمانے میں ان کی والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ حضرت شیخ اکیلے رہ گئے۔ اپنی
تنہائی کو شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت میں گزارتے تھے [۶۰] اور ان سے مل کر
خوش ہوتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کی خدمت میں تشریف

۱۔ فوائد الفواد (ص ۱۱۵) ”آخر“۔

۲۔ نسخہ اول میں ہے کہ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے نظام الدین

اولیاء ایک حجرے میں رہتے تھے (ص ۱۱۶)۔

۳۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵۰۔

رکھتے تھے۔ ان سے عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ مجھے قاضی کا منصب مل جائے اور میں خلق خدا کے ساتھ انصاف کروں۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل خاموش ہو گئے، کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ سمجھے کہ میری بات نہیں سنی۔ پھر کسی قدر زور سے کہا کہ میں اسد وارہوں کہ مجھے قاضی کا منصب مل جائے۔ اس بات کو سنتے ہی انہوں نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم ہرگز قاضی نہیں ہو گے لیکن تم وہ چیز ہو گے جو میں جانتا ہوں۔

اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام فرید الملت و الدین کی بزرگی کا ڈنکا آسان و زمین میں ساکنان علوی و سعلی کے پوش کے کانوں کو کھول رہا تھا اور ان کی معرفت کی شہرت طالبان صدق یقین کو نعمت ابدی و سعادت سرمدی کے خوان پر بلا رہی تھی۔ چونکہ وہ دولت ام یزلی حضرت سلطان العارفین شیخ نظام الملت و الدین کو ازل میں مقدر ہو چکی تھی، بحکم ”اراد اللہ نسبتا بنیا اسبابہ“۔

بابا فرید کی خدمت میں حاضری اور بیعت

حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی بیعت کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت و الدین کی خدمت کا اشتیاق حضرت شیخ نظام الملت و الدین کو ار خود رفتہ نہیں ہونے تھا۔ چنانچہ خوش اعتقادی اور محبت کی وجہ سے بے چین رہتے تھے اور متواتر ان کا نام مبارک لیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد شہر دہلی سے قصبہ اجودھن کی طرف جو حضرت (بابا فرید) کا مقام سکونت تھا، تشریف لے گئے۔ جب اس مقدس مقام اور متبرک قصبے میں پہنچے تو جمعرات کا دن تھا۔ نماز ظہر کے بعد ان عالی مرتبہ (بابا فرید) کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے جو سرمایہ دارین اور پیرایہ کوئین ہے، قربت حاصل کی۔ انہوں نے بہت ارادہ کیا کہ اشتیاق ملاقات کی تفصیل بیان کریں لیکن ان کے خوف کی وجہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ چنانچہ کتاب فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) نے مجھ پر خوف کا اثر دیکھا تو فرمایا مولانا ”لکل دخیل دہشت“ شاباش صفائی قلب حاصل ہوئی، انشاء اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی نعمتوں سے فیضیاب ہو گے۔

قرض اور توکل میں بعد المشرقین

ان ہی سے منقول ہے کہ جب آفتاب بزرگی کی بیعت سے مشرف ہوا تو میں نے

چاہا کہ میں کچھ دنوں حضرت شیخ (بابا فرید) کی خدمت و صحبت میں رہوں اور اس کو غنیمت سمجھوں۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام کے گھر میں بہت ناداری تھی۔ ان کی اولاد، متعلقین اور درویشوں کو ہفتے میں دو دو تین تین فاقے ہو جاتے تھے اور ان کی صحبت کی برکت سے ہرگز کسی کی حالت میں کوئی فرق نمودار نہ ہوتا۔ مولانا بدر الدین اسحاقؒ (جنگلی سے) لکڑیاں لاتے اور شیخ المشائخ جمال الدین ہانسوی جنگل سے دیلہ لاتے کہ جو کریر کے درخت سے حاصل ہوتا ہے اور اکثر لوگ سرکہ میں ڈال کر اس کا آچار بناتے ہیں، مولانا حسام الدین کابلی [۶۱] ہانی لاتے، باورچی خانے کی دھکیں صاف کرتے اور میں اس جنگل کے دہلوں کو پکاتا اور ان کو کچھکول میں رکھ کر شیخ الاسلام فرید الملت والدین اور حاضرین مجلس کے افطار کے لیے لے جاتا، ان کے سامنے رکھ دیتا۔ اس کھانے میں کبھی نمک ہوتا اور کبھی وہ بھی نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ دو تین دن تک نمک میسر نہ آیا جو ڈالا جاتا۔ مسجد کے قریب ایک بقال تھا۔ اگر غیب سے کچھ مل جاتا تو اس بقال سے کھانے کا مصالحہ خرید لیا جاتا۔ ایک دن میں نے اس سے ایک درم کا نمک قرض لے لیا اور دہلوں کے ان پیالوں میں (نمک) ڈال دیا جن کو ابالا تھا روزانہ کے دستور کے مطابق حضرت (بابا فرید) اور دوسرے درویشوں کے سامنے لے گیا۔ مجھے، شیخ جمال الدین اور مولانا بدر الدین اسحاق کو یہ حکم تھا کہ ایک ہی پیالے میں کھائیں۔ مختصر یہ کہ جب حضرت سلطان المشائخ نے پیالے میں ہاتھ ڈالا اور لقمہ اٹھایا تو فرمایا کہ ہاتھ میں کچھ کرائی محسوس ہوتی ہے، اجازت نہیں کہ لقمہ منہ میں لوں۔ غالباً اس کھانے میں کچھ شبہ ہے۔ پھر اس لقمے کو جو اٹھایا تھا، پیالے میں رکھ دیا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ اس بات کے سنتے ہی میرا جسم کانپنے لگا، فوراً کھڑا ہوا اور سر زمین پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اے آقا! لکڑیاں، دیلہ، باورچی خانے کے لیے ہانی شیخ جمال، مولانا بدر الدین اسحاق اور مولانا حسام الدین لاتے ہیں اور یہ خاکسار اہالتا ہے اور بہت احتیاط رکھتا ہے، تب حضور کے سامنے لانا ہے۔ شبہ کا کوئی سبب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر حضور کو جو کشف کے ذریعے معلوم ہوا ہے (ارشاد فرمائیے) فرمایا کہ ان پیالوں میں جو نمک ڈالا گیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے۔ اب میں بات کو سمجھا کہ یہ سبب تھا کہ پیالوں میں جو نمک ڈالا تھا وہ قرض لیا تھا۔ دوبارہ پھر میں نے سر زمین پر رکھا اور قرض لینے کی کیفیت بیان کی۔ حضرت نے فرمایا کہ درویش چاہے

اللہ سے سر جائیں مگر لذت نفس کے لیے قرض نہیں لیتے اس لیے کہ قرض اور ٹوکل میں بعد المشرفین ہے۔ یہ دونوں چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ قرض ادا نہ ہو سکے اور گردن پر باقی رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ درویشوں کے سامنے سے یہ پیالے اٹھا لو اور دوسرے فقیروں کو دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حکم ہے جو مجھے دیا جا رہا ہے اس لیے کہ مجھے جب ضرورت ہوتی تھی تو میں قرض لے لیا کرتا تھا۔ اسی وقت میں نے توبہ کی اور نیت کر لی کہ اگر مجھے ضرورت ہوئی تو بھی کبھی کسی سے قرض نہیں لوں گا۔ پس حضرت سلطان المشائخ (بابا فرید) جس کمبل پر بیٹھے تھے وہ مجھے عطا کر دیا اور دعا دی کہ، انشاء اللہ تجھے کبھی قرض کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

دہلی روانگی

جب حضرت (بابا فرید) سے رخصت ہو کر میں دہلی روانہ ہوا تو رخصت کے وقت مجھ کو نصیحت کی کہ دشمنوں کو جس طرح بھی ہو سکے خوش کرنا اور جس کسی سے قرض لو اس کی ادائی میں کوشش کرنا، حق تعالیٰ [۶۶] آسان فرمائے۔ غصہ یہ کہ حب وہاں سے روانہ ہوا تو ایسی جگہ پہنچا کہ جہاں جنگل تھا اور کبھی کبھی ڈاکو لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ اتفاق سے بارش ہو گئی اور میرے ساتھ کوئی درویش نہ تھا راستہ کے نزدیک ایک درخت تھا۔ بارش کی وجہ سے میں اس درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اچانک میں نے دیکھا کہ پانچ چھ چور تلواریں اور تیر کان نیچے ہوئے ظاہر ہوئے اور انہوں نے میری طرف رخ کیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کمبل اور لباس پر کہ جو مجھے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدین نے عنایت فرمایا ہے، مجھے اسید ہے کہ ان چوروں کو یہ موقع نہیں ملے گا کہ وہ ہاتھ ڈالیں اور اگر نمود باللہ منہا حضرت شیخ (بابا فرید) کا لباس انہوں نے مجھ سے لے لیا تو میں ہرگز کسی آبادی میں نہیں جاؤں گا اور نہ کسی کو منہ دکھاؤں گا۔

میں اسی خیال میں تھا کہ چوروں نے میری طرف سے رخ پھیر لیا اور دوسری طرف کو چل دیے، مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ جب میں دہلی پہنچا، ایک دو روز میں نے آرام کیا۔ حضرت شیخ نجم الدین سے ملا۔ ان سے شیخ الاسلام فرید الملت والدین کی خدمت میں حاضری اور شرف صحبت کا تمام ماجرا بیان کیا۔ وہ

بہت خوش اور مسرور ہوئے اور میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا ۔

قرض کی ادائی

القرض جب میں وہاں سے واپس ہوا تو مجھے وہ نصیحت یاد آئی جو شیخ فرید الدین نے رخصت کے وقت فرمائی تھی کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے اور قرض بچا ہے تو ہوا ہو یا بہت اس کو ادا کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک کتاب اپنے ایک دوست سے عاریتاً لی تھی وہ مجھ سے کھو گئی تھی۔ میں اس دوست کے گھر گیا، اس سے ملاقات کی اور کہا کہ اے مخدوم! میں نے تم سے ایک مرتبہ ایک کتاب عاریتاً لی تھی، وہ مجھ سے گم ہو گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرا مصمم ارادہ ہے کہ کچھ کاغذ حاصل کروں اور اس کو نقل کر کے تم کو دے دوں۔ جب اس نے میری یہ بات سنی، تھوڑی دیر میری طرف دیکھا اور یہ بات کہی کہ جس جگہ سے تم آئے ہو، وہاں کی یہی برکت ہے کہ خوشنودی خدا حاصل ہوتی ہے۔ جاؤ میں نے وہ کتاب تمہیں بخش دی۔ وہاں سے میں آیا اور بزاز کے پاس پہنچا کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا اور اس کے بیس جیتل مجھ پر قرض تھے۔ اپنی ناداری کی وجہ سے مجھے پیسہ نہ ہو سکے کہ میں ادا کرتا۔ اس سے ملاقات کی۔ میرے پاس دس جیتل بھی میں نے اس سے کہا کہ اے عزیز! میں نے ایک مرتبہ تجھ سے کپڑا خریدا تھا، کپڑے کی قیمت کے بیس جیتل مجھ پر قرض کے باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت دس جیتل میرے پاس موجود ہیں، یہ لے لو، باقی میں انشاء اللہ ادا کر دوں گا۔ وہ قرض خواہ خوش ہوا اور دہا کہ مولانا! جس دیندار بزرگوار کے پاس سے آپ آ رہے ہیں، ان کی صحبت کا یہی اثر ہے۔

دہلی میں سکونت سے احتراز

ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ مجھ کو شہر دہلی میں کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ اس قابل [۶۳] نظر نہیں آئی کہ وہاں میں اپنا مسکن بناتا اور مشغول حق ہوتا۔ لوگوں کی کثرت اور شہر کی مشغولیت مجھے پسند نہیں آئی۔ اس زمانے میں میں کلام مجید یاد کرتا تھا اور اکثر جنگل میں چلا جاتا تھا اور مشغول عبادت ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ قتلغ خاں کے حوض پر پہنچا۔ وہاں ایک پاد طینت درویش سے ملا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے مخدوم! آپ اس شہر میں ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے پھر کہا کہ اس شہر میں آپ بخوشی و خاطر رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی بھی اس انبوہ اور کثرت میں خوش طبعی سے سکونت اختیار نہیں کر سکتا مگر پھر مجبوراً۔ اس درویش نے مجھ سے حکایت بیان کی کہ میں نے دروازہ کمال سے

باہر حظیرہ شہدانی کے چبوتے پر جس کے نزدیک قلعہ ہے ایک گدڑی ہوش
 و بیدار کو مصروف عبادت دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی سلامتی اور
 خدا کی عبادت میں استعمال چاہتے ہو تو اس شہر میں نہ رہنا کہ یہ خراب ہو گیا
 ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں نہ اس شہر میں سکونت اختیار نہ کروں اور کہیں اور
 چلا جاؤں لیکن اے مولانا نظام الدین! آٹھ سال ہوئے کہ میری نیت اسی پر
 قائم ہے کہ ہرگز اس شہر میں نہ رہوں لیکن بحکم قید الہاء اشد من قید العہد
 (ہائی کی قید لوہے کی قید سے شدید تر ہے) سفر کی مہلت نہیں ملی۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء نے جب اس درویش سے یہ
 بات سنی تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار نہیں کریں گے
 وہاں سے باہر آئے، رانی حوض کے نزدیک ایک باغ میں داخل ہوئے جسے باغ جسر تہ
 کہتے تھے۔ پھر وضو کیا اور دو ٹانہ آدا کیا۔ موقع اچھا تھا۔ مناجات میں مشغول
 ہوئے اور عرض کیا اے خدا! میں اس شہر میں آ گیا ہوں اور اپنے دل سے یہ
 نہیں چاہتا کہ اس شہر میں رہوں البتہ جس جگہ دین کی خیریت اور یقین کی
 صلاحیت میرے لیے ہو مجھے وہاں رہنے دے۔ ناذہ ایک طرف سے آواز آئی
 تیری جگہ غیاث پور ہے اور یہ غیاث پور ایک غیر معروف گاؤں تھا جسے کوئی
 نہیں جانتا تھا۔ کہاں ہے۔

غیاث پور میں سکونت

مختصر یہ کہ یقینی نیشاپوری حضرت شیخ کے معتقد تھے، شیخ ان کے گھر
 گئے کہ ان سے موضع غیاث پور کا پتہ دریافت کریں۔ ان کے آدمیوں میں سے کسی
 نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں۔ حضرت شیخ ان کے
 متعلقین میں سے ایک شخص کو اپنے ساتھ لے کر موضع غیاث پور آئے، دیکھا کہ

- ۱۔ در نسخہ اول شہدانیہ لک ص ۱۲۲ و فوائد الفواد حظیرہ شہدان ص ۲۴۲۔
- ۲۔ نسخہ اول ”بیس سال“ ص ۱۲۲ و فوائد الفواد بست و پنج سال
 ص ۲۴۲۔
- ۳۔ خواجہ نظام الدین نے ارادہ کیا پٹیالی جاؤں پھر ایک بستی بسنا لگئے اور تین
 دن بعد چلے آئے (فوائد الفواد ص ۲۴۲)۔
- ۴۔ نسخہ اول ”نقوب نیشاپوری“ ص ۱۲۳۔
- ۵۔ فوائد الفواد (ص ۲۴۲) میں ہے کہ ”آر دوست را نقیب بود نیشاپوری“۔

دریائے جمنا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں سکونت پذیر ہو گئے اور اطمینان قلب کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے۔

اتفاق سے سلطان معز الدین کی قیادت نے جو حضرت سلطان غیاث الدین بلبن کا ہوتا تھا اور اس کے بعد تخت نشین ہوا تھا، موضع کیلو کھری میں جو غیاث اور کے نزدیک ہے دریائے جمنا کے کنارے ایک محل بنوایا۔ قلعہ کی بنیاد رکھی اور ایک شہر آباد کیا اور جامع مسجد بنوائی۔ چنانچہ امراء، شاہزادگان، فقراء اور اہل سلوک کی آمد و رفت شیعہ نظام الملت و الدین کے پاس شروع ہو گئی اور مخلوق کے اعتقاد پختہ ہوئے۔ بہت سے اہل دولت جو ہمیشہ فسق و فحش میں مبتلا رہتے تھے حضرت شیعہ کی صحبت سے تائب ہو گئے۔ ان کو دین کی صلاحیت اور یقین کی پختگی حاصل ہوئی۔

امیر سیف الدین لاچین

[حضرت خواجہ ابو الحسن خواجہ خسرو کے نام سے مشہور ہیں، امیر سیف الدین لاچین اپنے لڑکوں کے ہمراہ جن کے نام اعز الدین علی شاہ، حسام الدین احمد اور ابو الحسن خسرو تھے (نظام الدین اولیاء) کے مرید ہو گئے]۔ وہ امیر سیف الدین لاچین بے نظیر بزرگ، صالح انسان اور خدا پرست تھے اور پچاسی سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ چنانچہ امیر خسرو ان کے مرثیہ میں فرماتے ہیں :

سیف از سرم گزشت دل من دو نیم ماندہ دریائے من روان شد و در یتیم ماندہ

خواجہ امیر خسرو

حضرت خواجہ خسرو جب اپنے والد اور بھائیوں کے ہمراہ حضرت شیخ کے مرید ہوئے تو آٹھ سال کے تھے اور ان کے بھائی بڑے تھے۔ ان کی پیدائش قصبہ سومن آباد میں ہوئی کہ اس کو پٹیالی بھی کہتے ہیں۔ (یہ قصبہ) دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے۔ جب امیر سیف الدین شہید ہوئے تو خواجہ خسرو نو برس کے تھے۔ ان کے نانا ادب عرض کا منصب رکھتے تھے اور ان کا خطاب عہاد الملک تھا۔

۱۔ در نسخہ اول ”لب آجو“ ص ۱۲۳۔

۲۔ یہ واقعات فوائد الفواد (ص ۲۴۱-۲۴۳) سے مقتبس ہیں۔

۳۔ نسخہ اول میں یہ جملہ نہیں ہے۔

۴۔ در نسخہ اول ”شد“ ص ۱۲۴۔

۵۔ پٹیالی عرف سومن آباد ضلع اوٹھ۔ یو۔ پی (بھارت) میں واقع ہے۔

ان کی کچھ تعریف غرۃ الکمال کے دیباچہ میں خواجہ خسرو نے لکھی ہے۔ وہ
 عماد الملک اولیاء اللہ میں سے تھے۔ انہوں نے ایک سو تیرہ سال کی عمر پائی۔ انہوں
 نے حضرت خسرو کی تربیت کی تھی۔ (خسرو) پانچ سال کی عمر میں منصب سومین آباد
 سے دارالخلافہ دہلی آئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء حضرت خواجہ خسرو
 سے انور کو ”ترد اللہ“ کہا کرتے تھے اور بے انتہا محبت کرتے تھے۔ چنانچہ
 حضرت شیخ کی مدح میں فرماتے ہیں :

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت دست ترک اللہ بگیر وہم باللہش سہار
 چوں من مسکیں ترا دارم بمیم من بود نیست حاجت خواہش آمرزش آمرز کار
 حمید فلندر کے والد مولانا سراج الدین سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت
 شیخ نظام الدین اولیاء خواجہ خسرو کی شان میں فرماتے ہیں :

اے ترک من از وجود خود برنجم و اے میرے ترک! میں اپنے وجود
 لیکن از تو ہرگز رنجم۔ لیکن از تو رنجیدہ ہوں لیکن تجھ سے ہرگز
 رنجیدہ نہیں ہوں۔

خواجہ خسرو کے بڑے بھائی اعز الدین علی شاہ سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء
 بے حد و انتہا محبت کرتے تھے۔ چنانچہ خواجہ حسن دہلوی نے کتاب فوائد الفوائد میں
 ان کو اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ”مریدان پاک نہاد و پاک اعتقاد“
 لکھا ہے۔ اور حضرت شیخ (نصیر الدین) اور اعز الدین علی شاہ کو بار بار اپنی
 خاص خلعت سے سرفراز کیا اور خواجہ خسرو جو شعر بھی کہتے جب تک ان کو
 نہ دکھا لیتے کسی کو نہ سناتے [۶۵]۔

مخلوق کی کثرت

مختصر یہ کہ جب حضرت شیخ کے پاس رجوع مخلوق حد سے زیادہ ہونے لگی
 تو انہوں نے خیال کیا کہ مجھ کو اس مقام سے بھی چلا جانا چاہیے۔ اس زمانے
 میں مولانا امین الدین احمد محدث تبریزی جن سے حضرت شیخ کو اخبار و حدیث
 و آثار نبوی کی اجازت و سند تھی، شہر میں وفات پا گئے۔ حضرت شیخ نے ارادہ کیا
 کہ کل جب سوئم کے لیے ان بزرگوار کی زیارت ہر جاؤں گا تو شہر میں سکونت
 اختیار کر لوں گا کہ وہاں مخلوق کی کثرت کم ہے۔ اسی روز نماز عصر کے وقت

۱۔ فوائد الفوائد ص ۹۔

۲۔ در نسخہ اول ”زبان مخلوق کی کثرت ہے“ ص ۱۲۵۔

ایک کمزور حسین جوان کہ جس کے چہرے سے کبالات کے آثار ظاہر تھے ان کے سامنے پہنچا اور بیٹھ گیا اور یہ شعر پڑھا :

اُن روز کہ مہ شدی نمی دالستی کانگشت نمائے عالمے خواہد شد
اس کے بعد کہا کہ خیر مشہور نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے مانا کہ یہ شخص مشہور ہوا لیکن ایسا ہونا چاہیے اور لوگوں کے سامنے اس طرح پیش آنا چاہیے کہ قیامت کے روز جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور یہ کیا حوصلہ اور ہمت ہے کہ ایک شخص مخلوق سے بھاگتا ہے اور مشغول عبادت ہوتا ہے۔

جب اس مرد خدا کی یہ بات ختم ہوئی تو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے کچھ کھانا طلب کیا کہ اس شخص کے ساتھ تناول فرمائیں۔ اس شخص نے کھانے میں مطلق ہاتھ نہیں ڈالا۔ جب شیخ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ ضرور اسی مقام پر رہیں گے اور خاص و عام کو نفع پہنچائیں گے، اس وقت اس شخص نے اس خوان سے کھانے کے چند لقمے کھائے اور باہر چلا آیا۔ حضرت شیخ وہیں مقیم رہے۔ ان کا ایک مکان کیلوکھری کی مسجد کے برابر تھا اور دوسرا مکان غیاث پور میں تھا دونوں گانوؤں کے درمیان آدھے کوس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ جمعرات کو اس مکان میں تشریف رکھتے جو جامع مسجد کے پہلو میں تھا اور ہفتہ کے روز اول وقت غیاث پور چلے آتے تھے۔

ملک یار ہراں کے خادم کا گھوڑی نذر کرنا

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الملک والدین ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے اور جمعہ کی نماز کے لیے غیاث پور سے کیلوکھری پہلے تشریف لے جاتے۔ ایک ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے پاس کوئی چھوٹا سا گھوڑا ہوتا تو اس گرم ہوا میں ایک کوس کا فاصلہ نماز جمعہ کے لیے اس پر سوار ہو کر طے کرتا۔

حضرت شیخ نور الدین ملک یار ہراں کے خادم کے پاس ایک گھوڑی تھی۔ شیخ ملک مذکور اس کو خواب میں دکھائی دیے کہ جو گھوڑی تیرے پاس ہے

شیخ نظام الدین کے پاس پہنچا دے کہ وہ غیاث پور سے کھلو کھری تک نماز جمعہ کے لیے پہل جاتے ہیں۔ جب حضرت شیخ ملک یار ہراں کا خادم [۶۶] بیدار ہوا تو اس نے شیخ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ دوسرے روز پھر وہی خواب دیکھا اور وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں گھوڑی لایا اور خواب کا حال بیان کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ تو اپنے شیخ کے حکم سے یہ گھوڑی میرے لیے لایا ہے لہذا جب تک مجھے اپنے شیخ فرید الملت والدین سے اجازت نہ ملے گی میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ خادم مذکور گھوڑی واپس لے گیا۔ تیسری رات اس خادم نے پھر شیخ ملک یار ہراں کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں ”جا گھوڑی حضرت نظام الملت والدین کے پاس لے جا کہ آج رات شیخ فرید الملت والدین نے ان کو حکم دے دیا ہے ضرور قبول کر لیں گے۔“ علیٰ املہ مع وہ خادم گھوڑی کو حضرت کے پاس لایا۔ حضرت نے اسی وقت اس کو قبول کر لیا۔

نور الدین ملک یار ہراں

یہ شیخ نور الدین ملک یار ہراں ایک بڑے بزرگ تھے۔ ان کی پیدائش لار میں ہوئی اور وہ حضرت شیخ اعز الدین، دانیال خنجی کے مرید تھے اور حضرت دانیال خنجی حضرت شیخ علی خضر کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ ابو اسحاق گزرونی کے مرید تھے۔ چنانچہ یہ درویش (شیخ جالی) ان تینوں بزرگوں کی زیارت کے لیے گیا ہے اور ان کے آستانوں کی جبین سائی کی ہے۔ حضرت نور الدین ملک یار ہراں سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شہر دہلی میں آئے تھے۔ انہوں نے دریائے جمنا کے کنارے ابابکر طوسی حیدری کے ٹکے کے نزدیک مکان بنایا تھا اور یہ ابابکر طوسی ایک قلندر تھا۔ وہ جماعت کش اور آہن زنجیر پوش ایک شیخ مہر رکھتا تھا جیسی کہ حیدریوں کی رسم ہے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ رائگ کی ایک سیخ بناتے ہیں اور آگہ تناسل میں سوراخ کر کے اس میں ڈال دیتے ہیں اور اس سیخ کے دونوں سروں کو خمیدہ کر دیتے ہیں اور ایک حلقہ بناتے ہیں اور آگ میں گرم کر کے جھنڈ کر دیتے ہیں کہ پھر کبھی وہ کھل نہیں سکتی ہے اس کو سیخ مہر

۱۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۷-۱۲۸۔

۲۔ کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت قلمی (ص ۶۰) میں لکھا ہے کہ نور الدین ملک یار ہراں شیخ عزیز الدین دانیال کے مرید تھے اور سال وفات ۸۶۹۵ھ لکھا ہے۔

کہتے ہیں۔ وہ قلندر اہل معنی سے تھا ہانپوں وقت کی نماز با جماعت ادا کرتا اور حضرت شمع جال الدین ہائیسوی اس کو شہباز سفید کہتے تھے۔ اب اس کی قبر بھی اسی تکیے میں ہے جو درہائے جمنہ کے کنارے ایک ٹیلے کے اوپر واقع ہے۔ پہلے وہاں بت خانہ تھا۔ اس نے اس بت خانے کو منہدم کر کے تکیے کی بنیاد ڈالی۔

مختصر یہ کہ شمع نور الدین ملک یار نے اس تکیے کے قریب اچھی جگہ دیکھ کر تکیہ بنایا اور یہ درویش ابابکر طوسی حیدری حضرت (ملک یار ہراں) سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ یا سلطان سے کوئی فرمان یا نشان لاؤ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ، کسی دوسری جگہ اپنا تکیہ بناؤ۔ اس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن ٹھٹھہ میں تھا۔ ظاہر ہے کہ دہلی سے ٹھٹھہ کا کس قدر [۶] فاصلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی مدت میں حضرت شیخ نور الدین ملک یار ٹھٹھہ پہنچے اور سلطان سے ملاقات کی۔ ان کی بہت تعظیم و تکریم ہوئی۔ سلطان نے چار بڑے گانوؤں کا ایک فرمان دیا۔ فرمان میں سمت تکیہ کا اندراج کر دیا اور ان کو رخصت کیا۔ چند دن میں وہ اپنے مقام پر پہنچ گئے۔ درویش ابابکر حیران ہوا اور کہا کہ یہ مرد ہراں (اڑنے والا آدمی) تھا کہ اتنی جلد گیا اور آ گیا۔ اس کے بعد وہ حضرت ملک یار ہراں مشہور ہو گئے اور وہ بواسعائیوں کی رسم کے مطابق زرد خرقہ پہنا کرتے تھے اور ان کے لباس پر زرد نقوش ہوتے تھے۔ ان کے ملک میں ایک قسم کی زرد رنگ کی روئی ہوتی ہے اس سے لباس بناتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الملک والدین ان کی وفات کے بعد دہلی آ گئے۔

بابا فرید کا مصلیٰ اور ٹوپی مانا

منقول ہے کہ مولانا شعیب نام ایک درویش حضرت شیخ کے پاس پہنچے۔ سیواہ عمدے کا ایک مصلیٰ اور عمدہ ہی کی ایک ٹوپی لائے اور حضرت شمع نظام الملک والدین کے سامنے پیش کی اور عرض کیا کہ اس کو حضرت سلطان المشائخ فرید الملک والدین نے آپ کے واسطے بھیجا ہے۔ شیخ نے تازہ وضو کیا، مصلیٰ بچھایا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اسی زمانے میں کسی نے گجرات سے دو سو پچاس دینار سرخ شکرانے میں بھیجے تھے، وہ انہوں نے درویش شعیب کو دے دیے

۱۔ شمع نور الدین ملک یار ہراں کا انتقال ۸۶۹۵ میں ہوا (کاشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت، قلمی ص ۶۰)۔

۲۔ نسخہ اول میں نوے دینار ہیں (ص ۱۲۸)۔

جو مصلحت اور کلام لائے تھے اور معذرت چاہی کہ یہ حقیر چیز (نذرانہ) آپ کے لائق نہیں ہے لیکن جو کچھ عیب سے ملتا ہے، آپ اسے قبول کیجیے۔ شعیب مذکور نے چند روز کے بعد رخصت چاہی اور کہا کہ آپ کی صحبت سے میں بہت مسرور ہوا اگر آپ اجازت دیں تو حضرت ملک المشائخ فرید الملت و الدین (کی خدمت میں پہنچوں) ان کی قدم بوسی کا اشتیاق حد سے زیادہ ہے شاید نصیب ہو جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اپنے دس مبارک سے لکھی ہوئی ایک عرضداشت اور کچھ تبرکات آسمان بزرگی کے آفتاب حضرت فرید الملت و الدین کی خدمت میں روانہ کیے اور یہ رباعی اس عرضداشت میں تحریر کی:

زال روئے کہ ہندۂ تو خواند مرا بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطفے عامت؟ عنایتے فرمودست ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

فتوحات کا دور

حضرت شیخ المشائخ نظام الملت و الدین دوسری مرتبہ حضرت شیخ فرید الملت و الدین کی خدمت میں قسماً اجودھن گئے۔ ملاقات کے دوران حضرت شیخ (بابا فرید) نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین! تم نے جو رباعی اپنے خط میں تحریر کی ہے میں نے اس کو یاد کر لیا ہے۔ انشاء اللہ تم جس جگہ بھی رہو گے اہل نظر کے منظور نظر رہو گے۔

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ نظام الملت و الدین نے [۶۸] غبات پور میں سکونت اختیار کی تو ابتدائی زمانے میں ان کی وجہ معاش بہت کم تھی اور دو صاحبِ جمال درویش ان سے متعلق تھے۔ انھوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں بزرگی اور مراتب حاصل کیے۔ ان میں سے ایک شیخ المشائخ برہان الدین شریبؒ تھے کہ جو اب ملک دکن میں شہر دولت آباد میں آرام فرماتے ہیں۔ ان کے مناقب انشاء اللہ تحریر کیے جائیں گے۔ دوسرے شیخ کمال یعقوب تھے کہ گجرات کے علاقے میں شہر پٹن میں حوض شمسی لنگ کے نزدیک ان کا مقبرہ ہے۔ اس کے بعد دوسرے خلفاء نے خرچہ پایا لیکن شروع زمانے میں یہی دو درویش ان کی خدمت میں سلوک میں مشغول رہتے تھے۔

ایک مرتبہ چار روز تک ان کے پاس کوئی چیز نہ پہنچی کہ اس سے درویشوں

۱۔ دیکھیے فوائد الفواد ص ۳۰۱۔ ۳۰۲۔

۲۔ در نسخہ اول ص ۱۲۸، ”غایت“۔

دو روزہ افطار کرانے۔ ایک ٹیک عورت حضرت شیخ کی ہم ساہم تھی، وہ رسی ہتی، اچھے فروخت کرتی، جو خریدتی اور جو کے آٹے کی روٹی بغیر نمک کے پکاتی پھر روزہ افطار کرتی لیکن مذکورہ خاتون بھی حضرت شیخ کی مرید تھی۔ اس کے پاس آدھا سیر جو کا آٹا تھا جسے اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت شیخ نے کمال الدین یعقوب سے فرمایا کہ اس آٹے کو لے لو، دیگ میں ڈال دو اور کچھ پانی ڈال کر جوش دو، ممکن ہے آئندہ کچھ اور ملے۔ شیخ کمال الدین یعقوب نے ایسا ہی کیا جیسا حضرت شیخ کا حکم تھا دیگ میں خوب جوش آ رہا تھا اور اس میں سے آواز بھی آ رہی تھی۔ (وہ اتنی گرم تھی) کہ اگر ایک ہوند کسی کے ہاتھ پر پڑ جاتی تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔

اچانک ایک گدڑی ہوش درویش کہیں سے وہاں آ گیا اور اس نے حضرت شیخ سے باواز بلند کہا کہ اے شیخ! اگر کچھ کھانا ہو تو میرے پاس لاؤ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درویش سہرابی کیا کرتے ہیں، کچھ دیر لگے گی کہ دیگ تیار ہو جائے گی۔ درویش نے کہا کہ تم خود اٹھو اور جس حالت میں دیگ ہے، اسی حالت میں پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ حضرت شیخ فوراً اٹھے، اپنے ہاتھ پر آستین لپیٹ لی تاکہ جلے نہیں، دونوں ہاتھوں سے دیگ کا کنارہ پکڑا اور اس فقیر کے سامنے لے گئے۔ درویش مذکور نے پہنچے تک اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا اور اپنے منہ میں لے گیا۔ وہ اس قدر گرم تھا کہ اگر اس میں لکڑی ڈال دی جاتی تو بھڑک جاتی۔ درویش ہر مرتبہ اس میں ہاتھ ڈالتا اور اپنے منہ میں لے جاتا اور دیگ کے کنارے حضرت شیخ کے دست مبارک میں تھے۔ آخر کار اس گدڑی ہوش فقیر نے دیگ کو حضرت کے ہاتھوں میں سے اپنے ہاتھ میں لے لیا، زمین پر مار دیا اور توڑ دیا۔ پھر کہا کہ اے درویش نظام الدین! تمہاری نعمت باطنی حضرت شیخ فرید الدین مسعود کی عطا کی ہوئی ہے ورنہ تمہارے فقر ظاہری کی دیگ کو بھی توڑ دیتا۔ یہ کہا [۶۹] اور چشم زدن میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

اس کے بعد سے (شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں) اس قدر تحائف اور نذرانے پہنچنا شروع ہوئے کہ ضبط تحریر میں نہیں آ سکتے اور بیان نہیں ہو سکتا۔ جماعت بڑھ گئی۔ دین کے طالب اور سچے اہل یقین ہزاروں کی تعداد میں ان کی خدمت میں آنے لگے، شرف ارادت سے مشرف ہونے لگے، خرقہ خلافت پانے لگے،

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برقی) ص ۳۴۳ - ۳۴۴، ۳۶۶، ملفوظات شاہ

عالی درجات اور بلند مقامات حاصل کرنے لگے اور کشف و کرامات میں مشہور ہوئے۔ اگر سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اور حساب و شمار سے بڑھ جائے۔

اولین خطبہ

پہلے درویشوں میں سے کہ جنہوں نے خرقہٴ خلافت پایا، حضرت مولانا برہان الدین غریب اور حضرت شیخ کمال الدین یعقوب ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی ہیں جن کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے دوست ”کنج معانی“ کہتے تھے۔ ان کا مدفن شہر دہلی میں ہے۔ دوسرے حضرت مولانا فخر الدین زراہی ہیں جو مکہ معظمہ کے راستے میں رحمت حق سے ایک دریا میں غرق ہو گئے۔ دوسرے شیخ نور کے دادا حضرت شیخ اخی سراج ہیں جو بنگالہ میں آرام کرتے ہیں۔ دوسرے شیخ شہاب الدین امام ہیں، وہ بھی دہلی میں آرام کرتے ہیں۔ ان کے بعض دوسرے خلیفہ بھی ان کے قریب آرام کرتے ہیں۔ یہ تمام درویش ظاہری و باطنی علم سے آراستہ و پیراستہ تھے اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

مولانا فخر الدین زراہی

مولانا کمال الدین سامانی سے جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے پاک اعتقاد سریدوں میں سے ہیں منقول ہے کہ میں اور حضرت فخر الدین زراہیؒ ابتدائی زمانے میں ایک جگہ تعلیم پاتے تھے۔ آخر کار مولانا فخر الدین زراہی علم و فضل میں درجہٴ اجتہاد پر پہنچے مگر وہ درویشوں سے اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اکثر اس گروہ (درویش) کے لوگ جاہل اور مفت خور ہوتے ہیں۔ اور اپنے جھوٹ کو کرامت سے منسوب کرتے ہیں تاکہ کھانے پینے کو ملتا رہے۔ مولانا کمال الدین سامانی حضرت شیخ کے مرید اور معتقد تھے۔

ایک دن مولانا کمال نے مولانا فخر الدین زراہیؒ سے کہا کہ ایک روز تم

۱۔ برہان الدین غریب وفات (۸۷۴ھ)، ملاحظہ ہو کشف الحقیقت ص ۱۸،

خزینۃ الاصفیاء ۱: ۳۴۶، لطائف اشرفی ص ۳۵۷، اخبار الاخیار ص ۹۹۔

۲۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۶۳۔ ۶۴۔

۳۔ مولانا فخر الدین زراہی کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۷۴۔ ۷۵۔

ہمارے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں چلو اور ان سے ملاقات کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مولانا! ان سے ملاقات کی کیا ضرورت ہے اور یہ ملاقات کے لائق نہیں ہیں۔ مولانا کمال الدین نے متواتر کئی روز تک اصرار کیا کہ ایک مرتبہ ضرور ان سے ملاقات کرنی چاہیے، جس طرح بھی ہو (ضرور چلیے)۔ بڑی کوشش کے بعد انہوں نے قبول کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جمعہ کی نماز کے بعد چلیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے۔

(اتفاق ہے) وہ اس دن نہ جا سکے، دوسرے روز گئے اور ملاقات کی۔ جب مولانا فخرالدین نے ان کی پیشانی [۷۰] مبارک دیکھی، ان کی تقریر اور بیان سنا تو متعجب رہ گئے۔ جب ہم واپس ہوئے تو میں نے مولانا (زرادی) سے دریافت کیا کہ تمہاری ملاقات کہسی رہی۔ مولانا نے مذکور نے فرمایا کہ تم حق پر تھے اور میں باطل پر۔ حضرت شیخ حقیقت میں ولی عارف ہیں۔ جب دو تین روز گزرے تو مولانا فخرالدین نے مجھ پر زور دیا کہ مجھے پھر ان کے پاس لیے چلو، میں تو ان ہی کا مرید ہوں گا۔ یہی کیا کیا۔ جب مولانا (زرادی) کو حضرت کے پاس لیے گئے، حضرت شیخ دیکھتے ہی مسکرائے، مولانا مذکور نے سر زمین پر رکھ دیا اور دیر تک مسجد میں بڑے سہمے۔ حضرت شیخ نے اپنے پاس بلایا، یہ دوڑے اور ان کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا، مرید ہو گئے، ہال منڈوا دیے۔ الحمد للہ غلیٰ ذالک۔

مولانا زراذی کی والدہ کی خوشنودی

ان کے مرید ہونے سے پہلے مولانا فخرالدین کی والدہ نے اپنے بھائی کی بیٹی سے ان کی شادی کی بات چیت طے کر دی۔ ان کا وطن مالوف شہر سامانہ تھا اور وہ سامانہ سے کسی کام کے لیے دہلی آئے تھے۔ مولانا کمال الدین احمد کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت سے مشرف ہوئے اور مرید ہو گئے، سو منڈوا دیا اور شادی کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ چند روز کے بعد مولانا کی والدہ نے ان کو ایک خط

(۲) اخبار الاخبار ص ۹۱ - ۹۲

(۳) نزمۃ الخواطر ۳ : ۱۰۳ - ۱۰۶

(۴) گلزار ابرار ص ۱۰۹

(۵) سیر الاولیاء ص ۲۶۶ - ۲۷۴

(۶) تاریخ الاولیاء ۲ : ۱۹۷

۱ - متن میں برادر کی بجائے "برابر" چھپ گیا ہے۔ دیکھیے خیرالہ مجالس ص ۶۳

لکھا کہ لڑکی ہابند بیٹھی ہے۔ تہلیم عزیز و اقارب تمہارے آنے کے منتظر ہیں۔ تم کو چاہیے کہ جلد آؤ تا کہ یہ کار خیر انجام کو پہنچے۔ مولانا فخر الدین نے والدہ خط کا جواب اس طرح لکھا کہ میں اب حضرت شیخ الاولیاء نظام الدین کا سرید ہو گیا ہوں اور ان کے غلاموں کے سلسلے میں منسلک ہوں۔ سر کے بال منڈوا دیے ہیں۔ میں نے اس کار خیر (عقد) کی نیت ترک کر دی ہے اور اب کبھی شادی نہیں کروں گا۔ چاہیے کہ حضرت والدہ ان کو فوراً جواب دے دیں کہ مولانا (فخر الدین) نے ایسا لکھا ہے۔

جب یہ خط مولانا کی والدہ کے پاس پہنچا تو وہ بہت مضطرب حال ہوئیں اور انہوں نے ماتم برپا کر دیا۔ مولانا کو خط لکھا کہ اے بیٹے! اگر تم نے یہ کام نہیں کیا اور یہاں جلد نہیں آئے تو میں ہرگز اپنا دودھ نہیں بخشوں گی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی۔ مولانا فخر الدین کو جب یہ خط ملا تو بہت متفکر ہوئے۔ متحیر اور پریشان حال حضرت شیخ المشائخ نصیر الدین محمود کے پاس پہنچے۔ انہی پریشانی و حیرانی کے حالات ان سے بیان کیے۔

اسی زمانے میں حضرت شیخ (نصیر الدین محمود) شہر اودھ سے حضرت سلطان الاولیاء نظام الحق والدین کی قدم بوسی کے لیے [۱۷] دہلی آئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے مولانا (فخر الدین) کا یہ حال اور خط کا مضمون سنا تو کچھ دیر غور کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ بات حضرت شیخ سے عرض کرنی چاہیے، دیکھئیے وہ کیا فرماتے ہیں۔ وہ ان کے ہمراہ حضرت شیخ کی خاست میں پہنچے۔ (مولانا فخر الدین نے) ان سے عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں وہ (نصیر الدین محمود) عرض کریں۔ جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت معرفت کے حقائق اور باریکیاں بیان فرما رہے تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود، مولانا فخر الدین کی عرضداشت بھول گئے۔

کچھ دیر کے بعد جب حضرت شیخ، بیان معرفت سے خاموش ہوئے تو مولانا فخر الدین نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے فوراً جو واقعہ تھا، کو یاد دلایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا فخر الدین کا منشاء کیا ہے؟ حضرت شیخ سے بیان کیا۔ حضرت شیخ کی گفتگو سنی تو اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور عرض جب مولانا مذکور نے حضرت کی گفتگو سنی تو اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور ارادت کی کیا کہ یہ شکستہ حال جس وقت سے آپ کی خدمت میں پہنچا ہے اور ارادت کی سعادت سے مشرف ہوا ہے، اس ارادے سے بالکل تائب ہو چکا ہے۔ حضرت شیخ

نے دوبارہ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ صرف اس لڑکی کی جانب سے تائب ہونے ہو یا کسی دوسری جگہ بھی شادی نہیں کرو گے۔ مولانا نے عرض کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر مشیت حق اس حقیر کی نیت کے ساتھ ہے تو ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ اس وقت حضرت شیخ نے وہ مصلیٰ کہ جس پر تشریف رکھتے تھے، مولانا کو دیا اور کہا کہ تم اطمینان سے جاؤ اور میرا یہ مصلیٰ اپنی والدہ کو دو اور کہو کہ یہ شیخ نے تمہارے لیے بھیجا ہے اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی خوشنودی کے بعد جلد ہی تم با مراد میرے پاس آؤ گے۔

مولانا فخرالدین نے سر زمین پر رکھ دیا اور دوسرے درویشوں سے رخصت ہو کر اسی روز شہر سامانہ کی طرف روانہ ہو گئے، چند روز کے بعد سامانہ پہنچے۔ اپنی والدہ سے ملے اور حضرت شیخ کا مصلیٰ ان کو دیا اور شیخ کا سلام بھی ان تک پہنچایا۔ ان کی والدہ نے وضو کیا، مصلیٰ بچھایا، دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ جب سر سجدہ سے اٹھایا تو مولانا فخرالدین کی طرف رخ کیا کہ میں تجھ سے دنیا و آخرت دونوں میں خوش ہوں، چاہے شادی کر یا نہ کر۔ یہ حضرت شیخ کے مصلے کی برکت و کرامت تھی۔ چند روز کے بعد مولانا فخرالدین خوش خوش حضرت شیخ کے آستانے پر پہنچے، اپنا رخ مبارک زمین سے ملا اور نیاز حاصل کیا۔

نصائح نظامی

خیر المجالس میں حضرت شیخ نصیر الملت والدین محمود نے لکھا ہے کہ ایک روز مولانا حسام الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین کاشانی، حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے مولانا حسام الدین وغیرہ کی طرف [۷۲] دیکھا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے تو یہ کلم سہل ہے کہ یہ کام تو بیوہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں، لیکن وہ مشغول و سعادت کہ جس کے ذریعہ سے مردان طلب گار حضرت پروردگار کا قرب اور راستہ پاتے ہیں اور اس کے مشاہدے سے مشرف ہوتے ہیں اس عبادت کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

وہ حضرات یہ سن کر اس کی تشریح کے منتظر اور امدادار ہوئے کہ شاید حضرت شیخ کچھ اور فرمائیں۔ حضرت شیخ نے ان کے انتظار و اضطراب کو اپنے نور باطن سے سمجھ لیا اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے وقت بیان

لایا جائے گا۔

چو پہنچنے کے بعد حضرت کو اپنا عہد یاد آ گیا۔ لوگ قدم بوسی سے مشرف ہوئے جیسے ہی حضرت اس موقع (گفتگو) پر پہنچے کہ بعض درویش بھی حاضر تھے۔ عہد کاتب کہ جو سلطان علاء الدین خلجی کا حاجب تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں شامل تھا۔ مجالس میں آیا، زمین پر سر رکھ دیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دربار میں تھا۔ سلطان نے آج آپ کو پچاس ہزار دینار انعام فرمائے ہیں۔ حضرت شیخ نے اپنا روئے مبارک مولانا حسام الدین اور دوسرے احباب کی طرف کیا کہ جو اس وقت موجود تھے اور فرمایا کہ بادشاہ کا انعام بہتر ہے یا وعدہ کو وفا کرنا جو تم سے کیا گیا ہے۔ تمام احباب نے اپنا سر زمین پر رکھا اور عرض کیا کہ عہد کا وفا کرنا آٹھوں بہشتوں سے بہتر ہے۔ پچاس ہزار دینار کے انعام کی کیا حقیقت ہے۔

سلطان المشائخ نے ان تینوں آدمیوں کو اپنے پاس بلایا، دوسرے لوگوں کو رخصت کر دیا اور ان کو تاقین فرمائی کہ اول، ان سب کو جنہیں یاد خدا میں دل سے پورا استغراق حاصل ہو چکا ہے زیادہ تر خلوت میں رہنا چاہیے اور خواہشات کی بنا پر باہر نہ آئیں۔ دوم، ہمیشہ با وضو رہیں لیکن جب قیلولہ کے وقت نیند غلبہ کرے (تو وضو نظر انداز کر سکتے ہیں)۔ سوم، ہمیشہ روزہ رکھیں، اگر ہمیشہ روزے نہ رکھ سکیں تو قلیل غذا پر فناعت کریں۔

چہارم، ذکر خدا کے علاوہ خاموشی اختیار کریں، صرف ضرورت کے وقت بولیں۔ پنجم، ہمیشہ ذکر خدا ہامیم فاب کریں۔ ان کے انفاس متبرکہ کی ہرکت سے یہ تینوں درویش کامل ہو گئے۔ حضرت کا عجیب انداز اور طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے اسباب و سامان ان کو مہیا فرما دیے۔

محفل سماع

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ جب حضرت نظام الدین

اولیاء چاہتے [۷۳] کہ قوالی سنیں۔ تو اول خواجہ خسرو غزل پڑھتے، دائیں طرف خواجہ خسرو اور امیر حسن بیٹھتے اور بائیں جالب خواجہ مبشر۔ یہ مبشر حضرت شیخ کے زر خرید غلام تھے، آواز بہت اچھی تھی، لہٰذا داؤدی کے مالک تھے۔ خواجہ خسرو اور خواجہ حسن عام موسیقی میں بے مثل تھے اور ان کی آواز بھی بے نظیر تھی۔ دو سو قوال حضرت شیخ کے نمک خوار تھے جو گانے میں ایسے کامل تھے کہ ان کا گانا سن کر ہر فرد پرواز سے نیچے اتر آئیں۔ صاحب کمال درویش اور اہل وجد و حال کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جس وقت خواجہ خسرو غزل پڑھتے تو جس شعر پر حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) سر ہلاتے، خواجہ حسن اور خواجہ مبشر فوراً اس شعر کو لکھ لیتے۔ حضرت شیخ وجد میں آ جاتے اور سماع سنتے۔

قرا بیگ ترک، سلطان علاء الدین خلجی کا نہایت خاص (شخص) تھا۔ وہ ترک صالح تھا اور نیک فطرت ہونے میں مستثنیٰ اور ممتاز تھا اور حضرت شیخ کا مرید تھا۔ سلطان اس (قرا بیگ) کو بھیجتا تھا اور جس شعر پر حضرت شیخ کو وجد و حال آتا تھا، قرا بیگ اس کو لکھ لینا تھا اور سلطان (علاء الدین) کو پہنچاتا۔ سلطان بھی اس شعر سے لطف اٹھاتا تھا۔ سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاء) کو ان دو شعروں پر جو حکیم سنائی کے حلیقہ میں تحریر ہیں، بڑا وجد آتا تھا:

شعر

بیش منہا جہاں جاں افروز ورنہ دے برو سپند بسوز

آن جہاں تو چہست مستی تو واں سپند تو چہست ہستی تو

سلطان علاء الدین خلجی کا اظہار عقیدت

قرا بیگ نے ان دونوں شعروں کو لکھ لیا اور سلطان علاء الدین کے پاس لے گیا۔ سلطان بار بار پڑھتا اور اپنی آنکھوں سے لگاتا۔ اسی وقت قرا بیگ نے

۱۔ در نسخہ اول بائیس۔

۲۔ متن فارسی میں قرا بیگ کی بجائے قنبر بیگ غلط چھپ گیا ہے۔ نسخہ اول

(ص ۱۳۵) میں صحیح چھپا ہے۔

۳۔ فوائد الفواد ص ۵۴۔

سلطان سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! مجھ کو تعجب ہے کہ باوجودیکہ آپ حضرت شیخ سے اتنا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن کبھی ان کی خدمت میں نہیں گئے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ سلطان نے جواب دیا کہ اے قرا بیگ! ہم بادشاہ ہیں اور سر سے پیر تک مکروہات دنیا میں آلودہ ہیں۔ اس آلودگی کی وجہ سے ہم شرمسار ہیں کہ اس پاک ہستی سے کیسے ملیں لیکن خضر خاں اور شادی خاں کو جو ہم سے بیٹے بیٹے ہیں لیے جاؤ، حضرت شیخ کے قدموں میں ڈال دو، ان کا مرید بناؤ، دو لاکھ تنکے بھی شکرانے میں لیے جاؤ اور حضرت کی خانقاہ کے درویشوں کو پہنچاؤ۔ قرا بیگ نے ایسا ہی کیا اور یہ عالی شان عمارت کہ جس کے صحن میں حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) کا مقبرہ ہے خضر خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

قطب الدین مبارک شاہ کا نامناسب رویہ

حضرت شیخ نصیر الدین سے منقول ہے کہ جب سلطان علاء الدین خلجی نے رحلت فرمائی تو سلطان قطب الدین مبارک شاہ تخت سلطنت پر [۳۷] بیٹھا۔ اس نے خضر خاں کو قتل کر دیا کہ جو حضرت شیخ کا مرید تھا اور حضرت شیخ سے عداوت کر لی۔ وہ معاملات میں شک کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت شیخ کو تکلیف پہنچائے۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کا تمام لشکر اور چھوٹے بڑے امیر حضرت شیخ کے مرید اور معتقد ہیں۔ اس نے ایک دن قاضی محمد غزنوی سے جو اس کا خاص راز دار تھا، پوچھا کہ یہ اخراجات جو شیخ کرتے ہیں، ان کی آمدنی کے کیا ذریعے ہیں؟ قاضی مذکور کو ان سے کوئی حسن اعتقاد نہ تھا۔ اس نے فوراً عرض کیا کہ حضور کے اکثر امراء نذرانے اور ہدیے وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان ہی سے یہ مصارف ہورہے ہوتے ہیں۔

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا خیال ہے کہ اتنے گرانقدر عطیات اور نذرانے سلطان کے عام اصول کے خلاف تھے۔ اس میں مبالغہ ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۷۶)۔

۲۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ جالی نے گو اس واقعہ کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے نقل کیا ہے لیکن بعض ایسے اضافے کر دیے ہیں جو خیر المجالس کے کسی نسخے میں نظر سے نہیں گزرے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۱)۔ ملاحظہ ہو خیر المجالس ص ۲۵۸۔

۳۔ نسخہ اول میں محمود غزنوی لکھا ہے (ص ۱۳۷)۔

اس زمانے میں حضرت کے باورچی خانے اور غیرات میں روزانہ دو ہزار تنکے خرچ ہوتے تھے۔ مجاوروں اور مسافروں کا خرچ، متعلقین کے خوردونوش کا صرفہ، مقررہ بخشش اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ سلطان قطب الدین کو یہ بات پسند نہ آئی اس نے تمام امراء و ملوک کو حکم دیا کہ جو کوئی شیخ کے یہاں جائے گا یا کوئی نذرانے میں درم و دینار پہنچائے گا، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا وظیفہ بند کر دیا جائے گا۔ اس معاملے میں بہت احتیاط اور مبالغہ کیا۔ جب یہ بات حضرت شیخ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے خواجہ اقبال کو جو ان کا غلام و خادم تھا، بلایا اور فرمایا کہ جاؤ آئندہ سے مقررہ خرچ دو گنا کر دو اور ضرورت کے وقت اپنا ہاتھ اس طاق میں ڈالنا اور بسم اللہ کہہ کر جتنا چاہنا، نکال لینا اور خرچ کرنا۔ خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا۔ اس خبر کی شہرت ہو گئی اور سلطان تک پہنچی۔ سلطان یہ سن کر حیران رہ گیا۔

خواجہ مبارک کرمانی کہ جو حضرت کے پاک اعتقاد مریدوں میں سے ہیں، ان کے چھوٹے بیٹے سید خورد سے منقول ہے کہ سلطان قطب الدین اس بات سے شرمندہ ہوا، اس نے اپنے مخلصوں میں سے ایک شخص کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا اور اطلاع دی کہ حضرت المشائخ رکن الدین ابو الفتح ملتان سے دہلی پہنچ رہے ہیں اور مجھ سے ملاقات کے لیے آ رہے ہیں۔ شیخ (نظام الدین) ہمارے ولایت میں رہتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے کہ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملتے۔ ضروری ہے کہ وہ اسی ہفتے میرے یہاں آئیں اور مجھ سے ضرور ملاقات کریں۔ شیخ نے جواب دیا، کہ میں گوشہ نشین ہوں، کہیں نہیں جاتا ہوں اور میرے پیروں کی بھی یہ رسم اور عادت نہیں تھی کہ وہ وزیر اور بادشاہوں کے مصاحب بنیں۔ مجھے معاف رکھیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔

سلطان (قطب الدین) کو غرور و تکبر کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں آئی بلکہ جو حکم ہے، اس کی تعمیل ہونی چاہیے۔ اس کے بعد انہوں نے خواجہ حسن علی سجزی کو شیخ المشائخ شیخ ضیاء الدین روسی^۲ کے پاس [۷۵] بھیجا کہ جو

۱۔ خیرالمجالس ص ۲۵۸۔

۲۔ برقی لکھتا ہے کہ سلطان نے اعلان کرا دیا کہ جو کوئی نظام الدین کا سر لائے گا، اس کو ہزار تنکے زر ملے گا (ص ۳۹۶)۔

۳۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۷۹۔ وفیات الاخیار (ص ۵۳) اور مزارات اولیائے دہلی (ص ۵۹) میں سال انتقال ۸۷۲ھ لکھا ہے۔

سلطان قطب الدین کے ہیں اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین کے مرید تھے ، اور یہ پیمانہ پہنچایا کہ سلطان کو درویشوں کے رنج پہنچانے سے باز رکھیں اور اس کی خیریت دارین اس قوم (درویشوں) کی کم آزاری میں ہے اور ہر خانوادے کی مخصوص روش اور طریقہ ہے۔ چونکہ گزشتہ بادشاہوں میں سے کسی نے درویشوں کے معاملات میں دخل نہیں دیا ہے ، سلطان کو منع کریں کہ وہ بھی درویشوں کا مزاحم نہ ہو اور جھکڑا نہ کرے۔

خواجہ حسن مذکور شیخ ضیاء الدین روسی کی خدمت میں پہنچے تاکہ ان سے صورت حال عرض کریں۔ شیخ کے متعلقین سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کو اسپتال کا عارضہ ہے اور ان کی ایسی حالت ہے کہ وہ اس بات سے معذور ہیں کہ طلبات کے بعد نماز ادا کر سکیں۔ خواجہ حسن مذکور وہاں سے واپس چلے آئے اور شیخ صاحب کمال (ضیاء الدین روسی) کی حالت آ کر بنائی، شیخ (نظام الدین اولیاء) یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ دو تین روز کے بعد شیخ ضیاء الدین انتقال فرما گئے۔ جب سوئم کی فاتحہ میں شہر کے تمام اکابر اور سلطان ان کے مہرہ پر حاضر ہوئے جیسا کہ اس ملک کا رواج ہے، پہلے قرآن مجید کے پارے علیحدہ علیحدہ پڑھ جاتے ہیں، اس کے بعد کلاب اور پھول مجلس میں لکھائے جاتے ہیں، یہی ہو رہا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء اس مجمع میں پہنچے۔ حاضرین مجلس میں جس کسی نے ان کو دیکھا وہ تعظیم کے لیے دوڑا۔

اس مجلس کے معززین نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت اس مجلس میں موجود ہیں، اگر آپ سلام علیک کریں تو ہم ان کو اطلاع دیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہیں، اس وقت دخل نہیں دینا چاہیے۔ سلطان مذکور گوشہ چشم سے دیکھ رہا تھا کہ اکثر مشائخ نے حضرت شیخ کے سامنے زمین پر سر رکھا اور حضرت شیخ کی قدم بوسی حاصل کی۔ سلطان کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ الفصد شیخ ضیاء الدین روسی کی زیارت کے بعد سلطان مذکور نے ایک محضر تیار کیا اور اس میں یہ بات تحریر کی کہ شیخ نظام الدین کو ضرور سمجھائیے کہ اگر وہ ایک ہفتے کے بعد میرے پاس نہیں آ سکتے تو ہر چاند رات کو آئیں اور مجھ سے ملیں۔ اگر وہ قبول نہ کریں تو مجھے

۱۔ برقی نے لکھا ہے کہ سلطان نے شیخ کے سلام کا جواب نہیں دیا (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۶)۔

اطلاع دو تاکہ ان کی فکر کروں۔ سید قطب الدین غزنوی، شیخ عابد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندری، مولانا برہان الدین بزدوی اور بعض دوسرے اکابر بادشاہ کے حکم سے غیاث پور پہنچے اور حضرت شیخ (نظام الدین) سے ملے۔ سلطان کا پیغام [۷۶] پہنچایا اور کہا کہ بادشاہ ناعاقبت اندیش جوئے ہے اور حضرت شیخ عقل مند اور صاحب طریقہ ہیں، جیسا بہتر ہو اختیار کریں۔ اس کام میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حضرت شیخ نے کچھ غور کیا اور ان سے فرمایا کہ دیکھتے انشاء اللہ تعالیٰ کیا ظاہر ہوتا ہے اور ان کو رخصت کر دیا۔

وہ سب بادشاہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ہم نے حضرت شیخ کو راضی کر لیا ہے کہ وہ ہر چاند رات کو آیا کریں اور آپ سے ملاقات کیا کریں۔ بادشاہ اس بات سے خوش ہوا کہ میری بات بالآخر اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی۔ جس روز وہ لوگ بادشاہ کا پیغام حضرت شیخ کے پاس لائے تھے، ستائیسویں شوال تھی، اسی رات کو خواجہ وحید قریشی، جو خواجہ سید العجائب کے والد تھے اور اعز الدین علی شاہ، جو خواجہ خسرو کے بڑے بھائی تھے، حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے اور صورت حال دریافت کی۔ دونوں شخص دست اعتقاد اور اہل اہماد مریدوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ کیا ہر چاند رات کو دربار میں جائیں گے اور اس (سلطان) سے ملاقات کریں گے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ میں اپنے پیروں کے طریقے کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور بادشاہ سے ملنے دربار میں نہیں جاؤں گا۔ یہ جواب سن کر دونوں متعجب اور متعجب ہوئے کہ سلطان انتظار میں ہے کہ کب چاند رات آئے تاکہ حضرت شیخ یہاں تشریف لائیں اور حضرت شیخ کا مطلق یہ ارادہ نہیں ہے کہ دربار میں جائیں اور سلطان سے ملاقات کریں۔ اس بات (عدم ملاقات) کے وقوع پذیر ہونے سے سلطان کو وحشت ہوگی اور شہر میں بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چونکہ صورت حال اسی پر منحصر ہے، مناسب یہ معلوم ہونا ہے کہ حضرت

۱۔ خواجہ سید العجائب (وفات ۵۷۷ھ یا ۵۷۹ھ)۔ دیکھیے مزارات اولیائے دہلی

ص ۸۷-۸۸

۲۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ”عزیز الدین علی شاہ“ لکھا ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۵)۔

۳۔ نسخہ اول میں چھوٹے بھائی لکھ دیا ہے (ض ۱۳۰)۔

پیر دستگیر شیخ الاسلام فرید الملت والدین کی جالب متوجہ ہوں اور اس سلسلہ میں ان سے مدد چاہیں تاکہ یہ فتنہ و فساد جو بھڑک اٹھا ہے ٹھنڈا ہو جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اس بات کے لیے میں ان کی طرف متوجہ ہوں۔ مجھے بہت سے دینی کام درپیش ہیں، میں ان کے ہوتے ہوئے اس کام پر کیا توجہ دوں لیکن تم یقین رکھو کہ سلطان قطب الدین کسی طرح مجھ پر فتنہ باب نہ ہوگا۔

چنانچہ رات مجھ پر یہ واقعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا میں ایک بلند چبوترے پر قبلہ رو بیٹھا ہوں اور ایک بیل نے کہ جس کے سینک تیز ہیں، میری طرف رخ کیا، مجھ پر دوڑا کہ مجھے نقصان پہنچائے۔ جب نہایت تیزی اور غصے میں وہ میرے نزدیک آیا، میں اٹھا اور اس کے دونوں سینکوں کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ وہ اسی وقت مر گیا۔ اس واقعہ کے سننے سے [۷۷] خواجہ وحید الدین قریشی اور اعز الدین علی شاہ کو ایک قسم کا اطمینان اور تقویت حاصل ہوئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ سلطان کبھی ان پر ظفر نہ پا سکے گا، بلکہ اس کی جان کا نقصان ہوگا۔

القصد حب انہیں تاریخ ہوئی، نماز ظہر کے بعد خواجہ اقبال حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آج چاند رات ہے، جو تبرک آپ ارشاد فرمائیں، حاضر کروں۔ اس لیے کہ آپ بادشاہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے جائیں گے اور وہ بغیر تبرک کے نہیں ہوتی ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا اس وقت خاموش رہو اور کوئی دوسرا کام کرو۔ جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو خواجہ اقبال مذکور نے پھر عرض کیا کہ ابھی وقت ہے کہ چوڑوں اور کھاروں کو فراہم کروں اور تبرک منگا لوں۔ حضرت شیخ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ حضرت ہرگز بادشاہ کے یہاں نہیں جائیں گے۔

خداوند کریم کے حکم سے اسی رات کو ایک پہر اور چند گھڑی گزرنے کے بعد خسرو خاں ہراون کہ جو سلطان قطب الدین کا پروردہ اور اعزاز دیا ہوا تھا اور سلطان مذکور نے اس کو پچاس ہزار سوار کا سالار بنایا ہوا تھا، وہ موقع بے موقع اس کو اپنا راز دار بناتا تھا، چند آدمیوں کے ساتھ ہزار ستون محل میں جو فصیل

۱۔ سیر الاولیاء (ص ۱۵۱) میں ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی والدہ کے مزار پر تشریف لے گئے تھے۔

کے دروازے کے قریب ہے اور سلطان مذکور اکثر وہاں رہتا تھا، داخل ہو گیا اور سلطان (قطب الدین) کو مار ڈالا جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے ۲۔

سلطان علاء الدین کو خوش خبری

مولانا ضیاء الدین سنابلی سے منقول ہے کہ سلطان علاء الدین (خلجی) نے جو سلطان قطب الدین کا باپ تھا، ایک دن قرا بیگ کو شیخ نظام الدین کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ بہت عرصہ ہوا میں نے ایک بڑا لشکر اپنے برادر حقیقی النخ خان کے ہمراہ ورنگل کی طرف بھیجا ہے اور ورنگل جنوب کی طرف ایک ملک ہے، وہاں سے کوئی خط نہیں آیا ہے، اس وجہ سے میں بہت متفکر ہوں۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ اب میں خود ورنگل کی طرف لشکر لے کر جاؤں اور وہاں کے حالات معلوم کروں۔ اگر حضرت شیخ ربانی قدم رنجہ فرمائیں اور اپنی شمع جال با کمال سے میرے گھر کو منور کریں تو میں حضور کی رائے مبارک کے مطابق عمل کروں مگر سلطان علاء الدین کے دل میں یہ بات تھی کہ اس بہانے سے حضرت شیخ کو اپنے گھر بلانے اور ان کی ملاقات سے عزت حاصل کرے اور ان کی تشریف آوری سے دوسرے بادشاہوں میں ممتاز ہو جائے۔

جب قرا بیگ مذکور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا [۷۸] تو اس نے سرزمین پر رکھ دیا اور مدعا عرض کیا۔ حضرت شیخ نے اس بات کے ستنے ہی کچھ دیر غور فرمایا اور قرا بیگ سے کہا کہ سلطان کو میری طرف سے دعا و سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ جس طرح تمہیں اہل اسلام کی غم خواری ہے، اسی طرح میں بھی ہمیشہ اسی خیال میں رہتا ہوں۔ انشاء اللہ کل دوپہر کو تمہیں ورنگل کی فتح کا مژدہ اور اپنے بھائی اور لشکر کی سلامتی کی اطلاع پہنچ جائے گی اور تھوڑے ہی دنوں میں النخ خان تمہاری خدمت میں کافی مال غنیمت لے کر پہنچ جائے گا، جس سے تم کو تسکین اور فرحت حاصل ہوگی۔

- ۱۔ نسخہ اول (ص ۱۴۱) تاریخ فیروزی (فیروز شاہی) کا نام لکھا ہے۔
- ۲۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۴۰۸۔ امیر خسرو نے تغلق نامہ میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۷۲۰ھ میں ہوا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۶۶)۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۳-۱۳۴۔
- ۳۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۳۲، نیز طبقات اکبری جلد اول ص ۱۶۶-۱۶۷۔

قرا بیگ سلطان کے پاس پہنچا اور یہ خوش خبری جو حضرت شیخ سے سنی تھی، اسی طرح عرض کی۔ سلطان اس تسکین بخشی خبر سے مسرور ہوا اور نذر مانی کا اگر کل ورنگل کی فتح اور الغ خاں اور لشکر کی سلامتی کی اطلاع بھوے بل کھی تو ہانسو سرخ دینار ان کی خائفانہ کے درویشوں کے لیے شکرانے میں بھیجوں گا۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے دوسرے روز دوپہر کے وقت ایک ساندی سوار ورنگل کی فتح کی تحریری اطلاع لے کر آیا اور سلطان کو خوش خبری پہنچائی۔ چنانچہ سلطان مذکور کو نیک سیرت شیخ (نظام الدین اولیاء) سے سو گنا اعتقاد و اتحاد زیادہ ہو گیا اور وہ ہانسو دینار کہ جن کی نذر مانی تھی، قرا بیگ کی معرفت حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ قرا بیگ مذکور نے جب تھیلی کا منہ کھولا اور وہ دینار حضرت شیخ کے سامنے لے جا کر رکھے تو وہاں ایک قلندر اسفندیار نامی اسی روز خراسان سے آیا تھا، جب اس نے اس دولت کو دیکھا تو وہ نزدیک آ گیا اور کہا :

الہدایا مشترکہ

حضرت شیخ نے فرمایا کہ :

تہما غوشرک

اور ہانسو سرخ دینار اس اسفندیار کو دے دے۔

تہما زیادہ اچھے ہیں۔

الہدایا مشترکہ

المخلصون علی خطر عظیم

حضرت شیخ نصیر الملت و الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ المشائخ فرید الملت و الدین کے ایک نواسے 'شرف الدین' تھے، ان کو حضرت شیخ المشائخ شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں جو شیخ المشائخ شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر تھے، دعوت طعام میں بلایا گیا۔ وہاں تمام صوفی جمع تھے۔ ان میں سے ایک نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی بابت کہا کہ حضرت نظام الدین اولیاء مکمل طور سے ایسے فارغ البال ہیں کہ اہل و عیال اور بچوں کا ان کو مطلق غم نہیں ہے اور دنیا کی فراخ دستی ان کو اتنی حاصل ہے کہ خلق خدا کو خوب عطا فرماتے ہیں [۷۹]۔ معلوم نہیں ان کو کچھ تھوڑی سی فکر بھی ہے یا نہیں۔

اس مجلس سے جب (شرف الدین) حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو چاہا کہ یہ حکایت ان سے عرض کریں۔ ان کے پہنچتے ہی حضرت شیخ نے کشف کے ذریعہ

معلوم کر لیا اور فرمایا بابا شرف الدین ! جو غم ، درد اور الم وقفہ وقفہ سے مجھے پہنچتا ہے ، معلوم نہیں کسی اور کو بھی پہنچا ہوگا یا نہیں ، کیونکہ جو کوئی بھی میرے پاس آتا ہے اور اپنا غم مجھ سے بیان کرتا ہے تو مجھے دو گنا غم ہو جاتا ہے ۔ وہ شخص عجیب سخت دل ہے کہ جس کو برادر دینی کے غم کا اثر نہ ہو اور المخلصون علیٰ خطر عظیم (اللہ کے مخلص بندوں کو خطر عظیم رہتا ہے) کے قہر سمجھ سکتے ہیں کہ

ع کہ نزدیکان را ترا بیش بود حیرانی

شیخ نظام الدین اولیاء کا حسن اخلاق

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حسن اخلاق کی بابت یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن خواجہ عطاء اللہ کے بھائی جو حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے نواسیے اور بے پاک و آزاد قسم کے آدمی تھے ، ایک دن نظام الدین اولیاء کی خدمت میں دوات ، قلم اور کچھ خراب سا کاغذ لے کر آئے ، سامنے رکھا اور کہا کہ میرے ایسے فلاں بادشاہ کو رقعہ لکھ دیجیے تاکہ وہ مجھے کچھ عنایت کر دے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے اس بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ وہ کبھی میرے پاس آیا ہے ۔ اس شخص کو جس سے مطلق جان پہچان بھی نہ ہو ، خط کیسے لکھا جا سکتا ہے ۔ انہوں نے فوراً یہودہ الفاظ اور مہملات بکنا شروع کر دیے کہ تم میرے نانا کے مرید ہو اور ہمارے خاندان کے صدقے میں تم کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ، تم نہایت کفران نعمت کرتے ہو کہ ہمارے لیے ایک رقعہ نہیں لکھتے ۔ یہ کیا تمہاری درویشی ہے ، جو تم نے اختیار کی ہے اور مکاری کے ملک میں پڑے ہوئے ہو ۔ یہ کہا ، فوراً دوات زمین پر ماری اور آٹھ کھڑے ہوئے ۔ فوراً حضرت شیخ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ رنجیدہ ہو کر کیوں جاتے ہو ۔ صفائی کر لو ، تب جاؤ ۔ اس کے بعد کچھ رقم ان کے سامنے رکھی اور ان کو خوش کر دیا اور جانے کی اجازت دی ۔

اور ان ہی سے یہ منقول ہے کہ چھجو نامی ایک شخص تھا جو اندر ہت کے قلعے میں رہتا تھا ۔ (یہ قلعہ) موضع غیاث پور کے نزدیک ہے ۔ اس کو حضرت سے بلاوجہ عداوت ہو گئی ۔ وہ ہمیشہ ان کو برا کہتا اور برائی چاہتا تھا اور اپنی قوت ان کو

پہنچانے میں صرف کرتا۔ اتفاق سے جب چھبھو مذکور مر گیا تو حضرت شیخ اس کے جنازے پر پہنچے اور وہاں پہنچنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے پر رکعت نماز پڑھی اور اس کے حق میں دعا کی کہ اے پروردگار! اس شخص نے میرے حق میں جو کچھ کہا [۸۰] اور سوچا، میں نے اس کو معاف کیا۔ میری وجہ سے اس پر عذاب نہ کرنا۔

شمس الدین بزاز

مواجه حسن سجری سے منقول ہے کہ شمس الدین ناسی ایک طالب علم تھا جو بہت مالدار تھا اور شہر دہلی میں بزازی کرتا تھا۔ اس کو حضرت نظام الدین سے بالکل اعتقاد نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ان کا ذکر بے ادبی سے کیا کرتا تھا۔ ایک دن عصر کے وقت موضع افغان دور کے نزدیک سے دوستوں کے ساتھ اس کا گزر ہوا۔ جب وہ دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو اس نے وہاں سبزہ زار دیکھا اور اس کاؤں (افغان پور) سے اس نے شراب منگانی چاہی کہ مے نوشی کرے۔ ناگہان حضرت شیخ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا کہ کھڑے ہوئے انگلی سے اس کناہ کے ارتکاب سے منع کر رہے ہیں۔ جب اس نے شیخ کی صورت کو دیکھا تو شمس الدین نے شراب کا پیالہ ہاتھ میں پھینک دیا، فوراً وضو کیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا اور سر زمین پر ر نہ دیا۔ حضرت شیخ نے فوراً فرمایا کہ سعادت جس کی مدد لڑتی ہے، وہ گناہوں سے اسی طرح بار رہتا ہے جس طرح یہ شمس الدین آیا ہے۔ وہ اسی وقت مرید ہو گیا۔ دوسرے روز تمام سال و اسباب جو کچھ اس کی مالکیت میں تھا، شیخ کی خاتون کے درویشوں کو دے دیا اور یکبارگی ترک دنیا کر دی۔ یہاں تک کہ مقبولان حق تعالیٰ میں سے ہوا۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الدین محمود اودھی نے بھی خیرالمجالس میں ان کا ذکر کیا ہے کہ، جس وقت میں حضرت شیخ سے رخصت لے کر اودھ کی طرف روانہ ہوا، میں نے ان شمس الدین مذکور کو شہر پٹیلی میں دیکھا، جس پر پیوند لگے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک درویش ان کے ساتھ تھا۔ ایک لالہ اور مٹی کا ایک برتن ان کے ہاتھ میں تھا، لٹکانے کے لیے ایک رسی اس برتن میں

۱۔ خیرالمجالس میں یہ واقعہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۳۶۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۲۳۔

۳۔ نسخہ اول میں ہے کہ وہ بہار کی طرف جا رہے تھے (ص ۱۳۵)۔

بندھی تھی۔ جب میں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو اندھے دریافت کیا کہ کھینچے ہو اور کیا حال ہے؟ جواب دیا الحمد للہ، حضرت نظام الدین اولیاء کی برکت سے خوش و خرم ہوں۔ شیخ کی عنایت سے اور خدا تعالیٰ کے کرم سے سعادت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے ہیں۔ میرے پاس چمڑے کی چھاگل تھی، میں نے کہا اگر یہ قبول کرو تو بہتر ہے۔ جواب دیا کہ میں زیادہ تر مساجد میں نماز جماعت کے لیے جاتا ہوں۔ کوئی شخص اس مٹی کے برتن اور لالھی پر نظر نہیں ڈالتا لیکن جب کوئی میرے پاس چمڑے کی چھاگل دیکھے گا تو ممکن ہے کہ لالچ کرے۔ یہ کہا اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا، دعا چاہی اور چل دیا۔

محمی الدین کاشانی کا صحت یاب ہونا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی^۲ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ [۸۱] قاضی محمی الدین کاشانی کہ جن سے میں نے بزدوی پڑھی ہے اور وہ مشہور عالم تھے، اچانک بیمار پڑ گئے، یہاں تک کہ لوگوں کو امید ریست نہ رہی اور سمجھے کہ اب قاضی رحلت کر جائیں گے۔ اتفاق سے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، دیکھا کہ قاضی نزع کے عالم میں ہیں، ہوش و حواس بالکل جاتے رہے ہیں مگر وہ ہوش میں آ گئے۔ شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور پورے طور سے صحت یاب ہو گئے گویا کہ کوئی مرض ہی نہ تھا۔

کھانے میں برکت

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی^۳ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے حضرت کو مدعو فرمایا، قوالوں کو سماع کے لیے بلایا اور کچھ کھانے کا انتظام کیا۔ جب سماع شروع ہوا تو اطراف و جوانب سے کئی ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ وہ کھانا اتنا بھی نہ تھا کہ پچاس یا ساٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہوتا۔ سماع کے بعد صاحب خانہ حیران ہوا۔ حضرت شیخ سمجھ گئے۔ انہوں

۱۔ خیر المجالس ص ۱۴۶ - ۱۴۷ -

۲۔ محمی الدین کاشانی المتوفی ۸۷۱/۱۳۱۹ء، ملاحظہ ہو:

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۸۸ -

(۲) حدائق الحنفیہ ص ۲۷۶ -

(۳) اخبار الانبیاء ص ۹۸ -

۳۔ خیر المجالس ص ۱۵۰ - ۱۵۱ -

نے اپنے خادم مبشر سے فرمایا کہ جاؤ لوگوں کے ہاتھ دھواؤ اور ان میں سے دس آدمی ایک جگہ بٹھالو اور ہر روٹی کے چار ٹکڑے کر کے کھانے کے خوان میں رکھو اور بسم اللہ کہو۔ مبشر مذکور نے ایسا ہی کیا چنانچہ تمام مخلوق میں ہو گئی اور کچھ کھانا بچ بھی رہا۔

مولانا علاء الدین اصولی بدایونی

منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بارہ سال کے تھے تو مولانا علاء الدین اصولیؒ کے پاس قدوری پڑھتے تھے اور یہ مولانا اصولی ایک مفتاح اور بابرکت شخص تھے۔ ان کے مناقب کتاب فوائد الفوائد میں تحریر ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ ایک روز حضرت اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے تھے، مولانا علاء الدین مذکور اپنے راستے سے گزر رہے تھے، جب شیخ کی نظر مولانا پر پڑی، فوراً بلایا۔ اپنا لباس ان کو پہنایا، چنانچہ مقبول درگاہ باری تعالیٰ ہوئے۔

القصد وہ بدایوں میں تھے اور حضرت شیخ ان کے پاس تعلیم حاصل کرتے تھے جب قدوری ختم ہو گئی۔ مولانا (اصولی) نے شیخ کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ اس کے بعد تم کو بڑی ہگڑی سر پر باندھنی چاہیے۔ اس زمانے میں شیخ کی آمدنی بہت کم تھی، بڑی دستار میسر نہ تھی، اصل میں چار گزی سر پر لپیٹتے تھے۔ شیخ نے یہ بات اپنی والدہ سے کہی کہ مولانا علاء الدین نے یہ حکم دیا کہ اس کے بعد بڑی ہگڑی سر پر باندھو۔ جب شیخ کی والدہ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ انشاء اللہ [۸۲] میں تمہارے لیے بڑی ہگڑی فراہم کروں گی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ کی والدہ نے اپنے ہاتھوں سے سوت تیار کیا اور دستار حاصل کی۔ شیخ

۱۔ خیر المجالس ص ۱۸۵ - ۱۸۶۔

۲۔ ملاحظہ ہو (۱) نزہۃ الخواطر ۱ : ۱۸۳۔

(۲) تذکرۃ الواصلین ص ۹۰ - ۹۳۔

(۳) فوائد الفوائد ص ۲۷۸ و ۳۳۰۔

(۴) اخبار الاخیار ص ۸۳ - ۸۴۔

(۵) خیر المجالس ص ۱۹۰ - ۱۹۱۔

(۶) ثمرات القدس ورق ۵۶ ب۔

۳۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے پڑوس میں ہارچہ ہاف شویخ رہتے تھے (خیر المجالس)۔

اس کو مولانا علاء الدین کی خدمت میں لے گئے اور سامنے ر نہی۔ مولانا نے اس دستار کو کھولا، ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیا۔ پس شیخ نے اس کو اپنے سر پر باندھا اور اپنے نیک استاد کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ علی مولانا کہ جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے فہم یافتہ تھے، وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فوراً فرمایا کہ اے مولانا علاء الدین! یہ شخص دنیا میں سرفراز ہوگا اور عالم گیر شہرت حاصل کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شیخ عہاد کے لڑکوں کی گستاخی

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ ایک دن میں اور قاضی محی الدین کاشانی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے پاس بیٹھے تھے کہ کچھ احباب پہنچے اور عرض کیا کہ آج خانقاہ طوسیان میں عرس تھا، ہم اس میں شریک تھے۔ شیخ عہاد کے لڑکے آنجناب کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کر رہے تھے، ہم برداشت نہیں کر سکے اور وہاں سے آپ کی خدمت میں چلے آئے۔

حضرت شیخ نے جب یہ حکایت سنی تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک روز ایک یہودہ گو فقیر شیخ فرید الدین کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت شیخ (ہایا فرید) نے اس کو کچھ دیا اور جلتا کیا۔ روانگی کے وقت اس نے شیخ کے مصلے پر ایک کنگھی دیکھی، شیخ سے اس کو طلب کیا۔ شیخ نے جواب نہ دیا درویش نے کہا کہ اے شیخ! اگر یہ کنگھی مجھے دے دو تو تم پر برکت نازل ہو۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے اور تیری برکت کو آب رواں میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ درویش غسل کے لیے دریا میں گیا تھا کہ ڈوب گیا۔ یہ حکایت فرید الدین گنج شکر کے ذکر میں منقول ہے۔^۱

حضرت نظام الدین اولیاء یہی حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص پہنچا اور اس نے کہا کہ اسی وقت شیخ عہاد کے لڑکے غسل کے لیے دریا میں اترے اور

(ص ۱۹۱) ان سے دستار تیار کرائی۔ شیوخ کا یہ خاندان اس زمانے میں

بھی اسی محلہ میں آباد ہے (تذکرۃ الواصلین ص ۱۲۱)۔

۱۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الواصلین ص ۳۳ - ۵۷ و خیر المجالس ص ۱۹۱۔

۲۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کے ذکر میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔

مدفون گویہ کنے اور یہ شیخ عہد طوسی، شیخ رکن الدین فردوسی کے خلیفہ تھے جو قصبہ کیلو کھری میں دریائے جمنہ کے کنارے مدفون ہیں۔ شیخ نجیب الدین عہد فردوسی، حضرت شیخ شرف الدین سنیری کے پیر ہیں کہ جو (شرف الدین سنیری) بہار میں مدفون ہیں اور حضرت شیخ نجیب الدین شہر دہلی میں حوض تلمسی کے پاس مدفون ہیں اور ان کے پیر حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی جو حضرت شیخ سیف الدین باخیزی کے خلیفہ تھے، [۸۳] وہ بھی شہر دہلی میں مدفون ہیں۔

شرف الدین یحییٰ سنیری

نقل ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین ابتدائے سلوک میں قصبہ راج گڑھ کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے اور مطلق کھانا نہ کھاتے۔ ہر روز شام کے وقت ان شیخ اعظم کی والدہ کچھ کھانا فتوحا غلام کے

- ۱۔ ملاحظہ ہو خیر المجالیں ص ۲۰۲۔
- ۲۔ شیخ رکن الدین فردوسی المتوفی ۵۷۳ھ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص ۱۲۱-۱۲۶۔
- ۳۔ شیخ نجیب الدین فردوسی المتوفی ۵۷۳ھ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص ۱۲۷-۱۳۶۔
- ۴۔ شیخ بدر الدین سمرقندی المتوفی ۵۷۱ھ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص ۱۱۵-۱۲۰۔
- ۵۔ شیخ سیف الدین باخیزی المتوفی ۶۵۸ھ۔ ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص ۹۷-۱۱۲۔
- ۶۔ شرف الدین بن یحییٰ سنیری مشہور شیخ طریقت ہیں، ۶۶۱ھ/۶۳-۱۲۶۲ء میں منیر میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر مخلوق کی رشد و ہدایت میں گزار دی۔ مکتوبات صدی، مکتوبات دوسری، مکتوبات بست و ہشت، معدن المعانی، خوان پر نعمت، فتح المعانی، راحت القلوب، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، شرح آداب المریدین، فوائد المریدین، اجوبہ اور لطائف المعانی ان سے یادگار ہیں۔ ۸۱۵ھ/۸۱-۱۳۸۰ء میں وصال ہوا۔ ملاحظہ ہو:

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۲۳۱-۲۳۲۔

(۲) اخبار الاخیار ص ۱۱۷-۱۲۲۔

ہاتھ اظفار کے لیے بھیج دیتیں۔ جب فتوحا مذکور ان کے پاس پہنچتا تو ایک جگہ کی طرف اشارہ فرماتے کہ وہاں رکھ دے اور چلا جا۔ معلوم نہیں کہ وہ طعام کون کھاتا تھا۔

ایک مرتبہ اس معصومہ روزگار یعنی ان شیخ کبار کی والدہ نے اس غلام سے جو ان کو کھانا لے جا رہا تھا پوچھا کہ اے فتوحا! جو کھانا میرے لڑکے شرف الدین کے لیے لے جاتا ہے، وہ اس کو پسند کرتا اور کھاتا بھی ہے؟ فتوحا نے جواب دیا کہ حضرت بی بی! میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کچھ کھایا بھی ہو۔ اس رابعہ عصر نے تھوڑے سے آئے اور شکر کا خمیر کیا اور اسی وقت چند کھجوریں (تیار کر کے) پیالے میں دے دیں اور فتوحا مذکور کے ہاتھ شمع کے پاس روانہ کر دیں اور کہا کہ جب شمع کے پاس پہنچتا تو کہنا کہ تمہاری والدہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے ان کھجوروں کو نہیں کھایا تو میں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔

فتوحا مذکور ان رابعہ عصر کے فرمانے کے مطابق حضرت کے پاس گیا اور حال بیان کیا۔ جب حضرت شمع نے یہ سنا تو کچھ دیر غور کیا اور بسم اللہ کہہ کر اس میں سے تھوڑی سی شیرینی منہ میں رکھ لی۔ جب ذرا سی (شیرینی) ان کے حلق میں پہنچی تو بے ہوش ہو گئے۔ بے ہوشی کے عالم میں کچھ چیونٹے ایک سوراخ سے نکلے اور ان کے حلق میں داخل ہو گئے اور وہ شیرینی جو انہوں نے کھائی تھی، تھوڑی تھوڑی کر کے منہ سے نکال لیے گئے۔ جب وہ سب غذا نکل گئی تو حضرت کو ہوش آیا۔ فتوحا نے یہ سارا حال ان حضرت کی والدہ سے بیان کیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ شرف الدین احمد اپنے بڑے بھائی شیخ جلال الدینؒ کے ہمراہ دارالخلافہ دہلی کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت شیخ نظام الدینؒ کے ہذا ہونی سے ملے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے حوالے خاندان فردوسیاں ہے۔

(۳) بزم صوفیہ ص ۳۵۰ - ۳۹۳ -

(۴) بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء - ص ۱۰۴ - ۱۰۶ -

(۵) نقوش سلطانی ص ۴۸ -

(۶) علمی نقوش ص ۶۰ - ۶۵ -

(۷) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) دسمبر ۱۹۵۹ء -

۱ - در نسخہ اول "جلال الدین محمود" ص ۱۴۹ -

۲ - در نسخہ اول "تمہارا تعلق طوسی خاندان سے ہے" ص ۱۴۹ -

اس وقت دونوں بھائی حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ شرف الدین احمد نے خرقہ خلافت پایا، شہر بہار چلے آئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ شیخ (شرف الدین) بڑے اہل کمال تھے اور ان کی اعلیٰ تصنیفات میں مکتبیب، معدن المعانی اور دوسری تصانیف مشہور و معروف ہیں۔

ایک دانشمند کا گم شدہ فرمان املاک ملنا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ قصبہ [۸۴] سراوہ میں ایک فاضل تھے۔ ان کے گھر میں آگ لگ گئی۔ ان کی املاک کا فرمان جل گیا۔ وہ دہلی آئے، مدتوں وزیر کے پاس دوڑے، پہلے فرمان کے مضمون کا دوسرا فرمان حاصل کیا۔ اس زمانے میں فرمان کا مرتب ہونا بہت مشکل تھا۔ وہ فرمان بھی راستے میں ان کی بغل سے گر گیا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو فرمان ان کی بغل میں نہ تھا بہت آہ و زاری کی اور فوراً شیخ المشائخ (نظام الدین محمد) کی خدمت میں گئے اور بصد درد و غم اپنا حال بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولانا کچھ نذر کرو کہ جب فرمان مل جائے تو حضرت شیخ فرید الملت و الدین کی روح مبارک کے لیے حلوا لانا۔ مولانا مذکور نے دل و جان سے منظور کیا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ مولانا کیا اچھا ہو کہ اسی وقت جاؤ اور حلوا خرید کر لاؤ۔ مولانا فوراً اٹھے، خانقاہ کے دروازے پر ایک حلوائی کی دوکان تھی، اس کو چند درم دیے اور حلوا خریدا۔ حلوائی مذکور نے ایک لکھا ہوا کاغذ نکالا اور چاہا کہ اس کو بھاڑ کر اس میں حلوا لپیٹ کر مولانا کے ہاتھ میں دے۔ مولانا نے جب غور سے دیکھا تو ان کا وہی فرمان تھا۔ فوراً حلوائی سے لے لیا اور حلوے کے ساتھ وہ (فرمان) حضرت شیخ کی خدمت میں لائے۔ سر زمین پر رکھ دیا، حاضرین مجلس نے بھی یہ کرامت دیکھ کر اپنے سر زمین پر رکھ دیے اور نہایت معتقد ہوئے۔

صالح کی حالت میں موت کی خواہش

حضرت شیخ المشائخ (نظام الدین محمد) سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت فرید الملت و الدین اپنے حجرہ مبارک میں کیفیت حال میں تھے اور بار بار یہ

رباعی زبان مبارک سے ادا فرما رہے تھے اور وجد کر رہے تھے :
رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے توزیم خاکے شوم و بزم ہائے توزیم
مقصود من بندہ ز کوئین توی از بہر تو میرم و برائے توزیم

مولانا بدر الدین اسحاق حجرے کے دروازے پر موجود تھے۔ وہ کسی ضرورت سے اٹھے اور شیخ نظام الدین سے فرمایا کہ جب تک میں وہاں آؤں تم یہاں حاضر رہنا کہ کوئی شخص حجرے میں داخل نہ ہونے پائے۔ مختصر یہ کہ جب مولانا بدر الدین اسحاق چلے گئے تو شیخ نے جو حجرے کے دروازے پر بیٹھے تھے، کواڑ کی دواز سے دیکھا کہ حضرت شیخ فرید الدین کو ایسا حال ہے کہ اپنے دست مبارک سے پشت کو پکڑے ہوئے وجد میں ہیں اور جس طرف رخ کرتے ہیں، یہ رباعی پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے دل میں سوچا کہ خدا پر بھروسہ کر کے حجرے میں چلا جاؤں اور اس وقت حضرت سے عظیم فیض و نعمت حاصل کروں۔ فوراً [۸۵] بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا اور حجرے میں داخل ہو گئے۔ سر زمین پر رکھ دیا۔ حضرت فرید الدین نے جب ان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا کہ نظام الدین! مانگ کیا مانگتا ہے۔ میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ مخدوم کو چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ جو کچھ تو نے مانگا میں نے دیا۔ جو کچھ میں نے حضرت سے مانگا تھا، اسی وقت اپنی ذات میں پایا۔ چنانچہ حضرت نظام الدین افسوس کیا کرتے تھے کہ میں نے حضرت سے یہ بھی کیوں نہ مانگ لیا کہ میری موت سماع کی حالت میں ہو۔

شیخ نظام الدین اولیاء کی ایک کرامت

حضرت نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ دہلی میں ایک ترک تھا۔ اس کا نام تلغہ تھا۔ وہ حضرت شیخ سے کامل اعتقاد رکھتا تھا۔ وہ ایک دن سو سرخ دینار حضرت کی خدمت میں لایا۔ حضرت شیخ نے قبول نہیں کیے۔ جب شیخ نے اس کو رنجیدہ پایا تو سو دینار میں سے ایک دینار قبول کر لیا اور فرمایا کہ باقی میں نے تجھ کو بخش دیے، تیرے کام آئیں گے۔ وہ اسی طرح غمگین و رنجیدہ تھا۔

۱۔ نسخہ اول میں یہ نام حذف کر دیا ہے (ص ۱۵۱) خیر المجالس (ص ۲۵۷) میں ”ہلغہ بغداد“ لکھا ہے۔

حضرت شیخ درہائے جمنا کے کنارے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تبلیغہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ ذرا درہائے جمنا کی طرف تو دیکھ۔ جب تبلیغہ نے دریا کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ وہ تمام درہائے جمنا سونے کے پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ، خبر دار کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ جب وہ حضرت کی مجلس سے باہر آیا تو وہ اپنے قول پر قائم نہ رہ سکا۔

حمید قلندر^۳

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ حمید قلندر تقریباً بارہ سال کے تھے اور اپنے والد مولانا تاج الدین کے ہمراہ جو حضرت شیخ کے مریدوں میں تھے، حضرت شیخ کے دسترخوان پر حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے مولانا تاج الدین کو ایک روٹی دی۔ حمید قلندر نے (وہ روٹی) اپنے باپ سے لے کر اپنی بغل میں رکھ لیا۔ جب وہ حضرت شیخ کی مجلس سے باہر آئے تو دیکھا کہ جماعت خانے کی دہلیز پر چند قلندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب ان کی نظر حمید پر پڑی، ان میں سے ایک قلندر اہل دل تھا، اس نے فوراً کہا اے لڑکے! اگر تیرے پاس روٹی ہو تو ہمیں دے۔ حمید نے کہا کہ میرے پاس روٹی نہیں ہے۔ قلندر نے فوراً کہا کہ حضرت شیخ نے اپنے سامنے سے ایک روٹی اٹھا کر تمہارے والد کو دی تھی، وہ تمہاری بغل میں ہے، وہ ہمیں دے دو۔ انہوں نے جب یہ سنا تو حیران رہ گئے اور فوراً بغل سے روٹی نکال کر قلندروں کے سامنے رکھ دی۔

پچھلے سے مولانا (تاج الدین) پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ روٹی کیا کی؟ حمید مذکور نے سب قصہ بیان کیا۔ مولانا تاج الدین نے ایک تھوڑا سا ان کی گردن پر مارا اور لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر پریشان حال، حضرت شیخ کے سامنے لائے اور کہا

۱۔ درخیرالمجالس ”البیاء“ ص ۲۵۷۔

۲۔ خیرالمجالس ص ۲۵۷۔

۳۔ حمید قلندر کے حالات کے لیے دیکھیے :

(۱) تذکرہ علماۓ ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۷۱۔

(۲) فزیتہ الخواطر ۲ : ۳۷-۳۸۔

(۳) اخبار الاخبار ص ۱۱۰-۱۱۲۔

(۴) خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۳۶۵-۳۶۶۔

(۵) خیرالمجالس (مقدمہ نظامی اڈیشن) ص ۳-۷۔

کہ ہندوم ! جو روٹی آپ نے اپنے غلام کو عنایت کی تھی ، وہ میں نے اس کے سپرد کر دی تھی کہ یہ تبرک اپنے عیال و اطفال کو دوں گا تاکہ اس کی برکت سے ان کی بخشش ہو۔ اس بے وقوف نے (وہ روٹی) ان قلندروں کو [۸۶] جو جماعت خانے کی دہلیز پر بیٹھے تھے دے دی۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ چونکہ وہ درویشوں کا حصہ تھا لہذا ان کو پہنچ گیا اور تیرا یہ لڑکا آخر کار قلندر ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ ویسے ہی (قلندر) ہو گئے۔^۱ اگرچہ وہ دانش مند اور فاضل ہوئے لیکن قلندری کے لباس میں رہتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال مندواتے تھے۔ وہ دولت آباد میں مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہے اور ان کے ملفوظ بھی لکھے۔^۲ ان کے انتقال کے بعد دکن سے دہلی آئے اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کی خدمت میں رہے اور کتاب خیرالمجالس کو لکھا کہ جو ان کے ملفوظ ہیں۔ اگرچہ قلندری کے لباس میں رہتے تھے مگر ریاضت و مجاہدہ بہت کرتے تھے۔^۳ نماز با جماعت پڑھتے تھے۔ [لیکن چونکہ حضرت زبدۃ الابرار (نظام الدین اولیاء) کی زبان گوہر بار سے یہ نکل گیا تھا کہ یہ لڑکا قلندر ہوگا پس وہ اسی لباس میں رہے۔]^۴

خواجہ حسن سجزی

مولانا شہاب الدین امام سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین مجد بدایونی ، حضرت سلطان المشائخ شیخ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئے۔ میں مولانا برہان الدین غریب کے ساتھ ان کے ہمراہ تھا زیارت کے بعد حضرت شیخ کا حوض شمس پر گزر ہوا تاکہ بعض ان بزرگواروں کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھیں کہ جو حوض مذکور کے کنارے مدفون ہیں۔ اتفاق سے خواجہ

- ۱۔ خیرالمجالس ص ۱۰ - ۱۱۔
- ۲۔ بیس مجالس کی رو داد ہے (خیرالمجالس ص ۸) انگریزی مقدمہ (خیرالمجالس) (ص ۴۷ حاشیہ) میں نام نفائس الانعام بتایا ہے۔
- ۳۔ خیرالمجالس ص ۱۱۔
- ۴۔ نسخہ اول میں قوسین کی عبارت نہیں ہے ص ۱۵۲۔
- ۵۔ امیر حسن سجزی کے لیے دیکھیے :
 - (۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۶۳ - ۱۶۴۔
 - (۲) اخبار الاخبار ص ۱۰۱ - ۱۰۴۔

حسنی علائی سجزی شاعر اپنے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ حوض مذکور کے کنارے شراب پی رہے تھے۔ ابتدائی زمانے میں ہدایوں میں حضرت شیخ سے ان کی ملاقات اور صحبت رہی تھی۔ وہ مستی کی حالت میں تھے، انہوں نے یہ دو شعر پڑھے :

شعر

سانہا باشد کہ ما ہم معجبتیم گرز صحبت ہا اثر بودے! کجاست
زہد تو یوں از دل ما کم نہ کرد؟ فسق سایاں بہتر از زہد شہاست^۲
جب حضرت شیخ نے ان سے یہ اشعار سنے تو فوراً فرمایا صحبت میں بہت اثر ہے۔ اس بات نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ فوراً ننگے سر ہو گئے اور حضرت شیخ کے پیروں پر گر پڑے، تائب اور مرید ہو گئے اور دوستوں کی جو جماعت ان کے ساتھ تھی، وہ بھی تائب ہو گئی اور مرید بھی ہو گئی۔ ان خواجہ حسن نے جس وقت توبہ کی تو تہتر سال کی عمر تھی۔ حضرت شیخ کے مقبول و محبوب مریدوں میں سے ہوئے۔ اس کے بعد کتاب فوائد الفواد تحریر کی کہ وہ کتاب اہل اللہ کی مونس جان اور ہادی راہ ہے جیسا کہ خواجہ خسرو نے اکثر اپنی زبان سے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ فوائد الفواد کی مقبولیت مجھ سے منسوب ہو جاتی اور میری تمام تصانیف خواجہ حسن کی ہو جائیں، [۸۷] توبہ کرنے کے بعد انہوں نے یہ غزل لکھی کہ اس میں ان کا یہ تخلص (حسن) ہے۔

(۳) خزینۃ الاصفیاء ص ۱ : ۳۴۴ -

(۴) تذکرہ مرآۃ الخیال ص ۶۷ - ۶۸ -

(۵) کلزار ابرار ص ۹۳ - ۹۵ -

(۶) تاریخ الاولیاء ص ۱ : ۱۹۲ -

(۷) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ص ۱۳۳ -

(۸) نفحات الانس (اردو) ص ۶۴۶ - ۶۴۷ -

۱ - در نسخہٴ اول ”باشد“ ص ۱۵۲ -

۲ - نسخہٴ اول میں مصرعہٴ اول اس طرح ہے :

ع زہد تو فسق از دل ما کم نکرد

۳ - نسخہٴ اول میں مصرعہٴ ثانی اس طرح ہے :

ع فسق ما محکم تر از زہد شہاست

اے حسن توبہ آنکھیں کردی کہ ترا طاقت گناہ نماند

جامع کے متعلق بحث و مذاکرہ

سید وجیہ الدین مبارک کرمانی المعروف سید خورد سے منقول ہے کہ جنہوں نے سیر الاولیاء لکھی ہے کہ جب خسرو خاں ہراون نے سلطان قطب الدین کو مار ڈالا۔ اس کی اولاد کا نام و نشان مٹا دیا اور اپنے آپ بادشاہ بن بیٹھا، شہر دہلی میں اس وقت جو درویش تھے، اس نے دو چند اور سہ چند تنکے ہر ایک کے نام بھیجے، اکثر درویشوں نے قبول کر لیے اور دو تین درویشوں نے قبول نہیں کیے۔ اول سید علاء الدین جبوری^۱، دوم وحید الدین^۲ خلیفہ^۳ شیخ فرید الدین گنج شکر، سوم شیخ عثمان سیاح خلیفہ^۴ شیخ رکن الدین ابوالفتح^۵، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کو پانچ لاکھ تنکے بھیجے۔ حضرت نے قبول کر لیے اور شہر کے فقیروں اور مستحقین کو دے دیے۔ شہر کے بعض ان درویشوں نے کہ جنہوں نے نذرانہ قبول کر لیا تھا، رقم بطور امانت رکھ لی کہ دیکھتے کیا انجام ہوتا ہے۔

چار مہینے کے بعد شہر دیپال پور کا حاکم غازی ملک، دہلی کی طرف فوج لایا، خسرو خاں کو قتل کر دیا، خود بادشاہ ہو گیا اور اپنے آپ کو غیاث الدین تغلق کے نام سے مخاطب کیا۔ چنانچہ یہ واقعہ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے۔

القصد سلطنت قائم ہو جانے کے بعد اس نے خزانے کا جائزہ لیا اور وہ رقم جو خسرو خاں نے درویشوں کو دی تھی طلب کی۔ جنہوں نے اس کو امانت رکھا تھا، واپس کر دیا۔ پانچ لاکھ تنکے کا مطالبہ حضرت شیخ سے بھی کیا گیا۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ یہ بیت الہال تھا، حق داروں کو پہنچ گیا۔ میں نے اس میں سے ایک درم یا دینار اپنے اوپر خرچ نہیں کیا ہے۔ جب سلطان نے یہ بات سنی خاموش ہو گیا لیکن بالآخر اس نے دل میں بغض رکھا۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی کہ جس کی بنا پر مواخذہ کرتا۔

۱۔ سیر الاولیاء (اردو) ص ۵۲۴ - ۵۳۰۔

۲۔ در نسخہ اول ”جنوری“ ص ۱۵۳۔

۳۔ در نسخہ اول ”وجیہ الدین“ ص ۱۵۳۔

۴۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۴۲۱ - ۴۲۳۔

۵۔ طبقات اکبری ۱ : ۱۹۲، ۱۹۳۔

حضرت شیخ کے چند دشمنوں نے جو حضرت سے حسد رکھتے تھے اور سماع کا انکار کرتے تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ یہ درویش یعنی حضرت شیخ (نظام الدین ہمدانیؒ) مع اپنے تمام مریدوں کے سوائے سماع و سرود کے جو مذہب حنفی میں حرام ہے اور کوئی کام نہیں رکھتا اور اپنا وقت اسی لہو و لعب اور عیش میں گزارتا ہے۔ لہذا سلطان پر واجب ہے کہ علمائے شہر کو بلا کر ایک محضر تیار کرائے اور شیخ کو بھی ان کے دوستوں کے ساتھ بلایا جائے کہ جو اس نا مشروع فعل میں منہمک رہتے ہیں تاکہ حق ظاہر ہو جائے۔

مختصر یہ کہ سلطان نے قلعہ تغلق آباد میں کہ جس کو اس نے خود آباد کیا تھا [۸۸] محضر تیار کرایا اور حضرت شیخ کو بلایا۔ کہتے ہیں کہ دو سو تریپن علماء کہ جو علم میں بے مثل اور ممتاز تھے، حضرت شیخ اور ان کے اصحاب سے سماع میں اختلاف رکھتے تھے، اس مجلس میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ بھی اپنے درویشوں کے ہمراہ کہ جو سب علمائے متبحر تھے، خاص کر مولانا فخر الدین زراہی کہ جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے تھے، حاضر ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے سامنے ان کی بحث شروع کرائی۔ مولانا فخر الدین زراہی نے سلطان سے کہا کہ اتنے علماء جو بادشاہ نے جمع کیے ہیں ان میں سے دس اصحاب کو جو اس جہانت میں سب سے زیادہ عالم ہوں، علیحدہ کر لیجیے کہ وہ ہم سے بحث کریں۔ اگر وہ حرمت کا پہلو ثابت کریں تو ہم جواز ثابت کریں۔

سلطان نے قاضی رکن الدین دلوالحیؒ کی طرف رخ کیا جو اس وقت اس (بادشاہ) کا حاکم تھا۔ قاضی مذکور حضرت کی عداوت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ قاضی حضرت شیخ کی جانب متوجہ ہوا۔ حضرت شیخ سے کہا کہ اے درویش! اس میں شک نہیں کہ تم اپنے مریدوں اور دوستوں کے ساتھ اکثر سماع و سرود میں رہتے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی روایت ہے کہ جس کو بیان کرو۔ حضرت شیخ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔ قاضی مذکور نے کہا کہ تم مجتہد

۱۔ در نسخہ اول "ترانوے" ص ۱۵۴۔

۲۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے جلال الدین لوانجی لکھا ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۱۶)۔ تاریخ فیروز شاہی (ہرنی) (ص ۳۵۱) میں جلال الدین دلوالحی اور تذکرہ علمائے ہند (ص ۵۶۶) جلال الدین دلوالحی ہے۔

نہیں ہو کہ حدیث سے تمسک کرتے ہو۔ تم مقلد ہو۔ (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی روایت بیان کرو تا کہ تمہاری بات قبول کی جائے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! قولہ مصطفیٰ کے ہوتے ہوئے آپ مجھ سے قول حنفی چاہتے ہیں۔ پھر قاضی نے کہا کہ اے درویش اگر سماع و سرود کے متعلق عالمانہ رائے اور شریعت کا طریقہ رکھتے ہو (تو بیان کرو)۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو اس معاملہ میں حکومت کا غرور ہے، الشاہ اللہ تعالیٰ تو جلد ہی اس بے ادبی کی وجہ سے اس عہدے سے معزول ہو جائے گا جو دوستانہ خدا سے کر رہا ہے۔ تیرا ایمان تو سلب نہیں ہو گیا ہے۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے نواسے مولانا علم الدین علامہ آپہنچے۔ سلطان ان کے استقبال کے لیے دوڑا۔ مولانا علم الدین سلطان سے ملنے سے پہلے حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا بہت اعزاز و احترام کیا۔ اس کے بعد سلطان سے ملاقات کی اور کہا کہ حضرت شیخ کو یہاں کھول دیا گیا ہے؟ سلطان نے کہا کہ علماء نے سماع کے معاملے میں ایک مقرر تیار کیا ہے۔ الحمد للہ خدا نے تم کو بھیج دیا تا کہ حق ظاہر ہو جائے۔ مولانا علم الدین نے جواب دیا کہ میں مکہ، مدینہ، مصر اور شام میں گھوم رہا ہوں، علمائے عظام کے باوجود ہر جگہ مشائخ کرام سماع مانتے ہیں، کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ بے شک و شبہ سماع اس کے اہل کے لیے سباح ہے۔ حضرت شیخ اور ان کے اصحاب اہل اللہ ہیں اور کمال اخلاق و زہد و تقویٰ کے ساتھ ان کا ظاہر و باطن آراستہ ہے۔ [۸۶] سب صاحب کمال اور اہل حال ہیں، ان کی برگشت سے اس بات نے درویشوں کے گروہ میں اثر کیا ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت کیا ہے اور وجد بھی ثابت کیا ہے۔

جب مولانا نے یہ ذکر کیا تو سلطان آٹھا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرت شیخ سے معذرت چاہی اور جانے کی اجازت دی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت شیخ اپنے مکان غیاث پور پہنچے، اسی وقت ایک شخص نے خبر دی کہ آپ کی واپسی کے بعد سلطان بہت شرمندہ ہوا اور قاضی رکن الدین دلاوالجی کو عہدہ حکومت (قضاء) سے معزول کر دیا۔

مولانا اخی سراج

سید مذکور (میر خورد) سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ نور کے دادا اخی سراج ہندوؤں جو بنگالہ میں مدفون ہیں ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حضور میں مرید ہوئے کی غرض سے دہلی آئے اور حضرت شیخ سے ملاقات کی اور مرید ہوئے تو شیخ فخرالدین زرا دی حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا فخرالدین! یہ جوان بہت قابل ہے۔ افسوس ، اگر اس میں کچھ ظاہری علم بھی ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہو جاتا۔ مولانا فخرالدین نے جب یہ بات حضرت شیخ کی زبان مبارک سے سنی تو زمین پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو اس جوان کو کچھ عرصے تک صحبت میں رکھوں اور ضروری مسائل یاد کرا دوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا بہت بہتر ہے کہ یہ تمہاری صحبت میں رہے۔ ان کا ہاتھ پکڑا اور مولانا زرا دی کے سپرد کر دیا۔ مولانا مذکور ، اخی سراج ہندوؤں کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی تعلیم میں مشغول ہوئے ، یہاں تک کہ چار مہینے کی مدت میں ان کو ایسا کر دیا کہ کسی عالم کی یہ ہمت نہیں تھی کہ ان سے بحث کرے۔ اس کے بعد شیخ کے حضور میں لائے۔ حضرت شیخ نے اخی سراج سے ہر علم کے متعلق چند سوال کیے چنانچہ جیسا چاہتے تھے ویسا ہی پایا۔ انہیں خرقہ خلافت دیا اور بنگالہ بھیج دیا۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی علالت

سید مذکور (میر خورد) سے منقول ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو پیشاب پانخانہ نہیں ہوا۔ ایک دن خادم خواجہ اقبال کو اپنے سامنے بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ اسباب اور نقدی اپنی ملکیت میں رکھتے ہو ، وہ لیے آؤ تاکہ مستحقین کو دے دوں۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ جتنا بھی نقد ، نذرانہ یا اسباب آتا ہے ، دوسرے دن کے لیے باقی نہیں رہتا ہے ، اسی دن خرچ ہو جاتا ہے مگر کئی ہزار من خلد موجود ہے جو انگر میں خرچ ہوتا ہے۔ حضرت [۹۰] شیخ نے فرمایا کہ اے مراد! وہ کس لیے رکھا ہے؟ جلد باہر نکال اور حق داروں کو دے دے۔ اس کے

۱۔ اخی سراج بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۵۵۸ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو

اخبار الاخبار ص ۹۲-۹۳ ، تذکرۃ التواصلین ص ۱۷۱-۱۷۲ ، کشف الحقیقت

ص ۱۹ ، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۲۵۱-۲۵۲۔

۲۔ سیر الاولیاء ص ۱۵۳-۱۵۵۔

۵۵ کھڑوں کا بچہ مانگا۔ اپنی ایک دستار، پیراہن خاص اور مصلیٰ بطور خلیفہ مولانا برہان الدین کو عطا کیا اور دکن کی جانب روانہ کر دیا۔ ایک دستار، پیراہن خاص اور مصلیٰ شیخ یعقوب کو عطا فرمایا اور ان کو گجرات کی طرف بھیج دیا اور ایک پیراہن مع دستار اور مصلیٰ خاص مولانا شمس الدین یحیٰی کو جو اہل تحقیق میں سے تھے، عطا فرمایا۔ ان بزرگوار کا سزار ہر انوار دوستوں کے صفہ صفا پر ہے کہ جہاں حضرت کے اکثر خاص مرید بھی مدفون ہیں۔ سنا گیا ہے کہ برج سعادت کے ستارے اور درج سیادت کے گوہر حضرت سید جلال الدین بخاری نے بھی شیخ شمس الدین یحیٰی سے خرقہ خلافت پایا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو خلافت

یہاں تک کہ کوئی چیز بقیے میں باقی نہیں رہی۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی حاضر تھے، ان کو کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ حاضریں نہ تو تعجب ہوا کہ کیا سبب ہے کہ ہر ایک کو نعمت عطا فرمائی اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو کچھ نہیں دیا۔ چہار شنبہ کے روز نماز (عصر) کے بعد شیخ نصیر الدین محمود کو بلایا غرقہ، عصا، مصلیٰ، تسبیح، نکرئی کا پیالہ اور جو کچھ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے ان کو ملا تھا، سب شیخ نصیر الدین محمود کو عطا فرما دیا اور کہا کہ تم کو شہر دہلی میں رہنا چاہیے اور لوگوں کے ظلم و جور براشت کرنے چاہئیں۔

نظام الدین اولیاء کا وصال

(حضرت نظام الدین اولیاء نے) ہمارے عصر ادا کی، ابھی مغرب کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا کہ حضرت نے عالم آخرت کی راہ لی۔ حضرت کا وصال ۱۸ ماہ ربیع الآخر بروز بدھ ہوا۔

۱۔ اخبار الاخیار ص ۹۹۔

۲۔ اخبار الاخیار ص ۱۰۳۔

۳۔ ۱۸ ربیع الآخر ۵۷۳۵ کو وصال ہوا (ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۶۴، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۳۷، وفیات الاخیار ص ۱۰۳، ۱۱۷، بعض نے ۱۷ ربیع الآخر لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ مؤلف بزم صوفیہ (ص ۲۲۳) نے ۱۸ ربیع الاول لکھ دیا ہے۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے ۱۳ جولائی ۱۹۶۳ء بروز یکشنبہ درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔

امیر خسرو کا انتقال

اس زمانے میں خواجہ خسرو، سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار بنگالہ میں تھے۔ اس واقعہ (وصال شمع) کے سننے کے بعد خواجہ خسرو سلطان کی اجازت کے بغیر بہت جلد غیاث پور پہنچے اور اپنا گرد آلود چہرہ ان بزرگوار (حضرت نظام الدین اولیاء) کے سزار پر انوار پر ملنا شروع کیا۔ سیاہ لباس پہنا اور اسی روضہ مبارک میں رہے۔ تین مہینے کے بعد ہمدہ ہی کے دن ۸۷۲۵ کو وہ بھی رحمت حق سے جا ملیے اور ان بزرگوار کا سزار حضرت شمع کے ہائیں واقع ہے۔ - [۹۱]

۱۔ اکثر تذکروں اور تارغی نوشتوں میں امیر خسرو کا انتقال حضرت نظام الدین اولیاء کی رحلت سے چھ ماہ بعد ۱۸ شوال ۸۷۲۵ کو بتایا گیا ہے۔

حضرت شیخ المشائخ نصیر الملت و الدین محمود اودھیؒ

<p>جہان معرفت جان مشیخت بعلم ظاہر و باطن صفا سنج بذکر انیہ دل صاف کردہ زدست عشق مشتی خوردہ ہر دل تنش آداب ظاہر را ادبیہ چراغ مسجد اقصائے مقصود بزرگی داد در عالم خدایش</p>	<p>دلش شمع شبستان مشیخت زاسرار نہانی یافتہ گنج خدایش مغزن الطاف کردہ شہادت با سعادت کردہ حاصل دلش امراض باطن را طیبیہ نصیر الدین ملت شمع محمود جہلی کیمست تا گوید ثنائیں</p>
--	--

وہ جہاد اکبر کے میدان کے مبارز، ظہور اظہر کے شہود کے مشاہدہ، باغ ریاضت کے صنوبر، حوضی افادہ کے نیلوفر، تنزیہ و تشبیہ میں شامل و عامل درگاہ باری تعالیٰ میں برگزیدہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی مشائخ کبار میں ممتاز اور زمانے کے صاحب تہجد حضرات میں بصیرت کے مالک تھے۔

پیدائش

ان کے جد بزرگوار کا نام یحییٰ تھا۔ ان (یحییٰ) کی پیدائش شہر لاہور میں ہوئی اور حضرت شمع کی پیدائش شہر اودھ میں ہوئی۔

۱۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے دادا کا نام عبداللطیف تھا۔ وہ خراسان سے ترک سکونت کر کے لاہور آئے تھے، وہیں ان کے والد یحییٰ پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ متن میں عبداللطیف کا نام رہ گیا۔ نسخہ اول (۲: ۴۰) میں موجود ہے۔ دیکھیے خیر المجالس (مقدمہ) ص ۳۹۔

۲۔ شیخ یحییٰ ہشمنیہ کے ممتاز تاجر تھے، لاہور سے ترک سکونت کر کے اودھ چلے گئے تھے۔

۳۔ حضرت چراغ دہلی تقریباً ۸۶۷ھ میں پیدا ہوئے (فرشتہ ۲: ۳۲۹)، نیز خیر المجالس (مقدمہ) ص ۳۸۔

تعلیم و تربیت

حضرت شیخ کے پدر بزرگوار کا جب انتقال ہوا تو ان کی عمر نو سال کی تھی۔ ان کی والدہ معظمہ صلاحیت اور عصمت میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھیں۔ وہ ظاہری عدم کے حاصل کرنے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں مولانا عبدالکریم شروانی کے پاس کہ جو اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، ہدایہ و ہزدوی کی کتابیں پڑھیں، پھر ندس کے محاسیے اور مجاہدے میں پورے طور سے مشغول ہو گئے۔ بہت ریاضت اور مستقل عبادت کی۔ سات برس تک ایک دو درویشوں کے ساتھ ان کی نماز باجماعت قضا نہ ہوئی۔ اس شہر کے ویرانوں میں گھومتے اور نیکی کا بیج قابلیت کی زمین میں بوتے۔ وہ اکثر منبہا لو کے بنوں سے افطار کرتے۔ یہ ایک قسم کی گھاس ہے جو ہندوستان میں ہوتی ہے۔

بیعت

وہ تینتالیس سال کی عمر میں شہر اودھ سے دارالخلافہ دہلی آئے اور حضرت شیخ نظام الدین محمد بدایونیؒ سے ارادت سے شرف ہوئے اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ حضرت کے تمام درویش ان کو نصیر الدین عمود گنج کہتے تھے۔ وہ مشائخ کے دلوں کو بہت محبوب تھے۔ اس زمانے میں ان کی والدہ ماجدہ اودھ میں زندہ تھیں۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء سے اجازت لے کر اپنی والدہ ماجدہ کے پاس اودھ پہنچے اور ان عفت متاب خاتون (والدہ ماجدہ) کی خدمت میں رہے۔ ان بزرگوار (والدہ) کی وفات کے بعد چند مہینے تک شہر مذکور (اودھ) میں اپنی والدہ کی زیارت کی غرض سے رہے۔ اب تک ان کی والدہ کا مقبرہ عید گاہ کی پشت پر واقع ہے۔ وہاں سے پھر شہر دہلی آئے اور اپنا گرد آلود چہرہ اپنے پیر شیخ نظام الدین محمد بدایونی کے قدموں [۹۲] سے ملا اور ان کی خدمت میں جماعت خانے میں رہنے لگے کہ [جو کیلو کھری میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ اس جماعت خانے میں ایک بالا خانہ تھا۔ اس بالا خانے پر حضرت شیخ

۱۔ خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲، نیز (مقدمہ) ص ۳۹۔

۲۔ حضرت چراغ دہلی کے اساتذہ میں محی الدین کشانی اور مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے نام بھی ملتے ہیں۔ افتخار الدین محمد گیلانی کا نام نسخہ اول (ص ۴۰) میں بھی ہے۔

ملاحظہ ہو خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲ و (مقدمہ) ص ۴۰۔

۳۔ خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۲۔

نظام الدین اولیاء کا خاص حجرہ تھا! حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) اس حجرے میں مشغول عبادت روتے تھے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود بھی اس جماعت خانے کے ایک گوشے میں عبادت کرتے تھے۔

ایثار

اسی زمانے میں کسی وقت چند درویش جو شیخ بہاء الدین زکریا کے خانوادے کے مریدوں میں سے تھے، ملتان سے آئے اور انہوں نے چند روز تک اس جماعت خانے میں آرام کیا۔ ایک رات کو وہ درویش اپنے لباس چھوڑ کر تہجد کی نماز کے لیے تہجد وضو کی غرض سے جمنے کے کنارے گئے۔ سردی کا موسم تھا، کوئی کمیخت ایک درویش کا لباس چرا لے گیا۔ جب وہ درویش وضو کر کے جماعت خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ اس درویش کا لباس نہیں ہے۔ وہ درویش یکبارگی بد زبانی کے ساتھ شور کرنے لگے۔ اسی وقت حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے اپنا نیا لبادہ کہ جو وہ پہنے ہوئے تھے، اس درویش کو پہنا دیا کہ جس کا لباس گم ہو گیا تھا اور گفتگو سے باز رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے شور و غل سے حضرت شیخ کی عبادت میں خلل آئے۔ حضرت شیخ نظام الدین بدایونی یہ بات نور باطن سے سمجھ گئے اور ظہر کی نماز کے بعد انہوں نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے پاس بلایا، اپنا خاص لباس ان کو پہنایا، ان کی بہت تعریف کی اور خوش ہوئے۔

بہن کی خدمت میں حاضری

[حضرت چراغ دہلی کی ایک بہن شہر اودھ میں تھیں جو ان سے بڑی تھیں اور رابعہ عصر تھیں۔ ان کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام مولانا زین الدین علی اور دوسرے کا نام مولانا کمال الدین حامد تھا۔ حضرت شیخ کبھی کبھی حضرت شیخ المشائخ نظام الدین مد سے رخصت لے کر شہر اودھ کی طرف اپنی بہن کی تسکین قلب کے لیے جایا کرتے تھے اور پھر اپنے پیر کی خدمت میں دہلی واپس

۱۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول میں نہیں ہے (ص ۴۰)۔

۲۔ صباح الدین عبدالرحمن (بزم صوفیہ ص ۳۱۲) اور پروفیسر خلیق نظامی

(خیر المجالس، مقدمہ ص ۴۶) نے ان بزرگ کا نام خواجہ محمد گارونی لکھا ہے۔

۳۔ ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ص ۲۳۶ و خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۳۔ ۲۸۴۔

۴۔ خیر المجالس (ضمیمہ ص ۲۸۴) میں ہے کہ حضرت چراغ دہلی کی دو بہنیں

ہو، ابدی اور بی بی لہری تھیں۔ اول الذکر بو، ابدی کے بیٹے زین الدین علی

اور بی بی لہری کے کمال الدین حامد تھے۔

آجائے؟ اکثر ان کا قیام شیخ برہان الدین غریب کے یہاں ہوا کوٹا جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خاص خلیفہ تھے اور ان دونوں کے درمیان جتنی صحبت اور مؤدت تھی؟

شیخ برہان الدین غریب کا واقعہ

ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے [۹۴] ایک ٹوپی مولانا برہان الدین کو عنایت فرمائی، وہ تادمہ کی ٹوپی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد وہ مولانا (غریب) سے کہہ گئی۔ مولانا اس کے کم ہو جانے سے نہایت پریشان ہوئے۔ شیخ نصیر الدین محمود بھی ان کے مکان میں عصر اور مغرب کے درمیان بڑے استفراق کے ساتھ مشغول عبادت تھے۔ مولانا برہان الدین غریب ان کے سامنے کئے اور بیٹھ گئے۔ جب حضرت استفراق باطن سے شعور ظاہر میں آئے تو حضرت مولانا (غریب) کو دیکھا کہ پریشان ہیں اور مغموم و رنجیدہ بیٹھے ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے احوال دریافت کیا کہ اس فکر اور تحیر کا کیا سبب ہے۔ حضرت (برہان الدین غریب) نے ٹوپی کے کہہ جانے کا قصہ بیان کیا۔ شیخ نصیر الدین محمود نے کچھ غور کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا رنجیدہ نہ ہوں، بہت جلد حضرت شیخ سے غم کو اس سے بہتر تبرک ملے گا اور وہ ٹوپی بھی مل جائے گی۔ دوسرے دن وہ اپنے شیخ کے پاس گئے۔ اس روز حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) نے اپنا خاص مصلیٰ کہ جس پر نماز جماعت ادا فرماتے تھے، عطا فرمایا۔ مولانا مذکور بہت خوش رہے، گھر واپس آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ مصی کے بعد کو تہ کر کے بقیہ میں سنبھال کر رکھ دیں کہ اس میں وہ ٹوپی بھی مل گئی ہو کہو گئی تھی۔

چو آئینہ و لنگے لیست

حضرت شیخ نصیر الدین محمود کی یہ ایک کرامت ہے کہ ایک دن وہ اپنے درویشوں (مریدوں) سے فرما رہے تھے کہ اے دوستو! لباس (درویشی) کے حق کا لحاظ رکھو تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہو۔ اور لباس (درویشی) کے حق کی حفاظت یہ ہے کہ گدلم نما جو فروش نہ ہو۔ جفا برداشت کرو اور وفا کیا کرو۔ اگر حضرت نظام الدین اولیاء

۱۔ فوسین کی عبارت نسخہ اول (ص ۴۱) میں نہیں ہے۔

۲۔ خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۴۔

۳۔ خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۴ - ۲۸۵۔

حکم نہ فرماتے کہ شہر میں رہو اور ظلم و ستم برداشت کرو، میرا دن اور رات پر گز نہیں تھی کہ آبادی میں رہوں بلکہ کوہ و بیابان میں مشغول عبادت رہنا چاہتا تھا۔ چونکہ حضرت نے اس طرح سے فرمایا تھا لہذا وہاں ہی ہوا اور وہ (چراغ دہلی) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی طرح تھے کہ انہوں نے شادی نہیں کی اور ان کے اکثر مرید، ان کی اس روش اور ان کے طریقہ زندگی نے فریفتہ رہے۔ گویا یہ شعر ان کی شان کے حسب حال ہے :

درویش را چو آئینہ زنکی زخویش نیست ^{شعر} با پر کہ رہ نہاد برآمد برنگ او [۹۴]
حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء ان (چراغ دہلی) کے وجود مبارک پر فخر کیا کرتے تھے۔

اکابر مشائخ چشت کے ملفوظات

حمید قلندر سے کہ جو ملفوظ خیر المجالس کے کاتب تھے، منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے عرض کیا کہ میں نے حضرت خواجہ معین الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین کاکے کے ملفوظ میں ایسا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ باتیں مجھ تک بھی پہنچی ہیں۔ وہ ملفوظ پر گز ان (خواجہ معین الدین و خواجہ قطب الدین) کے نہیں ہیں۔ ان کتابوں میں بہت سی باتیں مجاوروں اور معتقدین نے دانستہ طور سے لکھی ہیں کہ جو پر گز ان کے حالات اور اعمال کے موافق نہیں ہیں۔

سباع

قاضی عبدالمقتدر تھانوی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود کے سباع میں مزاسیر پر گز نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف آواز اور نالی کا سباع سنتے تھے۔ ایک دن اس شعر پر وجد و حال طاری ہوا :

نظر در دید ہا ناقص فسادے ست ^{شعر} و گرنہ یار ماء از کسر نہاں نیست

۱۔ خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۵ - ۲۸۶ -

۲۔ خیر المجالس ص ۵۲ - ۵۳

۳۔ در خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۶ "فتاداست" اور در نسخہ اول (۲ : ۴۲) "فتادہ"۔

۴۔ در خیر المجالس (ضمیمہ) ص ۲۸۶ و در نسخہ اول (۲ : ۴۲) "یار من"۔

مجد تغلق

میر خورد بن سید مبارک گرمائی سے متغول ہے کہ ایک دن سلطان مجد تغلق نے جو اپنی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں پاک اعتقاد اور نیک نہاد تھا اور بالآخر دو تین فلسفیوں مثلاً عبید، معرفندی، مولانا علی متقی قندزی اور پیر اوفتام، سناسی کی صحبت میں فسق و فساد میں پڑ گیا تھا اور کفر کی طرف مائل ہو گیا تھا اس نے ایک بار حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے یہاں بلایا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ خراسان کی جانب سفر کرنا چاہتا ہوں، آپ بھی میرے ہمراہ چلیں۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ سے تبعید کا اظہار ہوتا ہے۔ آنجناب نے فرمایا کہ اس کلمہ کے بغیر ہرگز کوئی کام پورا نہیں ہوتا اور انجام کو نہیں پہنچتا۔ پس وہ تو خاص تاکید کے لیے ہے نہ کہ تبعید کے لیے۔

اسی وقت سلطان نے کھانا طلب کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر حضرت (چراغ دہلی) کھانا نہ کھائیں تو کوئی بات پیدا کرے اور فساد برپا کرے۔ جب کھانے کا خوان حضرت کے سامنے رکھا گیا تو حضرت نہایت کراہت سے کھانے میں ہاتھ ڈالتے۔ اسی دوران میں سلطان نے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے کہ جس پر میں عمل کروں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درندوں کا غصہ جو تمہاری طبیعت میں قائم ہو گیا ہے اسے دور کر دو۔ اس کے بعد (مجد تغلق نے) حکم دیا کہ سفید تنکوں کی ایک تھیلی اور سبز و سیاہ صوف کے دو ٹکڑے حضرت شیخ کے سامنے رکھے جائیں۔ اس کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت شیخ ان چیزوں کو خود اٹھائیں۔ حضرت مطلق متوجہ نہیں ہوئے [۹۵]۔

اسی دوران میں خواجہ نظام، دبیر خاص کہ جو سلطان کے مقرب اور سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، دوڑے اور حضرت نصیر الدین محمود کے سامنے سے وہ سامان اٹھا لیا اور حضرت شیخ کے جوتے سیدھے کر دیے اور سامنے رکھ دیے۔ جب حضرت شیخ، سلطان کی محاسن سے باہر چلے آئے تو انہوں

۱۔ کذا فی الاصل۔

۲۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲ : ۴۳) میں نہیں ہے۔ ضیاء الدین برنی نے سعد منطقی، عبید شاعر، نجم انتشار فلسفی اور مولانا علیم الدین (اعلم فلسفہ) کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ (تاریخ برنی ص ۴۶۵)۔

نے وہ رقم اور کپڑا حضرت کے خادم کے سپرد کر دیا اور اپنی پیشانی حضرت کے قدموں سے ملی ، پھر سلطان کے پاس گئے ۔ سلطان نے جب ان کو دیکھا تو بہت ناراض ہوا ، یہاں تک کہ تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اے دیپرک کوٹاہ ! تجھے کیا پڑی تھی کہ تو نے تھیلی اور کپڑا شیخ کے سامنے سے اٹھا لیا اور (شیخ کا) جوتا میرے سامنے لایا اور دیکھا ۔

خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد اور حضرت نظام الدین اولیاء کے منظور نظر تھے ۔ شاعری میں خواجہ خسروؒ کے خاص شاگرد تھے ۔ انہوں نے فوراً سلطان سے کہا کہ اگر میں اس تھیلی اور کپڑے کو نہ اٹھاتا تو حضرت شیخ اپنا دست مبارک ہرگز اس کو نہ لگاتے اور وہ تمہارے دولچہ پر پڑا رہتا ، یہ کیا عزت ہوتی اور میں نے جو ان کا جوتا اٹھایا ، اس میں میرا شرف تھا ۔ اگر مجھ کو قتل کرو تو میں رضامند ہوں کہ تمہاری صحبت کے ننگ سے آزاد ہو جاؤں ۔ مگر حضرت شیخ کی عظمت و برکت سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ۔

استغراق

ایک دن ظہر کی نماز کے بعد جماعت خانہ میں اپنے خاص حجرے میں تشریف ر لہتے تھے ۔ حضرت کا کوئی دربان نہ تھا ۔ ان کے خاص خادم (ان کے بھائی) شیخ زین الدین علی تھے ۔ وہ بھی خلوت کے وقت کبھی حاضر ہوتے ، کبھی نہ ہوتے ۔ خاص مشغولی کے وقت ایک ناہاک قلندر ترابی نامی حضرت (چراغ دہلیؒ) کی خلوت میں داخل ہو گیا ۔ چھری اس کے پاس تھی ، وہ اس نے نکالی اور حضرت کے جسم مبارک پر گیارہ زخم لگائے ۔ حضرت حالت استغراق میں تھے ، کوئی فرق نہ آیا ۔ اس حجرے میں ایک نالی تھی ، نالی میں ہو کر ان کا خون مبارک حجرے سے باہر آیا ۔ بعض مریدوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً اندر دوڑے ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ قلندر ناہاک چھری کے زخم لگا رہا ہے اور حضرت دم نہیں مارتے ۔

۱ ۔ یہ واقعہ سیر الاولیاء (ص ۲۷۳) سے مقتبس ہے اور اس میں فخر الدین زراذی سے متعلق بتایا گیا ہے ۔ جالی نے فخر الدین زراذی کی بجائے یہ واقعہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے منسوب کر دیا ہے ۔ اخبار الاخیار (ص ۹۷ - ۹۸) میں بھی فخر الدین زراذی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ، نیز دیکھیے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات (ص ۳۶۹) و ہزم صوفیہ (ص ۳۳) ۔

مریدوں نے جاپا کہ اس دم نخت کو ایذا پہنچائیں۔ حضرت شیخ نے اجازت نہ دی کہ کوئی کسی طرح اس کے حال سے مزاحم ہو۔

قاضی عبدالقادر تھانیسریؒ جو حضرت کے خاص مرید تھے، حضرت شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کسی کو ایسا موقع نہ دینا کہ اس قلندر کو کوئی تکلیف [۹۶] پہنچائے۔ پس تنکے اس قلندر کو اعام دئے اور چہرہ غدر کیا کہ شاید چھری مارنے کے وقت تمہارے اہل کو کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ سبحان اللہ! اہل بصیرت کو حضرت کی سیرت کی شہادت معلوم ہوا کہ تسلیم و رضا میں ان کا کیا مرتبہ تھا۔

وصال

اس کے بعد دین میں ایک حضرت زندہ رہے اور اٹھارویں ماہ رمضان کو شب جمعہ میں رحمت حق سے جا ملے۔

جانشین

مولانا زین الدین علیؒ نے عرض کیا کہ اے مخدوم! آپ کے بہت سے مرید صاحبان حال اور اہل کمال ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو حکم دیجیے کہ آپ کی جانشینی کرے کہ یہ سلسلہ نہ ٹوٹے۔ (حضرت نے حکم دیا کہ جاؤ، جن درویشوں کے سامنے تمہارا حسن ظن ہے، ان کی فہرست بنا کر لاؤ تاکہ ملاحظہ کی جائے۔

مولانا نے اور نے تین مدت قائم کیں، اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ۔ جب مولانا نے وہ فہرست حضرت کے سامنے رکھی تو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا زین الدین! وہ لوگ جو اپنے اپنے ایمان کا غم اٹھا رہے ہیں، کیا مناسب ہے کہ دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائیں؟ اس کے بعد وصیت فرمائی کہ میرے دفن کے وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا خرقہ جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا ہے، میرے سینے پر اور حضرت کا عصا میرے برابر قبر میں رکھ دیں اور

۱۔ قاضی عبدالقادر تھانیسری (وفات ۲۶ محرم ۵۷۹۱/۱۳۸۸ھ)، تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۳۲۵۔

۲۔ خیرالمجالس (ضمیمہ) ص ۳۸۶ - ۳۸۷۔

۳۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا وصال ۱۸ رمضان ۵۷۵۷/۱۳۵۶ء کو ہوا (سیرالاولیاء ص ۲۴۲ - ۲۴۷)۔

حضرت پیر کی تسبیح میری انگشت شہادت میں لیٹ دیں اور اینٹ کی بجائے کاسہ چوبی میرے سر کے نیچے رکھ دیں اور نعلین چوبی بھی میری آغوش میں رکھ دیں۔ حاضرین نے حضرت کی وصیت کے مطابق اس موقع پر عمل کیا۔

سید محمد گیسو دراز

سید محمد گیسو دراز نے جو اس زمانے میں ملک دکن میں شہر گلبرگہ میں آرام کرتے ہیں، ان کو غسل دیا اور انہوں نے اس کھاٹ کی رسی کو کہ جس پر حضرت (چراغ دہلی) کے تن مبارک کو غسل دیا گیا تھا، نکال لیا اور اس (رسی کو) اپنی گردن میں لیٹ لیا اور کہا کہ ہمارے سچے یہی خرقہ کافی ہے۔ بالآخر سید مذکور (گیسو دراز) کو ایسی مقبولیت ہوئی کہ اس کی برکت سے ان کا انتقال بھی ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ کو ہوا۔

۱۔ خیر المجاہد (ضمیمہ) ص ۲۸۷۔

نصیر الدین چراغ دہلی کے سلسلے میں ملاحظہ ہو پروفیسر محمد حبیب کا مضمون

Sheikh Nasiruddin Chiraghi-i-Delhi as a great historical personality, Islamic Culture, Hyderabad Dn. April, 1946 pp. 129-153

۲۔ نسخہ اول (ص ۴۵) میں سنہ نہیں دیا ہے۔ مطبوعہ متن میں ۱۸ رمضان ۸۷۵ھ

غلط لکھا گیا ہے۔

حالات کے لیے دیکھیے :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۲۲۷۔

(۲) بزم مروفیہ ص ۵۰۴ - ۵۲۰۔

(۳) افتتاح التواریخ ص ۱۱۲ - ۱۱۴۔

(۴) انوار العارفین ص ۳۱۴ - ۳۱۵۔

(۵) اخبار الاخیار ص ۱۳۷ - ۱۴۲۔

(۶) گلزار ابرار ص ۱۳۹۔

(۷) برہان المآثر ص ۴۴ - ۴۶۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نجیب الدین متوکلؒ

ان شہنشاہ ملک تجرید فانی از خویش و باقی از تفرید
زہر وادی خدا جویان از توکل براہ حق ہویان
راہ عرفان زخار و خس رفتہ گوہر معرفت بجان سفتہ
باطن از حق تمام نور شدہ ظاہر از شرع ہر سرور شدہ
ہاک دین ہاک ذات پاک حصال کشتہ از خام عشق مالا مال
کردہ روشن تمام روئے زمین آفتاب جہان نجیب الدین
وہ صغیفہ نسوب کے ترجان ، چمن معرفت کے باغبان ، سالکان تحقیق کے
مرشد ، صفا و تصدیق کے مسافروں کے رہنما ، حقائق کے واضح کرنے والے ، [۹۷]
دقائق کے بیان کرنے والے ، آسمان ولایت کے قطب ، ہدایت و نہایت کے دائرہ کے
مرکز اور اہل کمال و صاحب دل تھے ۔ شیخ المشائخ نجیب الدین متوکلؒ ایک عالی
مرتبہ شیخ (طریقہ) تھے ۔

خالدان

وہ اپنے زمانے میں بے مثل تھے ۔ شیخ المشائخ فرید الملت و الدین مسعود کے
حقیقی بھائی تھے اور ان ہی سے ارادت و خلافت بھی تھی ۔ حضرت (بابا فرید) نے
ان کو اجازت دے دی تھی کہ وہ دہلی میں سکونت اختیار کریں ۔ [دروازہ مندی
کے سامنے ان کا مکان تھا] ۔ مشغولی حق میں انتہائی استغراق کی وجہ سے ان کو
خبر نہ رہتی کہ آج کون سا دن ہے یا کون سا مہینہ ہے یا شہر میں غلہ کا کیا
نرخ ہے ۔ ان کے سامنے ہمیشہ اپنے اور غم ، مالدار اور درویش سب یکساں تھے ۔
ایک دن شیخ نور الدین مبارکؒ نے ان سے دریافت کیا کہ اے مخدوم !

۱ ۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخبار ص ۶۶ - ۶۷ ۔

۲ ۔ نسخہ اول (۲ : ۲۲) میں یہ جملہ نہیں ہے ۔

۳ ۔ اخبار الاخبار ص ۶۶ ، فوائد الفواد ص ۲۱۶ ۔

شیخ فرید الدین مسمود کے بھائی تم ہی ہو؟ تو کہا کہ صورت کے اعتبار سے تو میں بھائی ہوں، لیکن معنی (حقیقت) کے اعتبار سے میں بھائی کیسے ہو سکتا ہوں۔ پھر شیخ نور الدین مجد نے ہوجھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل تم ہی کو کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ نجیب الدین متوکل، متوکل کب ہو سکتا ہے۔

توکل علی اللہ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین مجد (بداہونی) سے منقول ہے کہ ان کی مصیبت سے ظاہر ہوا جیسا کہ ان کے ذکر میں لکھا ہے اور یہ بات حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا، مخلوق بطور تبرک ان کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دے رہی تھی۔ قلندروں کی ایک جماعت خراسان سے مہمان آئی ہوئی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ عیدگاہ میں حضرت (متوکل) کی طرف مخلوق خدا بہت متوجہ ہے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ شیخ بزرگ ہیں، ہمیں آج ان کا مہمان ہونا چاہیے۔ حضرت شیخ عیدگاہ سے اپنے مکان تشریف لائے۔ قلندر بھی بعد کو آ گئے اور عرض کیا کہ اے حضرت شیخ! آپ اس شہر میں عالی مرتبہ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آج آپ کے مہمان رہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مرحبا! آئیے، خوش آمدید۔ گھر میں جو کچھ بھی ہو اور مہمان جو کوئی بھی ہو، بہتر ہے۔ ان سب کو جماعت خانے میں بٹھایا اور خود اندر تشریف لے گئے۔

اپنی زوجہ سے کہا کہ آج قلندروں کی ایک جماعت خراسان سے مہمان آئی ہے اگر کھانے کا سامان ہو تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی زوجہ نے عرض کیا کہ صاحب خانہ آپ ہیں۔ گھر کی ناداری آپ پر پہلے ہی روشن ہے۔ دو روز ہوئے کہ بچوں نے کھانے کی خوشبو تک نہیں سونگھی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر چادر یا دوپٹہ رکھتی ہو تو اس کو بازار میں فروخت کر دیں کہ اس سے مہمانوں کے لیے کھانا فراہم کر سکیں۔ وہ نیک بی بی ایک دوپٹہ رکھتی تھیں، اس میں بہت سے پھوند لگے ہوئے تھے، وہ اس لائق بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو دو درم میں خرید لیتا۔ شیخ نے جب اس کو ایسا دیکھا تو پانی کا لوٹا اور ایک بڑا پیالہ اٹھا لیا۔ قلندروں کی جماعت میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا اے درویشو! مجھے معاف کرنا کہ یہی ماحضر ہے۔ وہ درویش اہل دل تھے، انہوں نے اس پانی

کو بڑی تعظیم سے لیا اور پی لیا۔ حضرت شیخ کے ہاتھ ہانوؤں کو بطور تبرک ہوسہ دیا [۹۸] اور باہر چلے گئے۔

حضرت شیخ حجرے کے اوپر جا کر مشغول عبادت ہو گئے۔ اپنے دل میں کہہ رہے تھے کہ اس طرح عید کا دن گزر رہا ہے کہ میرے بچوں کے حلق میں کھانا بھی پہنچتا۔ مسافر آئیں اور ایسے نامراد واپس چلے جائیں۔ شیخ اسی خیال میں تھے کہ ایک شخص یہ شعر پڑھتا ہوا نیچے سے اوپر آیا

شعر

با دل گفتم دلا خضر را بینم دل گفت اگر بمن بنائی بینم
شیخ سمجھئے کہ خواجہ خضر ہیں، آٹھے اور تعظیم کی۔ خواجہ بیٹھ گئے اور شیخ سے گفتگو شروع کی، کیا ہے جو دل سے لڑ رہے ہو کہ اس طرح عید کا دن گزر رہا ہے کہ میرے بچوں کو کھانا بھی نہیں ملتا۔ جاؤ میرے لیے کھانا لاؤ۔ شیخ مسکرائے اور کہا خواجہ جانتے ہیں کہ دل سے میری یہی جنگ تھی کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ خواجہ نے کہا آٹھو، نفس کا خیال رکھو۔ شیخ آٹھے، نیچے آئے، دیکھتے ہیں کہ کھانے کا ایک خوان گھر کے صحن میں رکھا ہے، اس کو آنھایا اور بیوی کے پاس گئے۔ دربات کیا کہ یہ کھانا کون لایا۔ انھوں نے کہا کہ ایک شخص آیا، میں نے پردہ کر لیا اور وہ کھانا رکھ کر چلا گیا۔ شیخ نے اس (کھانے) میں سے کسی قدر لیا اور بالا خانے پر آئے۔ دیکھتے ہیں کہ خواجہ خضر نہیں ہیں۔ کہا، ہاں یہ سعادت جو میں نے پائی، وہ بے نوائی کی برکت سے پائی۔

مومن کامل

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ابتدائی زمانے میں جب حضرت نجیب الدین متوکل شہر دہلی میں پہنچے تو ان کے مکان کے نزدیک ایک ترک ایتھر ٹامی رہتا تھا۔ اس نے ایک مسجد بنوائی اور مسجد کے پہلو میں اپنے مکان کی عمارت بنوائی۔ اس مسجد کی امامت شیخ نجیب الدین کو دی اور وہ مکان بھی ان کو دے دیا۔ حضرت وہاں رہنے لگے اور کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ اس ترک کے ایک لڑکی تھی۔ اس کی شادی میں ایک لاکھ اور کئی ہزار تنکے خرچ ہوئے۔ حضرت شیخ نجیب نے ہم سائگی کی وجہ سے اس سے کہا کہ مومن کامل وہ ہے کہ اس کی دوستی خدا سے ایسی ہو کہ جو اس کی اولاد اور فرزندان کی محبت پر غلبہ رکھی

ہو۔ اب تم نے ایک لاکھ کئی ہزار تنکے لڑکی کی شادی میں خرچ کیے ، اگر اس سے دوچند خدا کی راہ میں خرچ کرو تو مومن کامل ہو۔ ترک مذکور اس بات سے رنجیدہ ہوا ، حضرت شیخ کو مسجد اور مکان سے باہر نکال دیا اور جو وظیفہ مقرر کیا تھا، وہ بند کر دیا ۔

حضرت شیخ (متوکل) جب دہلی سے اجودھن پہنچے تو صورت حال حضرت فرید الدین گنج شکر سے عرض کی ۔ حضرت شیخ نے فرمایا نجیب الدین خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ما بنسخ من آیتہ او نسخہا ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے ہیں اور نہ اس کو (لوگوں نے ذہنوں سے) بھلائے ہیں مگر اس سے بہتر یا اس جیسی ہی دوسری آیت لے آتے ہیں ۔

اس وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وہ ایتمر نہیں ہوگا تو خدا تعالیٰ کوئی ایتمر پیدا کر دے گا کہ وہ تمہاری مناسب خدمت کرے گا ۔

جب حضرت شیخ نجیب الدین [۹۹] اجودھن سے دہلی پہنچے تو وہ ترک ایتمر نامی مرچکا تھا اور وہاں دوسرا ترک ایتمر پیدا ہوا، اس نے شیخ نجیب الدین کے قریب مکان بنایا ۔ حضرت شیخ کا مرید ہوا اور حضرت کی خدمت انجام دینے لگا۔

متوکل کی باہرکت صحبت

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ ایک ترک تھا ، اس کو نکلتش کہتے تھے ۔ وہ نیک اعتقاد اور صالح آدمی تھا ۔ اس نے ایک رات خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ۔ وہ صبح کو شیخ نجیب الدین کے پاس آیا اور اپنا خواب بیان کیا لیکن حضرت (نجیب الدین متوکل) کو قسم دی کہ جب تک میں زندہ رہوں ، یہ خواب کسی سے بیان نہ کرنا ۔ حضرت شیخ نے قبول کیا ۔ اس کے بعد نکلتش نے کہا کہ میں نے آج رات خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے اور ان اسرار و احوال کو بیان کیا ۔ خواب دیکھنے کے بعد نکلتش چالیس سال زندہ رہا ۔ حضرت شیخ نے اس کو کسی سے ظاہر نہیں کیا ۔ نکلتش کے انتقال کے وقت شیخ اس کے سرہانے

پہنچے۔ تکلیف نے حضرت کی جانب رخ کیا اور کہا اے شیخ! میں نے جو خواب آپ سے عرض کیا تھا وہ یاد ہے۔ فرمایا ہاں! اب تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے کہا آپ کی صحبت کی برکت سے اسی حالت میں مستغرق جا رہا ہوں۔ یہ کہا اور انتقال کر گیا۔ وہ تکلیف ان کے معتقدین اور مریدین میں سے تھا۔

فہر و استفادہ

حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں فائدہ تھا۔ گدڑی ہوش قلندروں کا ایک گروہ حضرت کے پاس پہنچا اور مہمان ہونے کی امید کی۔ حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ اگر مہمان کے لیے کوئی چیز نہ ہوتی تو پانی کا پیالہ اٹھاتے اور مہمان کو ایک پیالہ پانی پلا دیتے اور عذر کر لیتے۔ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے پانی پیا اور آپس میں کہا کہ یہ صاحب نہایت قابل قدر ہیں، اگر ان کے پاس کوئی چیز ہوتی تو کھلانے میں کوتاہی نہ کرتے۔ ہمارے پاس البتہ کچھ ہے، بہتر ہے کہ ان کے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے اپنی ہمیانیوں کو لھولا اور جو رقم ان کے پاس تھی، حضرت شیخ کو لڑکی دے گئے کہتے ہیں کہ ہانسو سفید تنکے تھے جو بطور شکرانہ شیخ کے سامنے پیش کیے۔ دعا کی درخواست کی اور پھر کہا۔ حضرت شیخ نے (وہ تنکے) اسی وقت صرف کر دیے۔ ایک شخص نے جو حاضر تھا، کہا کہ آپ کے یہاں بہت تنکی ہے، کچھ دنوں کے لیے (ان تنکوں کو) کیوں نہیں رکھتے۔ جواب دیا کہ جب آتا ہے تو دینے دو کہ کم نہ آئے اور جب جانا ہے تو خیال رکھو کہ نہ آئے۔

ادب لبوی صلی اللہ علیہ وسلم

منقول ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد تھا۔ جب کبھی ان پر غصہ آتا تو غصے کی حالت میں ان سے فرماتے کہ اے خواجہ احمد و محمد! تم نے ایسا کیوں کیا۔ اگر انتہائی غصے میں ہوتے تب بھی باادب نام لیتے کیونکہ محمد و احمد، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں۔ یہ نام بے ادبی سے نہیں لینے چاہئیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۳۳۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۲۸۵۔

وجہ الدین بدایونی

منقول ہے کہ شہر بداؤں میں ایک درویش تھے ، ان کو وجیہ الدین صاحب دہلی کہتے تھے ۔ حضرت شیخ [۱۰۰] نجیب الدین متوکل ان سے ملاقات کے لیے قصداً دہلی سے بدایوں گئے ۔ جب ان کے جماعت خانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ ایک چٹائی پر بیٹھے ہیں ۔ شیخ چٹائی کے نزدیک گئے ۔ اپنے جوتے اتارے (دور سے اس لیے نہیں اتارے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دور اتارنے سے کوئی چیز بیروں میں لگ جائے اور چٹائی خراب ہو جائے ۔ وہ شیخ اس بات (جوتیاں نزدیک اتارنے) سے رنجیدہ ہوئے اور ان کی تعظیم نہ کی اور خسروعلی بیٹھے رہے ، مگر ان کے سامنے مصلیٰ پر ایک کتاب رکھی تھی ، جب نجیب الدین متوکل نے دیکھا کہ وہ بالکل بات نہیں کرتے تو کہا کہ مخدوم ! یہ کیا کتاب ہے ۔ فوراً اس کو کھولا ، پہلی سطر میں تحریر تھا کہ آخر زمانے میں درویش متکبر ہو جائیں گے اور کوئی نیک آدمی ان کے فرش کے نزدیک جوتے اتارے گا تو غرور کی آگ سے جل جائیں گے ۔ اور وہ اس کو ایذا پہنچانے کا ارادہ کریں گے ۔ حضرت شیخ نے وہ کتاب ان (وجیہ الدین) کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ اے مخدوم ! آپ بھی دیکھیے کہ اس کتاب میں کیا تحریر ہے ۔ پھر سلام کیا ، اٹھے اور چلے آئے ۔

بی بی فاطمہ سام

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ قصہ اندہت میں جو غیاث پور کے نزدیک ہے ، ایک بہت بزرگ عورت تھی اور وہ کشف و کراست میں رابعہ زمانہ تھی ، اس کو بی بی فاطمہ سام کہتے تھے ۔ چنانچہ حضرت فرید الدین گنج شکر اس کی تعریف کرتے اور بار بار فرماتے کہ اس عورت کی مشغولی (عبادت) دس سردان کامل کے برابر ہے^۲ ۔ وہ حضرت شیخ نجیب الدین کو بھائی کہتی تھی ۔

۱ ۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۴۹-۱۵۰ ، تذکرۃ الواصلین ص ۱۰۹ ۔ وحید احمد مسعود لکھتے ہیں کہ وجیہ الدین ابن مسعود فاروقی حضرت جلال تبریزی کے ہم عصر تھے ۔ ان کا وصال ۸۶۳ میں ہوا ۔ بدایوں (محله بیدوں ٹولہ) مسجد فاروقیاں میں ان کا مزار ہے ۔ ممکن ہے یہ ان ہی کا واقعہ ہو (سوانح بابا فرید ص ۲۵۴) ۔

۲ ۔ فوائد القواد ص ۳۵ ۔

شیخ نجیب الدین فرماتے ہیں کہ میں بھی اکثر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس سے بہت سے فوائد حاصل کیا کرتا۔

جب شیخ نجیب الدین کے یہاں فاقہ ہوتا تو بی بی فاطمہ کو بذریعہ کشف معلوم ہو جاتا۔ وہ ایک من کچھہ شیخ کے یہاں بھیج دیتی اور کہتی کہ میرے بھائی نجیب الدین کے یہاں دو تین روز سے فاقہ ہے۔ یہ روٹیاں وہاں لے جاؤ۔ میرا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ یہ حلال ذریعہ کی روزی ہے اور حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے فقر کا حال جیسا کہ اس خاتون پر روشن ہے اگر خلیفہ وقت کو معلوم ہو جاتا تو وہ بھی کچھ روٹی بہ نظر برکت بھیجتا۔ یہ بات خوش طبعی کے طور پر فرماتے تھے۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود سے منقول ہے کہ بی بی فاطمہ جو حضرت کو بھائی کہا کرتی تھی عجیب بابرک اور ریاض کرنے والی خاتون تھی۔ وہ ہمیشہ روزے رکھتی۔ اس زمانے کے درویش اس کے بہت معتقد تھے۔ اس کے پاس ایک کنیز تھی کہ جو مزدوری کر کے جوئی دو روٹیاں اور ہانی کا ایک پیالہ اس کے لیے لاتی اور اس کے سامنے رکھ دیتی اور چلی جاتی اور مزدوری میں مشغول ہو جاتی۔ بی بی فاطمہ ان دونوں روٹیوں میں سے تھوڑے سے افطار کر لیتی اور باقی جو چاہتا اس کو دے دیتی، جس کی تقدیر میں وہ سعادت ہوتی (وہ لیتا)۔ جب اس کی عمر نا آخری وقت آیا تو ایک پوری رات عبادت میں گزاری جب وہ (عبادت) سے فارغ ہوئی تو کنیز روٹی اور ہانی سامنے لائی [۱۰۱] اور خواہش کی کہ بی بی اس میں سے کچھ لے کر افطار کر لیں۔ اس کے دل میں یہ ہلت پیدا ہوئی کہ اے فاطمہ! اگر اس آخری شب بھی تجھ میں کچھ توانائی ہوئی تو جائے افسوس ہے کہ تو نے اپنے نفس کا لطف اٹھایا۔ اس نے وہ روٹی اور ہانی فقیروں کو دے دیا اور خود عبادت میں مشغول ہو گئی۔ دوسری رات کو جب افطار کا وقت ہوا تو پھر یہی معاملہ کیا۔ چنانچہ چالیس دن اور رات تک افطار نہ کیا اور اسی طرح عبادت میں دن گزار کر شب کر دیتی اور شب گزار کر دن کر دیتی اور مشغول عبادت رہتی۔ چالیس روز کے بعد اس نے ایک نورانی مرد کو گھر کے صحن میں کھڑا دیکھا۔ اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عزرائیل

ہوں ، مجھے تیری روح قبض کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ بی بی فاطمہ نے کہا کہ اتنی مہلت دو کہ تجدید وضو کر لوں اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر لوں اور دو رکعت اس کے علاوہ پڑھ لوں۔ ملک الموت نے کہا اتنی مہلت ہے ، اپنا کام کر۔ بی بی فاطمہ نے ایسا ہی کیا ، اس کے بعد سجدے میں سر رکھا اور رحمت حق سے جا ملی۔ اسی رات کو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل اس کے انتقال کے وقت پہنچ گئے ، نماز جنازہ پڑھی اور قصبہ اندھت میں حوض کے قریب سپرد خاک کیا۔ اسی رات حضرت بی بی (فاطمہ سام) کو خواب میں دیکھا کہ گویا عرش پر نماز پڑھ رہی ہیں۔ ان سے دریافت کیا کہ بی بی تمہاری جگہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ عالم جبروت میں بی بی فاطمہ زہراؑ کی صحبت میں ہوں۔

بابا فرید الدین گنج شکر سے ملاقات اور وصال

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میں تین مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں شہر دہلی سے قصبہ اجودھن گیا ہوں اور ان کی وفات کے بعد سات مرتبہ گیا۔ شیخ جلال الدین ہاسوی بھی سات مرتبہ ان کی خدمت میں گئے اور حضرت نجیب الدین متوکل جب پہلی مرتبہ شہر دہلی سے ان کی خدمت میں پہنچے تو رخصت ہونے کے وقت فاتحہ کی درخواست کی کہ جس طرح حضور کی دستبوسی سے فیضیاب ہوا ہوں چاہتا ہوں کہ فاتحہ کی برکت سے دوبارہ بھی اسی طرح دست بوسی کی سعادت سے فیضیاب ہوں۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بارہا آؤ گے۔ چنانچہ اٹھارہ مرتبہ پہنچے۔ انیسویں مرتبہ پھر فاتحہ کی درخواست کی کہ شاید اس مرتبہ فاتحہ پڑھیں کہ ایک مرتبہ اور ملاقات سے مشرف ہو جاؤں۔ تو پورے بیس ہو جائیں۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر خاموش ہو گئے ، حضرت نجیب الدین سمجھے کہ شاید میری بات حضرت (گنج شکر) نے سنی نہیں۔ دوبارہ پھر وہی بات کہی۔ حضرت شیخ نے نہ کوئی جواب دیا اور نہ فاتحہ پڑھی،

اسی طرح رخصت کر دیا۔ پھر ان کی زندگی میں ملاقات نہیں ہوئی۔ جب دہلی آئے تو نویں ماہ رمضان کو انتقال فرمایا^۲ [۱۰۲] -

۱۔ فوائد الفواد ص ۷۱۔

۲۔ ولیات الاخیار (ص ۱۰۲) اور کشف الحقیقت (ص ۱۵) میں تاریخ انتقال ۱۹ رمضان ۵۶۷۱ اور نزہۃ الخواطر (جلد اول ص ۲۳۵، بحوالہ سیر الاولیاء) میں ۹ رمضان ۵۶۶۹ ہے۔ قبر پر جو کتبہ لگا ہے اس میں ۵۶۷۱ تحریر ہے (یہ جدید زمانے کا کتبہ ہے) ملاحظہ ہو مزارات اولیائے دہلی ص ۶۱ و لسٹ آف محملن اینڈ ہندو سونیومینٹس جلد سوم ص ۱۹۶-۱۹۷۔ وحید احمد مسعود نے انتقال ۵۶۶۷ میں لکھا ہے (سوانح بابا فرید ص ۲۵۱)۔

شیخ الاسلام حضرت بہاء الملت والدین زکریا ملتانیؒ

آن محرم راز لا مکفی	موصوف صفات جاودانی
افلاک بزیر پائے کردہ	در عالم عشق جائے کردہ
جا روفتہ از فنائے توحید	با کوفتہ در بقائے نفیر
باطن بیوت و حقیقت	ظاہر بشریعت و طریقت
آن پاک گزیدہ مشائخ	آن مردم دیدہ مشائخ
سلطان سریر ملک تمکین	یعنی کہ بہائے ملت و دین
او مالک ملک لایزالی ست	در سلک محبتش جہالی ست

وہ درج شریعت و طریقت کے گوہر ، معرفت و حقیقت کے برج کے ستارے ، مسائل تصدیق کے رہبر ، معارف تحقیق کے دروازوں کے کھولنے والے ، سالکان صاحب حال کے مرشد اور رہروان اہل کمال کے رہبر ، زبدۃ الاتقیاء ، خلاصۃ اولیاء بہاء الدین زکریا غوث العالم اولیائے کبار میں سے تھے ۔ وہ دوریشی کے صریقے میں صاحب اعتبار ، علوم ظاہری میں مجتہد دوراں ، اسرار باطنی میں تخت معرفت کے بادشاہ ، اپنے زمانے میں یگانہ ، غوث عالم اور بے نظیر زمانہ تھے ۔ کثیف و کرامات میں بے مثل اور عبادت و ریاضت میں مستقیم الاحوال تھے ۔

خاندان

ان کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے تھے ، وہاں سے قمر الاسلام شہر ملتان پہنچے اور اس شہر میں ایک زمانے تک سکونت پذیر رہے۔ وہ حریم شریفین کے حاجی تھے ، پرہیز گری میں اعلیٰ درجہ رکھتے

۱۔ مؤلف ”تذکرہ بہاء الدین زکریا“ (ص ۵۷) نے ”کمال الدین ابوبکر“ نام لکھا ہے۔

تھے۔ ان کے ایک لڑکے وجیہ الدین نامی تھے جو نیک نفس اور فرشتہ خصلت
جوان تھے۔

تعلیم و تربیت

مولانا حسام الدین ترمذی ملائندہ ناٹار (منگول) کے خروج کرنے کی وجہ سے
اس ملک (ہند و پاکستان) میں چلے آئے اور کوٹ کروڑ میں قیام پذیر ہوئے جیسے
سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کرنے سے قبل تسخیر کیا تھا۔ ان کی ایک
عقیقہ و طاہرہ صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے شیخ وجیہ الدین سے ان کا عقد کر دیا۔
اور حضرت شیخ بہاء الدین اسی قلعہ (کوٹ کروڑ) میں پیدا ہوئے۔ جب وہ
بارہ سال کے تھے تو ان کے پدر بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ (بہاء الدین)
نے سات قرأتوں کے ساتھ قرآن حفظ کیا اور اپنے والد کی وفات کے بعد وہ وہاں
سے خراسان چلے گئے، تقدس باطنی نے ساتھ سات برس تک درس ظاہری میں
مشغول رہے، وہاں سے بخارا پہنچے اور علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے،
یہاں تک کہ درجہ اجتہاد حاصل کیا۔ ان کی پارسائی، صلاحیت اور زہد کی وجہ
سے اہل بخارا ان کو بہاء الدین فرشتہ کہتے تھے۔ خراسان اور بخارا میں ان کی
بہت شہرت تھی۔

وہ وہاں سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں (مکہ) آ کر حصول علم میں
مشغول ہو گئے۔ حج اور حضرت سرور کائنات و فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی

- ۱۔ ان کا نام "وجیہ الدین محمد غوث" لکھا ہے (تذکرہ بہاء الدین ص ۵۷)۔
- ۲۔ مؤلف تذکرہ بہاء الدین نے لکھ دیا ہے کہ شیخ وجیہ الدین کی شادی
شیخ عیسیٰ قادری کی دختر سے ہوئی تھی (ص ۸۱) مولوی وحید احمد مسعود
نے اس روایت کو مشکوک قرار دیا ہے (سوانح بابا فرید ص ۶۸) تاریخ جلیلیہ
کے فاضل مؤلف مولوی غلام دستگیر نامی (ف ۷ رجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)
نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نسب کے اختلاف کے سلسلے میں
صحت مند بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ جلیلیہ ص ۸۸ - ۹۰)۔
- ۳۔ مؤلف تذکرہ بہاء الدین (ص ۸۸) نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا کی پیدائش
۲۷ رمضان ۵۶۶ھ کو ہوئی۔
- ۴۔ تذکرہ بہاء الدین (ص ۸۹) میں ایک استاد کا نام نصیر الدین بلخی لکھا ہے۔

زیارت سے مشرف ہونے اور پانچ سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے مجاور رہے اور شمع کمال الدین محمد یعنی سے جو بڑے محدثین میں سے تھے [۱۰۳]، علم حدیث حاصل کیا۔ مولانا یحییٰ ترمذی تین سال تک حرم محترم کے مجاور رہے، وہ بھی ہر سال بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے اور پھر حرم محترم (مدینہ منورہ) آجائے۔ جب حضرت بہاء الدین زکریا نے تمام علم حدیث مولانا (یعنی) سے پڑھ لیا اور اس میں کمال حاصل کر لیا تو مولانا نے حضرت کو اجازت نامہ لکھ کر دے دیا اور حدیث کے درس دینے کی بھی اجازت دے دی جیسی کہ محققین محدثین کی رسم ہے۔

مدینہ منورہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت شیخ ایک سال سے کم یا زیادہ مدینہ منورہ میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم میں ایک خاص جگہ رہے کہ قبہ روضہ مبارک کے دائیں جانب ہے اور یہ احقر (جالی) جس زمانے میں حرم محترم میں مجاور تھا، اس جگہ مشغول عبادت رہا ہے اور فیض حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت بیت المقدس کی جانب آئے اور ان انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے جو وہاں آرام فرما ہیں۔

بغداد

شاہ تاج الدین حسن کے والد شیخ نظام الدین محمود سے کہ جو شیراز کے شیخ الاسلام ہیں، اور اس درویش (شیخ جالی) سے شیراز میں کچھ عرصے ملاقات رہی۔ انہوں نے بے انتہا محبت و خلوص اور اتحاد و اعتقاد کا اظہار کیا۔ انہوں نے حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الدین زکریا کی بزرگی اور سیرت ایک جگہ لکھی ہے اور شیخ فخر الدین عراقی اور صدر الدین محمد معروف الحسنی کا مرید ہونا بھی تحریر کیا ہے۔ چنانچہ اس حقیر (جالی) کو ان بزرگواروں کے بعض حالات وہاں سے تحقیق ہوئے ہیں۔

یہ نظام الدین محمود بغیر کسی واسطے کے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے مرید تھے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام (زکریا) کرامات عالی اور مقامات بلند حاصل کرنے کے بعد بغداد آئے، انہوں نے ان درویشوں کی زیارات سے برکات حاصل کیں جو وہاں آرام فرما ہیں اور حضرت سلطان المشائخ کی صحبت و ارادت کی برکت سے صرف سترہ روز میں یہ دولت جاودانی اور سعادت دو جہانی حاصل کر لی۔

جس زمانے میں یہ ضعیف (جالی) بغداد کے مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوا
اولیائے کبار کی زیارت کے بعد زیادہ تر حضرت شیخ الشیوخ غوث اعظم شمع
محی الدین عبد القادر جیلانی کے مقبرے اور حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین
سہروردی) کے روضے کی زیارت کے لیے جایا کرتا اور سعادت ابدی و دولت
سرمندی حاصل کرتا۔ اکثر راتیں حضرت امام اعظم (ابوحنیفہؒ) کے روضہ
مبارک میں گزارتا۔

شمع جالی کی شہاب الدین احمد سے ملاقات

ایک رات شیخ شہاب الدین احمد جو حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین
سہروردی) کے سجادہ نشین ہیں، امام اعظم کی زیارت کے لیے آئے اور انہوں نے
مجھے ایک گوشے میں مشغول عبادت پایا۔ (عبادت سے) فراغت کے بعد اس حقیر
(جالی) کو ان کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے نہایت گرم جوشی سے
دریافت کیا کہ تم رات کو یہیں رہتے ہو [۱۰۴] میں نے دہا کہ اکثر میں یہیں
رہتا ہوں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا روضہ پرانے بغداد میں دجلہ کے
نزدیک ہے اور حضرت غوث اعظم شیخ الشیوخ شیخ محی الدین جیلانیؒ کا مقبرہ
نئے بغداد میں ہے۔ دونوں کے درمیان کم و بیش دو کوس کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت
شمع مذکور نے اس حقیر (جالی) سے فرمایا کہ تم کس سلسلے سے تعلق رکھتے
ہو اور کس خاندان سے ہو۔ میں نے عرض لیا کہ یہ بندہ شمع الشیوخ (شہاب الدین
سہروردی) کے سلسلے سے منسلک ہے۔ فرمایا کہ تمہارا شجرہ ان کے کون سے خلیفہ
سے ملتا ہے۔ میں نے اس ترتیب کو جو واقع ہے حضرت شمع الاسلام غوث بہاء الملت
والدین تک پہنچایا۔ حضرت شمع مجھ سے نہایت فرحت کے ساتھ بغل گیر ہوئے،
نہایت کوشش سے اپنے ہمراہ حضرت شمع الشیوخ العالم (شہاب الدین سہروردی)
کی خانقاہ میں لائے اور اس جگہ تشریف فرما ہوئے کہ جہاں حضرت شمع بہاء الدین
زکریا رہے تھے اور فرمایا کہ تم کو بھی اجازت ہے کہ یہاں رہو۔ چنانچہ
تقریباً دو مہینے تک یہ حقیر (جالی) وہاں رہا اور سعادتیں حاصل کیں۔
حضرت شمع شہاب الدین احمد نے عوارف کا وہ نسخہ جو حضرت شمع الشیوخ العالم
(شہاب الدین سہروردی) نے پڑھا تھا۔ مجھ کو عنایت کیا۔ اس زمانے میں وہ
میرے کتب خانے میں ہے۔

خرقہ ہوشی

القسم حضرت سلطان المحققین برہان المدقین پیر دستگیر سہاء الحق والدین کی زبان گہر بار سے میں نے سنا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ العالم (شہاب الدین سہروردی) کی صحبت میں تھے تو خرقہ کے انتظار میں تھے کہ دیکھیں کب ملتا ہے۔ ایک رات حضرت شیخ الاسلام ان کی خاتقاہ میں مشغول عبادت تھے کہ اہل معرفت کی طرح جس طرح وہ معائنہ فرمایا کرتے ہیں دیکھا کہ ایک مکان پر نور ہے اور اس میں حضرت خلاصہ موجودات و سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور حضرت شیخ الشیوخ العالم، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دربانوں کی طرح کھڑے ہیں اور اسی مکان میں جہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں، ایک ڈوری بندھی ہوئی ہے اور چند خرقے اس ڈوری میں لٹک رہے ہیں۔ اسی دوران میں شیخ الاسلام غوث بہاء الدین کو طلب فرمایا، حضرت شیخ الشیوخ عالم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم ہوسی سے مسرف کیا۔ چنانچہ حضرت نے ان خرقوں میں سے جو ڈوری میں لٹک رہے تھے، ایک خرقے کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا کہ عمرہ! یہ خرقہ شیخ بہاء الدین غوث عالم کو پہناؤ۔ انہوں نے یہی کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر ڈال دیا۔ جب حضرت شیخ الاسلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان کو اسید پیدا ہوئی کہ ان کا خرقہ ان کو ضرور ملے گا۔

علی الصبح چاشت کے بعد حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) نے حضرت شیخ الاسلام غوث عالم (بہاء الدین زکریا) کو [۱۰۵] اندر بلایا۔ جب شیخ وہاں پہنچے، وہی گہر دیکھا جو دیکھ چکے تھے اور خرقے اسی طرح ڈوری میں لٹک رہے تھے۔ حضرت شیخ الشیوخ آٹھے اور وہی خرقہ جس کی جانب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا ڈوری سے اتارا اور حضرت شیخ الاسلام کو پہنایا اور فرمایا کہ بابا بہاء الدین! حضور پر نور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقوں کے درمیان، میں ایک واسطے سے زیادہ نہیں ہوں۔ کسی کو ان کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا، جیسا کہ گزشتہ رات تم کو خود دکھلا دیا گیا۔

حضرت شیخ نظام الدین نے فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الحق نے بہت تھوڑے عرصے میں نعمت عظیم حاصل کر لی۔ اکثر درویشوں نے جو زمانہ دراز سے ان کی خدمت میں تھے تعجب کیا کہ ہم لوگوں کو اتنا عرصہ ہو چکا کہ ہم حضور کی خدمت میں ہیں مگر یہ بزرگی ہم کو حاصل نہیں ہوئی۔ درویش ہنسی آیا اور اس نے یہ سعادت حاصل کر لی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ کے آئینہ دل میں صفائے باطن سے یہ بات منعکس ہو گئی جو ان درویشوں کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ فوراً فرمایا کہ دوستو! تشویش نہ کرو، تم سب گیلی لکڑیاں رکھتے ہو اور گیلی لکڑیوں میں آگ یکجہاگی نہیں لگتی اور زکریا سوکھی لکڑیاں رکھتے تھا جن میں فوراً آگ لگ گئی۔

ملتان والی

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام غوث (زکریا) کو رخصت کیا اور فرمایا کہ جاؤ ملتان میں سکونت اختیار کرو اور اس ملک کے رہنے والوں کے مقاصد پورے کرو۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) نے اپنے پرے نظیر سے اجازت پائی اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شہر بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں تھے، انہوں نے بھی عرض کیا کہ مجھے ولانا بہاء الدین سے بے انتہا محبت ہے، اگر حکم ہو تو ان کے ہمراہ ہندوستان کا سفر کروں۔ حضرت شیخ نے اجازت دے دی۔ کہتے ہیں کہ خوارزم تک ساتھ رہے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کچھ عرصے تک خراسان کے فوض آثار شہر میں مقیم رہے۔ حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) ملتان آئے اور (یہیں) سکونت اختیار کر لی۔ وہاں ان کے یہاں اولاد پیدا ہوئی۔ حضرت کی عجیب روش تھی۔ بے انتہا عبادت میں مشغول رہتے اور بے حد ایثار بھی فرماتے۔ نذرانے بھی بہت آتے تھے۔ بہت سے مرید صاحبان حال اور اہل کشف و کمال تھے۔

ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدر الدین، عارف الہی مرشد کامل اور علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے مناقب ان کے تذکرے میں لکھے جائیں گے۔

صدف سیادت کے گوہر سید جلال الدین بزرگ بخاری بھی ان کے سرید تھے۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بخارا میں تھے، حضرت سید (بخاری) کے ہدر بزرگوار سید علی، (حضرت بہاء الدین زکریا) کے اوصاف حمیدہ سن کر اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سید جلال ان صاحب کمال کی صحبت کے حصول سے قبل ہی ان پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ [۱۰۶] اسی اعتقاد و اعتقاد کی بنا پر بخارا سے ملتان آئے۔

سید جلال مرغ کا برف کی خواہش کرنا

حضرت سہاء الحق والدین پیر دستگیر سے سنا ہے کہ جس زمانے میں جلال الدین بخاری ۲ ملتان میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت (بہاء الدین زکریا) کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ ہوا گرم تھی، موسم گرما تھا اور شدت کی گرمی تھی۔ ایک دن حضرت شیخ الاسلام غوث عالم اپنے مکان کے اندر تھے، سید جلال بخاری خانقاہ کے برآمدے پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے کہ بخارا کی برف اس گرمی میں کہاں مل سکتی ہے؟ اس وقت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) نے اندر سے ایک خادم کو حکم دیا کہ جماعت خانہ کی صفیں اٹھا لو اور صحن میں جھاڑو لگاؤ۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کرتا تھا کہ صفیں اٹھائی جائیں اور جھاڑو دی جائے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ نیلے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور یکبارگی (بادل) زیادہ ہو گیا اور یہ بادل خانقاہ کے علاوہ دوسری جگہ ظاہر نہ ہوا۔ ناگہ بھلی کڑکی اور چمکی، بادل میں گرج پیدا ہوئی اور مرغ کے اندر سے برابر خانقاہ کے صحن میں اولیے برسے۔ یہاں تک کہ خانقاہ کا صحن ان اولوں سے بھر گیا۔ پھر بادل غائب ہو گیا، اور خانقاہ کے علاوہ ایک والا بھی کسی دوسری جگہ نہ گرا۔ جب سید جلال بخاری نے یہ بات دیکھی تو حیران ہوئے۔ انہوں نے بہت سے اولیے کھائے، اور کاموں میں نیچے، برتن میں رکھ لیے اور ملتان کے لوگ ایک ایک کر کے تبرک کے طور پر لیے گئے۔

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا، صفیں بچھائی گئیں اور حضرت شیخ الاسلام ظہر کی نماز کے لیے اپنی خلوت گاہ سے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے سید جلال کو دیکھا

۱۔ سید جلال بخاری کے حالات کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اور مسکرا کر ہو چھا کہ سید جلال الدین! اب ملتان کے اولیے بہتر ہیں یا بخارا کا بیخ؟ سید نے عرض کیا ملتان کا یہ ایک اولاً بخارا کے برف سے سوگنا بہتر ہے۔ اور اسی دن (سید جلال بخاری کو) خرقہ ملا۔ کچھ دنوں سید مذکور (بخاری) کو اور اپنی صحبت میں رکھا، معرفت کے اسرار سے ان کو بہرہ مند بھی کیا اور حضرت (زکریا ملتانیؒ) نے اوج میں سکونت کا حکم فرمایا۔

شیخ فخر الدین عراقی

ان کے مریدوں میں سے شیخ فخر الدین عراقی ہیں۔ ان کے مرید ہونے کا قصد اس طرح ہے۔ شیخ فخر الدین عراقی شہر یار حضرت شیخ الشیوخ (بہاء الدین زکریا) کے بھائی تھے، کامل دانشمند اور علوم منقول و معقول میں مشہور و ممتاز تھے۔ ان کی سکونت ہمدان میں تھی، وہاں انہوں نے ایک عالی شان مدرسہ بنوایا تھا، اس میں مصفا حوض بھی تھا، وہاں وہ درس دیا کرتے اور طلبہ کو فیض پہنچایا کرتے اور شیخ مذکور ایثار کرنے میں مشہور تھے۔ ناگہ کچھ قلندر ان کے مدرسے میں پہنچے۔ ان کی بہت تعظیم کی اور کچھ دیر وہاں آرام کیا۔ حضرت شیخ فخر الدین نے درویشوں کی دعوت کی۔ ان میں ایک شخص [۱۰۷] حسین و خوبصورت تھا۔ شیخ مشار الیہ کی اس پر نظر پڑی اور پہلی نظر میں اس پر عاشق ہو گئے، صبر ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس لڑکے کے عشق میں جو قلندری لباس میں تھا، ان تمام قلندروں کو جن کے چہرے داڑھی مونچھ سے صاف اور دل مضطرب الحال تھے، پسند روڑ سہان رکھا، بار بار مختلف طریقے سے دعوتیں کیں اور درس و تدریس بالکل موقوف کر دی۔ قلندر بھی اس بات سے باخبر ہو گئے، اس جگہ سے چل دیے، مسافرت اختیار کی اور خراسان کا راستہ لیا۔

جب ہمدان سے ایک دو منزل نکل گئے تو شیخ فخر الدین ایسے بے قرار اور بے چین ہوئے کہ درویشوں کے پیچھے دوڑے اور ان سے جا ملے۔ جب ان نا اہلوں

۱۔ تاریخ فرشتہ ۲: ۷۷۵۔

۲۔ فخر الدین عراقی (ف ۸ ذی قعدہ ۷۶۸ھ) ملاحظہ ہو نفعات الانس ص ۳۹۲۔ ۳۹۵، تذکرہ مرآۃ الغیال ص ۶۶، سیحانہ (عبدالنبی) ص ۳۲-۳۸، بزم صوفیہ

ص ۱۵۳-۱۷۰

(قلندروں) نے اس زیدۃ الاسلام (شیخ فخر الدین عراقی) کو بے قرار پایا تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا اے مخدوم! آپ مرد بزرگ اور خوش باش ہیں اور ہم قلندر اوباش اور ابرو تراش ہیں۔ ہمارا آپ کا ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے اور اس و محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر ہمارا طریقہ اختیار کرو، ہمارا سا لباس پہنو، چار ابرو کا صفایا کراؤ تب ہماری صحبت میں رہ سکتے ہو۔ چونکہ دل ہاتھ سے جا چکا تھا، مجبوراً یہ سب کچھ کیا، چار ابرو کا صفایا کرایا، ان کا سا لباس پہنا۔ روز بروز اس کی محبت بڑھتی گئی اور پابندی زیادہ ہوتی گئی، یہاں تک کہ سیر کرتے ہوئے خراسان سے ملتان کے حدود میں جا پہنچے اور شیخ الاسلام بہاء الحق کی خانقاہ میں پہنچ گئے۔ جب حضرت کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو انہوں نے ان میں سے فخر الدین عراقی کو پہچان لیا اور کچھ ظاہر نہیں کیا۔

دوسرے روز قلندر اور شیخ (عراقی) ملتان سے چل دیے۔ حضرت شیخ نے ان کو بنوایا تاکہ اپنی کشش باطنی سے شیخ مذکور کو امر قیہ سے آزاد کرائیں اور اس بلا سے رہائی دلوائیں۔ جب یہ خبر ہوئی کہ وہ چلے گئے، حضرت شیخ سوچ میں پڑ گئے۔ ناگہان تیز ہوا چلی، بڑا غبار اٹھا، یہاں تک کہ اس نامت آمیز گرد سے دن میں اندھیرا ہو گیا اور اس راستے میں کہ جہاں قلندروں کی جماعت ساتھ ساتھ جا رہی تھی، ان میں سے ہر ایک متفرق ہو گیا اور شیخ فخر الدین پھر ملتان آ گئے اور بلا قصد حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ حضرات کو نور باطنی سے معلوم ہو گیا کہ شیخ فخر الدین خانقاہ کے دروازے پر ہیں۔ ان کو اندر بلایا، (حضرت) اٹھے اور ان سے بغل گیر ہوئے۔ جب شیخ (عراقی) کا سینہ قطب الاقطاب اور مرشد کامل (بہاء الدین زکریا) کے سینے سے ملا تو اس قلندر بچہ کا خیال جو ان کی خرابی کا سبب تھا، بالکل ان کے دل سے جاتا رہا اور اس کی محبت کے بجائے خدائے لایزال کی محبت کامل طور پر ان کے دل میں پیدا ہو گئی۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی عنایت اور لباس خاص سے مشرف کیا اور ایک حجرہ تدویز کر دیا کہ اس میں مشغول عبادت رہو۔ شیخ فخر الدین جب مرید ہو گئے [۱۰۸] اور ان کی صحبت میں رہنے لگے تو ان کے کمالات میں روز افزوں ترقی ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام اپنی نظر کرم سے ان کی تربیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ اپنی

مختار نک اختر کو جو ہارسائی اور تقویٰ میں راہبہٴ عصر تھیں، ان کے نکاح میں دے دیا۔ وہ (شیخ عراق) واصلان حق سے ہوئے۔

فخر الدین عراقی قولیہ میں

کتاب لمعات (اس طرح) تصنیف ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام (جہاۃ الدین زکریا) کی وفات کے بعد جب انہوں نے ملتان سے بیت اللہ کا ارادہ کیا اور وہاں سے روم پہنچے اور شہر قونیہ میں آئے تو وہاں شیخ محی الدین ابن عربی کے خلیفہ شیخ صدر الدین قونویؒ تھے۔ کچھ عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور کتاب لمعات قونیہ میں تصنیف فرمائی اور وہاں سے انہوں (عراق) نے ایک خط شیخ الاسلام صدر الدین عارف کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات و نکات تھے اور اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے صوفی کی صحبت ملی ہے کہ جس کے یہ کلمات ہیں۔ معلوم نہیں کہ حضرت (صدر الدین) نے کیا جواب لکھا۔

جس زمانے میں شیخ فخر الدین عراقی قونیہ میں آئے تو پہلے شیخ نور الدین جندی کی صحبت میں پہنچے۔ وہ بھی شیخ محی الدین ابن عربی کے بڑے مریدوں میں سے تھے، ان کے ذریعے سے شیخ صدر الدین قونوی سے ملے اور ان کی صحبت میں رہ کر کتاب فصوص کا مطالعہ کیا۔ جس طرح کتاب فصوص میں اٹھائیس فص (نکتہ) ہیں اسی طرح انہوں نے بھی لمعات میں اٹھائیس لمعے لکھے اور خاوری نے جو لمعات کا شارح ہے، اپنی شرح میں لکھا ہے کہ شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں لکھی ہے۔ چنانچہ خاوریؒ نے اپنی شرح میں یہ شعر لکھا ہے :

۔۔۔۔۔

چہ در سنبل چہ در آہوئے تاتار نسیمش نافہ مشک آورد ہار
اگرچہ خاوری نے یہ بات لکھی ہے لیکن اہل نظر اور اصحاب بصیرت سے یہ ہوشیہ نہیں ہے کہ لمعات، فیض کے اس بادل کا ایک قطرہ ہے کہ جو

۱۔ شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی ۲۲ ربیع الثانی ۸۶۳ھ (دیکھیے نفحات الانس

ص ۳۵۶ - ۳۶۳) -

۲۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۶۳ - ۳۶۴ -

۳۔ در نسخہٴ اول صدر خاوری (ص ۲۴) -

حضرت شیخ الاسلام کے دریائے معرفت سے اٹھ کر ان کی روح میں ٹپکا اور انھوں نے اچھے قصیدے اور عمدہ مدح اس قطب وقت (بہاء الدین زکریا) کے اوصاف میں لکھی ہے جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی کی وفات کے بعد حضرت شیخ صدر الدین قولوی سے رخصت لیے کر دمشق آئے اور وہاں انتقال فرمایا۔ ان کی قبر حضرت بھی الدین ابن عربی کے پہلو میں واقع ہے۔ چنانچہ یہ فقیر (جالی) صالحہ میں جو دمشق کا ایک مشہور محلہ ہے ان دونوں بزرگواروں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ اس شہر کے بزرگ ان الفاظ سے ان دونوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ (ابن عربی) بحر العرب ہیں اور وہ (عراق) بحرالعمجم ہیں۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کی قبر بھی اسی جگہ ہے۔

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شیخ فخر الدین، شیخ الاسلام بہاء الدین کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کی دختر ان کے نکاح میں تھی، جب ان (بیوی) کا انتقال ہو گیا [۱۰۹] تو کچھ دنوں کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے سوچا کہ اپنی دوسری لڑکی سے جو اپنی بہن سے چھوٹی تھی ان کا نکاح کر دیں اور شیخ صدر الدین عارف سے فرمایا کہ بابا صدر الدین اس کام میں (تمہاری) کیا رائے ہے؟ شیخ صدر الدین نے عرض کیا کہ میں نے ایک دن شیخ فخر الدین کو خانقاہ کے فرش پر کھڑے ہوئے دیکھا کہ کرتے کو اٹھا کر ہوا کر رہے تھے اور ہوا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جس شخص کو اس قدر حظ نفس ہو، آپ کی لڑکی اس (شخص) کے نکاح میں آئے تو افسوس کی بات ہے۔

صدر الدین احمد نجم الدین سید حسینی صاحب نزمۃ الأزواج

مادق الاقوال کثیر الاعمال اور کامل الاحوال کا ذکر ملاحظہ ہو۔ برج سعادت کے ستارے سید صدر الدین احمد نجم الدین ہرات کے رہنے والے تھے، ان کا عرف سید حسینی ہے، ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، کچھ نظم میں اور کچھ نثر میں۔ اور وہ تصنیفات اہل دل کو مرغوب، مقبول اور محبوب ہیں۔ نثر میں نزمۃ الارواح و طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور سرنامہ ہیں۔ دیوان کنز الرموز بھی ملتان میں

۱۔ در نسخہ اول "سید حسینی" (ص ۲۵)۔

۲۔ نسخہ اول (ص ۲۵) میں سرنامہ کا ذکر نہیں ہے۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی صحبت میں تصنیف کیا۔ حضرت سلطان بہاء الدین نے اس کا مطالعہ فرمایا اور بہت تعریف کی۔ وہ سوالات جن کے جواب میں شیخ محمود تسری نے گلشن راز کتاب لکھی ہے وہ بھی سید حسینی کے ہیں۔

وہ بہت عالی مرتبہ تھے، ان کے زمانے میں خراسان کے اطراف میں علم معرفت اور شریعت میں کوئی ان کے مثل نہ تھا۔ وہ بہت ریاضت اور عبادت کرتے تھے۔ پہلی مرتبہ اپنے پدر بزرگوار سید نعم الدین کے ہمراہ بسلسلہ تجارت ملتان آئے چونکہ ان کے والد تجارت کرتے تھے اور اس سے ان کی گزر اوقات ہوتی تھی اس مرتبہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں آئے لیکن مرید نہیں ہوئے۔ علمی مدارج میں با کمال تھے اور ملتے کی دل میں خواہش تھی۔ والد کے انتقال کے بعد اچانک ترک دنیا کر دی، جو کچھ بھی تھا فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور ملتان آکر حضرت کے مرید ہو گئے۔ انہوں نے تین سال تک حضرت کی خدمت میں رہ کر ریاضات شاہد کیں اور حضرت کی صحبت کی برکت سے صاحب کرامت ہوئے۔

ایسا سنا گیا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے محضر کے قہقے میں دہلی پہنچے تو سید حسینی ان کے ہمراہ تھے اور وہ قضیہ حضرت جلال تبریزی کے ذکر میں لکھا گیا ہے۔ ان (سید حسینی) کا مرقد منور شہر ہری (ہرات) میں ہے۔ اس شہر کے لوگ پیر کے دن ان کی زیارت کو آتے ہیں اور مشرف ہوتے ہیں۔ اس شہر کا حاصل ان کا راحت بخش مزار ہے کہ جو روح کو سکون بخشتا ہے [۱۱۰]۔ جس زمانے میں یہ ضعیف (جہاں) دارالاسلام شہر ہری (ہرات) میں تھا، مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی اور مولانا عبدالغفور لاری کے ہمراہ سید مذکور کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے ظہر اور عصر کی نماز وہاں پڑھی اور بہت کچھ فیوض اور راحت حاصل کی۔ حضرت سید حسینی اپنا شہر دہلی میں آنا طرب المجامع میں لکھتے ہیں۔

۱۔ حضرت حسینی کے حالات کے لیے دیکھئے نفعات الانس ص ۳۹۵ و بزم صوفیہ ص ۱۷۱-۱۷۹۔ صباح الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ نفعات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینی نے ۱۶ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی۔ تذکرہ دولت شاہ میں ←

شیخ حسن افغان

حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) کے مریدوں میں شیخ حسن افغان ہیں۔ حضرت شیخ (زکریا ملتانی) بار بار زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کی جانب سے یہ آواز آئی کہ زکریا! تو کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔

یہ حکایت اور دوسرے مناقب حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء سے کتاب فوائد الفواد میں منقول ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہ (حسن افغان) ایک عام آدمی تھے، بے پڑھے بلکہ حروف آشنا بھی نہ تھے لیکن اوج محفوظ نے ان کے دل میں عکس ڈالا تھا۔ کچھ لوگوں نے تین سطریں ایک کاغذ پر لکھیں، ایک سطر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تھی، اور دوسری سطر مشائخ کے اقوال کی تھی اور تیسری سطر قرآن مجید کی تھی۔ (یہ تحریر) ان کے پاس لیے گئے اور پوچھا کہ ان سطروں میں حدیث رسول کونسی ہے، قرآن کونسا ہے اور اقوال مشائخ کونسے ہیں۔ انہوں نے پہلی نگاہ میں اپنی انگلی قرآن کی سطر پر رکھ دی اور کہا یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے کہ اس کا نور عرش مجید تک ہے جس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے حدیث کی سطر کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اس کا نور ساتویں آسمان تک دیکھ رہا ہوں۔ پھر قول مشائخ پر ہاتھ رکھا کہ یہ سطر مشائخ کے قول کی ہے کہ اس کا نور فلک قمری تک دیکھ رہا ہوں۔ وہ (حسن افغان) کوہستان کے رہنے والے تھے کہ اس پہاڑ پر افغان رہتے ہیں اور اس پہاڑ کو کوہ سلیمان کہتے ہیں۔

ہذا و کعبہ

حضرت نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ جس زمانے میں وہ (حسن افغان)

سال وفات ۵۷۱۹ھ ہے لیکن اودھ کے کتب خانے کے کیٹالوگر اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسالوین میں حسب ذیل شعر درج ہے:

در ہفت صد و ہست و نہ ز مہجرت گشت آخر ایی کتبخ خنمت

اس لحاظ سے وہ ۵۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے (بزم صوفیہ ص ۱۷۳)۔

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۴ - ۱۵۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۱۴ - ۱۵۔

دہلی میں آئے تو ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ وہ ایسا مقام تھا کہ جہاں بادشاہ مسجد کی بنیاد رکھوا رہا تھا۔ بڑے بڑے علماء وہاں حاضر تھے کہ باحتیاط تمام مسجد کی محراب کی بنیاد کعبہ کی سمت کو رکھیں۔ اس وقت علماء میں اختلاف رائے تھا، بعض داہنی جانب کے بارے میں رائے ظاہر کر رہے تھے اور بعض بائیں جانب کا حکم فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حسن افغان وہاں پہنچ گئے تو علماء نے جو محراب کی گفتگو کر رہے تھے، ان کی طرف رخ کیا۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑا، قبلہ کی جانب کھڑے ہو گئے اور انگلی سے بیت اللہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ دیکھو بیت اللہ تمہارے سامنے ہے [۱۱۱]۔ ان کی برکت سے کعبہ اللہ سب کو دکھائی دے لیا۔ یہ دیکھنے کے بعد سب نے ان کے قدم پر سر رکھ دیے وہ وہاں سے چلے گئے۔

ایک امام کی ہر اکندہ خیالی

وہ مغرب کے وقت ایک مسجد میں پہنچے۔ امام جماعت کی نماز کے ساتھ کھڑا تھا۔ انہوں نے پہلی رکعت میں اس کی اقتدا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے امام کا ہاتھ پکڑا اور ایک کونے میں لے گئے اور پوچھا کہ اے خواجہ! ہم اس نماز باجماعت میں شامل تھے اور تمہارے مقتدی تھے۔ تم عین نماز میں دہلی سے ہندوستان گئے اور وہاں سے ایک غلام خرید کر ملتان لائے اور ملتان سے اس کو غزنین لے گئے، تاکہ فروخت کرو۔ ہم تمہارے پیچھے بلاوجہ حیران و پریشان گھومتے پھرتے، اس نماز کا کیا نام رکھیں۔ جس وقت خواجہ حسن مذکور نماز میں شامل ہوئے تھے، امام کا خیال اسی قسم کا تھا کہ جو بیان کیا گیا۔ حضرت سلطان الشائخ شیخ الاسلام بہاء الحق والدین کی بزرگی و کشف و کرامت ایسی نہیں ہیں کہ جو دائرۃ تحریر و تقریر میں سہا سکیں۔ اگر ان کے خلفاء اور مریدوں کے نام مکمل طریقے پر لکھوں تو ایک کتاب علیحدہ ہو جائے۔

خواجہ بیگ حاکم ملتان

نفل ہے کہ جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش دہلی میں بادشاہ ہوا، سلطان قطب الدین ایک نے سلطان شمس الدین مذکور کو آزاد کیا اور سلطنت کا

خلعت عطا فرمایا، سرخ و سیاہ چتر مع خرگاہ، جو سلطان معز الدین سام سے اس کو ملا تھا، بخش دیا، اس کو اپنا خاص ولی عہد بنایا اور وہ ترک جو شجاعت و مقابلہ میں ممتاز و سرفراز تھے ان کو اس کا تابع کیا۔

قباچہ بیگ ایک ترک جلاذ اور پہلوان تھا، مزاج سخت رکھتا تھا۔ اس کو بھی شہر اچھ اور قبتہ الاسلام ملتان، حدود ٹھٹھہ تک دے دیا اور سلطان شمس الدین مذکور کے تابع اور متعلق کر دیا کہ اس کے حکم سے وہ کبھی روگردان نہ ہو اور جس وقت کسی مصلحت یا مہم کا حکم دیا جائے تو بخوشی حاضر ہو۔ قباچہ بیگ مذکور اکثر ملتان میں رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد سلطان شمس الدین کو پوری قوت حاصل ہو گئی کہ وہ مرد عابد، مجتہد اور خدا تعالیٰ کے اولیاء میں سے تھا اور بزرگ مشائخ کا منظور نظر بھی تھا۔

التمش کے ابتدائی حالات

مولانا سراج منہاج مؤلف طبقات (ناصری) سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین ایک نہایت نیک ترک تھا۔ جب وہ قید ہوا تو اس کو خواجہ جمال الدین نے خرید لیا۔ وہ اس کو غزنیں لایا چونکہ اس کے لائق اس کو وہاں کوئی خریدار نہ ملا لہذا وہ اس کو بخارا لے گیا اور وہاں سے وہ تجارت کی غرض سے بغداد پہنچے، سلطان مذکور اس کے ہمراہ تھا۔ خواجہ جمال الدین بخاری ایک کاروان سرانے میں مقیم ہوئے اور سلطان کو کھانا لینے کے لیے بازار بھیجا۔

اس زمانے میں سلطان شمس الدین کی عمر پندرہ سال کی تھی [۱۱۲] وہ بہت خوبصورت اور نہایت نیک تھا۔ ناگہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خانقاہ کے سامنے سے گزر ہوا۔ سلطان کی ان پر نظر پڑی۔ شیخ اوحد الدین کرمائی بھی ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ سلطان خانقاہ میں داخل ہوا جو رقم اس کے پاس تھی اس کو حضرت شیخ الشیوخ کے سامنے رکھ دیا اور دعا کی درخواست کی چنانچہ الہوں نے فاتحہ پڑھ کر یہ لفظ زبان مبارک سے ادا فرمائے کہ میں اس شخص کے چہرے پر سلطنت کے روشن انوار دیکھ رہا ہوں۔ شیخ اوحد الدین نے بھی کہا کہ آپ کی برکت سے دنیاوی سلطنت میں اس کا دین سلامت رہے گا۔

۱۔ ملاحظہ ہو طبقات ناصری (کابل ایڈیشن) : ۳۹۹ - ۴۰۲ -

۲۔ متن میں ہند لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

شیخ الاسلام سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش ان دونوں بزرگوں حضرت شیخ الشیوخ (سہروردی) اور شیخ اوحید الدین کرمانی کا منظور و مقبول ہے۔

قباجہ کی سرکشی

مختصر یہ کہ جب قباجہ نے اس کی سلطنت کی ترقی دیکھی اور جی تو اس کو حسد پیدا ہوا، اس نے چاہا کہ سلطان شمس الدین سے بغاوت کرے اور مخالفت و سرکشی پر آمادہ ہو جائے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کو جو درویشی کے آفتاب تھے اس بات کا انکشاف ہو گیا۔ حضرت شیخ نے قباجہ کا فتنہ انگیزی اور مخالفت پر مشتمل خط سلطان شمس الدین کو بھیجا۔ اس زمانے میں قبیۃ الاسلام قاضی شرف الدین ایک باعمل عالم اور دیندار کامل تھے۔ انہوں نے بھی اسی مضمون کا خط سلطان (التمش) کو روانہ کیا۔ اتفاق سے یہ دونوں خط قباجہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباجہ مذکور نے جب یہ خط دیکھے تو اسے سخت اشتعال ہوا اور غیظ و غضب کی آگ کا دھواں اس کے اکاسہ سر میں پہنچا اس نے اپنے دربار میں طلبی کا حکم جاری کیا اور حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) اور قاضی کو طلب کیا۔ جب وہ پہنچے تو حضرت اس کی سیٹھی جانب بیٹھے اور قاضی (شرف الدین) کو اس نے اپنے سامنے بٹھایا۔ ان (قاضی) کا خط کھولا اور ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی نے پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ اس وقت اس نے جلاد کے اصناف کو حکم دیا اور اس نے چشم زدن میں ان کی گردن اڑا دی اور ایک ہاک مسلمان کے خون سے خدا کی زمین کے فرش کو رنگین کر دیا۔ اس کے بعد دوسرا خط حضرت شیخ کے دست مبارک میں دیا۔ جب حضرت نے اپنا خط دیکھا تو فوراً فرمایا کہ ہاں یہ خط میرا ہے۔ جو کچھ میں نے اس میں لکھا ہے وہ حکم خدا سے لکھا ہے۔ تو کیا کر سکتا ہے؟ جب حضرت شیخ نے یہ الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا کیے تو قباجہ مذکور نے اپنا سر جھکا لیا اور نہایت معذرت کے ساتھ

۱۔ فوائد الفواد ص ۳۵۸۔

۲۔ درنسخہ اول (ص ۲۸) شرف الدین اصفہانی، فوائد الفواد (ص ۲۰۶) میں قاضی سلطان کا نام نہیں دیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کو رخصت کر دیا ۔

بھی اہل اللہ وجود و عدم دنیا مساوی

نقل ہے کہ (شیخ بہاء الدین زکریا) ایک روز اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے ۔ خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور وہ صندوق لے آؤ کہ جس میں پانچ ہزار دینار (دینار) ہیں [۱۱۳] خادم خزانے کی طرف گیا ۔ خزانے کا سامان ادھر ادھر کیا ، اس صندوق کا کوئی نشان نہیں دیکھا ۔ جب وہ صندوق نہیں ملا تو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا کہ وہ صندوق تو موجود نہیں ہے ۔ حضرت شیخ نے کچھ دیر تأمل کیا ۔ آنکھیں کھولیں اور فرمایا الحمد للہ ۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خادم نے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانیؒ) کو اطلاع دی کہ فلاں صندوق جو اس رور نہیں ملا تھا اب کچھ سامان کے نیچے مل گیا ہے ۔ حضرت شیخ نے اس طرح کچھ دیر غور فرمایا اور زبان مبارک سے الحمد للہ کہا ۔ خادم مذکور کو صندوق لینے کے لیے بھیجا اور حاضرین مجلس سے لطیف انداز میں فرمایا کہ دونوں حالتوں میں الحمد للہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اہل اللہ کے سامنے دنیا کا وجود و عدم برابر ہے ۔ اس کے جانے کا کوئی غم نہیں اور نہ اس کے آنے کی کوئی خوشی ۔ اس کے بعد وہ پانچ ہزار دینار مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیے اور اس پر اپنی توجہ نہیں کی ۔

کوزہ ہائے پرلقرہ یا غلہ بضمیدم

سنا گیا ہے کہ والی 'ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی ۔ اس زمانے میں غلہ بہت گران تھا اور بڑی قیمت میں ملتا تھا ۔ اس نے حضرت شیخ سے غلہ کی درخواست کی ۔ حضرت نے ایک انبار اس کو عطا فرما دیا ۔ جب والی 'مذکور نے غلے کا انبار اٹھوانا شروع کیا تو اس انبار سے چاندی کے تنکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے نکلے ۔ والی 'ملتان نے شیخ الاسلام (زکریا ملتانیؒ) کو اطلاع دی کہ حضرت شیخ نے ہم کو غلہ مرحمت فرمایا تھا ، نہ کہ رقم سے بھرے ہوئے کوزے ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو ان چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے کوزوں کا حال معلوم تھا ۔ میں نے یہ بھی تم کو غلہ کے ساتھ دے دیے ۔ سبحان اللہ کیسے عالی

ہست تھے کہ دنیا کی طرف مطلق نظر نہ تھی۔ جس کسی کو جو کچھ العام میں دیتے ہوئے طور سے دیتے تھے۔

جلسہ سامع

نقل ہے کہ عبداللہ نامی ایک خوش گلو اور خوش کلام قوال روم کی طرف سے ملتان پہنچا اور حضرت مخدوم المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے مشرف ہو چکا ہوں اور حضرت نے میرے خوش گلو ہونے کی وجہ سے سامع میں شرکت فرمائی ہے۔ اس وقت شیخ الاسلام بہاء الدین نے فرمایا کہ چونکہ حضرت شیخ نے سنا ہے، زکریا بھی سنے گا۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ عبداللہ کو، اس کے ان دونوں دوستوں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ ہیں، فلاں حجرے میں لے جاؤ اور بٹھاؤ۔ یہ حکم عشاء کی نماز کے بعد دیا تھا۔ خادم مذکور نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد حضرت شیخ حجرے میں تشریف لے گئے۔ وہاں بیٹھے قرآن عریف کے دو سیارے نہایت لطیف مخرج اور انداز سے تلاوت فرمائے۔ پھر سامع کا حکم دیا۔ عبداللہ نے جب آواز نکالی تو اس شعر کو بار بار پڑھا

سمستان کہ شراب نب خوردند از پہلوئے خود کباب خوردند [۱۱۴]

حضرت شیخ نے سر ہلایا، اٹھے اور اس حجرے میں جو چراغ جل رہا تھا اس کو گل کر دیا۔ عبداللہ مذکور کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے نزدیک آئے تھے تو ہم ان کے کمرے کا دامن دیکھتے تھے اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ ان کے وجد کی ذبا کیفیت تھی اور کس انداز پر تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت حجرے سے باہر چلے گئے، ہم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اسی حجرے میں رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کا خادم ایک ہر تکف خلعت اور چاندی کے بیس تنکے لایا کہ حضرت شیخ نے انعام دیا ہے۔

عبداللہ مذکور ملتان سے قصبہ اجودھن میں آیا اور ملک المشائخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ دنوں ان کی خدمت میں رہا اور وہاں سے دہلی آیا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں نے اس عبداللہ کو دیکھا ہے۔ وہ دہلی سے پھر اجودھن پہنچا اور اپنا چہرہ حضرت فرید الدین گنج شکر کے ہائے مبارک پر ملا۔ چند روز کے بعد حضرت سے اجازت چاہی کہ پھر ملتان جائے اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے دعا کا خواستگار ہوا کہ ملتان کی طرف

ڈاکوؤں کا بہت خوف ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ میں سلامتی سے وہاں پہنچ جاؤں۔
تقسیم حدود ولایت مابین بابا فریدؒ و زکریا ملتانیؒ

شیخ نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں مقام تک میرا تعلق ہے اور فلاں حوض سے آگے شیخ بہاء الدین زکریا کی حد ہے اور ان سے تعلق ہے۔ غرض جب عبداللہ روسی اس حوض کے نزدیک پہنچا کہ جہاں ملتان کی سرحد تھی تو حوض کی طرف سے نکلی قلواریں لے کر ڈاکو آ گئے۔ جب عبداللہ نے یہ لبتہ ہائیلہ دیکھا تو وہ خوف زدہ ہوا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اسے موت نظر آنے لگی۔ اس وقت اس کو حضرت فرید الدین گنج شکر کی وہ بات یاد آئی جو انہوں نے رخصت کے وقت فرمائی تھی کہ فلاں حوض سے ملتان کی سرحد ہے۔ اس نے دل میں کہا کہ قصبہ اجودھن سے اس جگہ تک کا سارا علاقہ فرید الدین گنج شکر سے متعلق ہے ان کی دعا کی برکت سے ہم یہاں تک سلامت پہنچے۔ یا حضرت سلطان المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی! مدد کیجیے اور اس غول کو مجھ غریب کے سر سے دفع فرمائیے کہ یہ علاقہ آپ کی حایت میں ہے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چور جو ظاہر ہوئے تھے دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

چند روز کے بعد جب عبداللہ حضرت (بہاء الدین زکریاؒ) کی قدم ہوسی کے لیے گیا تو وہ سرخ لٹو کا کمبل جو شہر ناگور میں بنا جاتا ہے اوڑھے ہوئے تھا۔ جب حضرت شیخ نے اس کو دیکھا تو فوراً فرمایا کہ سرخ کمبل کیوں اوڑھے ہوئے ہے۔ یہ شیطان کا لباس ہے۔ بتقاضائے بشریت، عبداللہ کو یہ بات ناگوار ہوئی [۱۵] کچھ بے ادبی کی بات اس کی زبان سے نکلی کہ لوگوں کے قبضے میں ہے اتنا خزانے ہیں، ان پر نظر نہیں ڈالتے۔ ایک ہرانا کمبل جو نصف تنکے میں خریدنا جا سکتا ہے، اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے سہجھا کہ وہ دائرہ تہذیب سے باہر جا رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ! ہوش میں آ، زبان بند کر اور اس مصیبت کو یاد کر جو چوروں کی وجہ سے اس حوض پر آئی تھی۔ کیا اس چھٹکارے کا سبب زکریاؒ نہ تھا۔ جب عبداللہ نے یہ بات سنی تو اس نے استغفر اللہ کہا۔ اپنا چہرہ زمین پر ملا اور اپنا سر حضرت شیخ کے قدموں پر رکھ دیا۔

تفسیر عمدہ

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میں نے

مولانا صدر الدین طونوی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ میں مولانا نجم الدین ستانی کے پاس تھا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس کام میں مشغول رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ تفسیر کے مطالعہ میں۔ کہا کون سی تفسیر میں نے کہا کشاف، ایجاز، عمدہ۔ مولانا نجم الدین نے کہا کشاف و ایجاز دونوں کو جلا دو صرف عمدہ رکھو۔ مولانا صدر الدین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ایسا کیوں کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ بہاء الدین نے ایسا ہی کہا ہے۔ مولانا صدر الدین نے کہا کہ مجھ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ جب رات ہوئی تو میں ان تینوں کتابوں کو چراغ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ ایجاز و کشاف دونوں نیچے تھیں اور عمدہ ان دونوں کتابوں کے اوپر۔ اسی دوران میں میں سو گیا۔ ایک شعلہ پیدا ہوا، میں جاگ گیا۔ کشاف و ایجاز دونوں جل گئیں، عمدہ سلامت رہی۔

خواجہ کمال الدین مسعود شروانی

مولانا حسام الدین حاجی سے نقل ہے کہ جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے کہ خواجہ کمال الدین مسعود شروانی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے متوسل اور مخلص تھے [اور بہت مشہور تاجروں میں سے تھے۔ جو اہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں وہ جزیرہ جرولی سے عدن کے لیے جہاز پر

۱۔ در نسخہ اول (ص ۳۱) صدر الدین یونی۔

۲۔ مصنف کا نام جار اللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الخوارزمی الزمخشری ہے (پیدائش ۲۷ رجب ۵۶۷ھ - انتقال ۱۱۴۳/۵۳۸ع) مدرس، مبلغ اور مصنف تھے۔ زمخشری عملاً اور فقہاً تو حنفی تھے مگر عقیدتاً مائل الی الاعتزال تھے۔ بعض متقدمین علماء نے اس تفسیر کو عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے مگر علمی اور فنی اعتبار سے کشاف کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ المفسرین ۱: ۱۰۵-۱۰۶۔ لباب الحارف العلمیہ ص ۱۳، الفوائد البیہ ص ۲۰۹۔

۳۔ ایجاز البیان فی معانی القرآن مؤلفہ نجم الدین ابوالقاسم مسعود بن ابوالحسن نیشاپوری۔ یہ کتاب دس ہزار سے زیادہ فوائد پر مشتمل ہے

(کشف الظنون ۱: ۲۰۵)

۴۔ حاجی خلیفہ چلی نے کشف الظنون (۲: ۱۱۶۹) پر عمدۃ التفسیر کا نام دیا ہے مگر اس کی کوئی مزید تفصیل بیان نہیں کی۔

سوار ہوئے، ان کی تھیلی میں کچھ قیمتی جواہرات تھے۔ جب وہ عین کے نصف راستے پر تھے کہ اچانک سمندر میں مخالف ہوا پیدا ہوئی اور جہاز ٹوٹ گیا۔ لوگ موت کے تھلکے میں پڑ گئے اور قریب تھا کہ وہ جہاز غرق ہو جائے۔ اس مقام پر خواجہ کمال الدین مسعود نے نہایت عاجزی سے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانی) کی طرف توجہ کی اور مدد کے لیے زبان کھولی کہ اے پر دستگیر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس عجز و نیاز کے وقت خواجہ مذکور نے حضرت سلطان المشائخ (زکریا ملتانی) کو جہاز میں موجود پایا۔ جہاز کے تمام مسافروں نے ان کی روحانی مدد کو آنکھوں سے دیکھا۔ سلطان المشائخ نے ان سب کو شادان و فرحان کیا اور چشم زدن میں نظروں سے غائب ہو گئے۔ ہوا نے سمندر کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا اور جہاز کو سکون ہو گیا۔ [۱۱۶] سب صحیح و سلامت عدن پہنچ گئے۔

تمام بڑے بڑے تاجروں نے اپنا ایک تھائی مال خواجہ کمال الدین شروانی کے پاس شکرانے کے طور پر پیش کیا اور بڑی عاجزی سے یہ عرض کیا کہ اس کو جس طرح تم مناسب سمجھو حضرت شیخ کے آستانے پر پہنچا دو۔ خواجہ مذکور نے وہ مال لیا اور ان جواہرات میں سے جو ان کی تھیلی میں تھے نصف جواہرات شکرانے کی نیت سے علیحدہ کیے۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ فخر الدین گیلانی کی معرفت کہ جو خواجہ کمال الدین مسعود شروانی کے جواہر دار تھے (وہ سارا مال) حضرت شیخ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان فخر الدین گیلانی نے حضرت کو سوائے اس جہاز کے جب کہ شیخ شکستہ نواز (بہاء الدین زکریا ملتانی) مثالی صورت میں ظاہر ہوئے تھے، اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ ان کی خدمت میں پہنچے تو حضرت کو اسی صورت اور لباس سے پہچان لیا، ان کی عقیدت و محبت ہزار گنی ہو گئی اور وہ نذرانہ جو خواجہ کمال الدین اور تمام تاجروں کی طرف سے لائے تھے، حضرت شیخ الاسلام کے حضور میں پیش کیا۔ حضرت نے وہ سارا مال و نقد قبول کیا اور نظر کرم فرمائی۔

۱۔ توسین کی عبارت نسخہ اول (ص ۳۲) میں نہیں ہے۔

۲۔ در نسخہ اول (ص ۳۲) خواہر زادہ (بہار)۔

خواجہ نضر الدین کو ہدایت

کہتے ہیں کہ تقریباً سات لاکھ تنکے کا وہ سارا سامان و اسباب تھا، حضرت شیخ نے دن بھر میں وہ تمام جواہرات اور نقدی مخلوق خدا میں تقسیم کر دی۔ خواجہ نضر الدین نے جب یہ صورت حال دیکھی تو حیران رہ گئے۔ جو کچھ مال و متاع ان کے پاس تھا، انہوں نے وہ بھی حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تمام مال و اسباب سے جو ملکیت میں تھا چند دن میں دستبردار ہو گئے اور انہوں نے دنیا ترک کر دی۔ نضر الدین کا سامان اس نذرانے سے دو چند تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے چند دن میں وہ سارا سامان بھی تقسیم کر دیا، خواجہ مذکور مراد ہو گئے، ان کو خرقہ خلافت ملا اور واصلان حق میں سے ہوئے۔

تقریباً ہائے سال تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہے اور اکثر اوقات مسلک العارفین حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہتے تھے جو حضرت شیخ الاسلام کے فرزند ارجمند تھے اس کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ چلے گئے۔ جب وہ جدہ پہنچے تو رحمت حق سے جا ملے اس زمانے میں ان (خواجہ نضر الدین گیلانی) کے مقبرے کی زیارت کے لیے کہ جو جدہ میں دریا کے کنارے واقع ہے اکثر لوگ آتے ہیں اور نذرانہ و شکرانہ پیش کرتے ہیں۔

عبدالقادر موصلی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے واپس ہوئے تو راستے میں ایک مقام پر پہنچے اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ اس مسجد میں کچھ جوانی پوش (گڈڑی پوش) قلندر بھی کہ یہ لباس [۱۱] (جوانی پوشی) حضرت سید جلال مجدد ساوجبی کا ہے، اس مسجد میں آئے جب رات ہوئی تو حضرت شیخ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب عبادت سے فارغ ہوئے اور مراقبے سے آنکھ کھولی تو ان کی نظر مبارک قلندروں پر پڑی، دیکھا کہ ایک قلندر کے جسم سے ایک نور سورج کی طرح آسمان کی طرف روشن

۱۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (ص ۴۳) میں نہیں ہے۔

۲۔ خیر المجالس ص ۱۳۱۔

اور بلند ہے۔ حضرت شیخ کو تعجب ہوا کہ اس لباس اور صورت میں ایسا نور اس کی کیا اصلیت ہو سکتی ہے۔ وہ آہستہ سے ان قلندروں کے پاس پہنچے اور (اس قلندر سے) کہا کہ اے مرد خدا! اس کم بخت قوم میں تو کیا کرتا ہے؟ قلندر نے کہا کہ اے زکریا! تو جانتا ہے کہ ہر قوم میں عام و خاص ہوتے ہیں کہ اس قوم کے عوام کی ان خواص کی بدولت بخشش ہوتی ہے۔ اس فقیر (جالی) کو دوسری جگہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب قلندر نے اس طرح کی گفتگو کی تو حضرت نے کچھ دیر تامل فرمایا اور اپنی باطنی قوت سے اس کو اس لباس اور اس بدعت سے جس میں وہ مبتلا تھا، آزاد کیا اور اپنے خرقہ خاص سے مشرف کیا۔ چند روز تک اپنی صحبت میں رکھا۔ بہت سی کراستیاں اور اسرار (عارفانہ) اس کو مرحمت فرمائے۔ وہ سید تھا اور ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ، سید عبدالقدوس نام، موصل کا رہنے والا تھا۔ اس پر جذب و سکر کا غلبہ ہوا۔ جب موصل سے (نکلا) تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوا۔ واپسی کے وقت وہ مصر پہنچا اور وہاں سے دمیات کے علاقے میں آیا۔ اس نے حضرت جمال مجرد کے مقبرے پر بابا احمد اندبوسی سے قلندروں کا لباس پایا۔

بابا احمد اندبوسی

اندبوس سرزمین افریقہ میں ایک شہر ہے، چنانچہ جب راقم الحروف (جالی) افریقہ پہنچا تو شہر اندبوس میں پانچ مہینے تک رہا۔ احمد جوالقی ہوش، حضرت سید جمال مجرد ساؤجی کے خدام (مریدوں) میں سے ایک خادم (مرید) تھے۔ دمیات میں جہاں سید جمال کا روضہ ہے ان کا تکیہ تھا۔ چنانچہ یہ فقیر (جالی) جس زمانے میں انبیاء علیہم السلام کی زیارت کے لیے دارالسلام مصر پہنچا تو سات مہینے وہاں رہا اور وہاں سے حضرت سید جمال مذکور کی زیارت کے لیے دمیات پہنچا اور ہندہ روز اس متبرک مقام پر رہا۔

سید جمال ساؤجی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اپنی کتاب خیر المجالس میں فرماتے ہیں کہ سید جمال ساؤجی ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے۔ اہل مصر ان کو کتاب خانہ روان (چلتا پھرتا کتاب خانہ) کہتے تھے۔ جو استفناء مشکل ہوتا تھا وہ اس کا

جواب دیتے تھے اور ہرگز کسی کتاب کو نہیں دیکھتے تھے۔ تاکہ ان پر ایسا جذبہ اور حال طاری ہوا کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر قبرستان میں چلے گئے اور قبلہ کے متعلق متعجب و دیوانہ وار آنکھیں آسمان سے لگائے ہوئے بیٹھ گئے۔ مصر میں ایک عالم تھے، جب ان کو خبر ہوئی کہ سید جمال الدین ساؤجی کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر اور تارک صلوٰۃ ہو کر بے ہوش و سہووت بیٹھ رہا تو وہ عالم [۱۸] جو مصر کے ملک العلماء تھے، علمائے ظاہر کی ایک جماعت کے ہمراہ مصر سے ان کی عبادت کے لیے گئے۔ انہوں نے حضرت جمال کو اس حال میں دیکھا تو حکم دیا کہ رائگ گرم کر کے ان کے حلق میں ڈالو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔

جس زمانے میں یہ احقر الانام (جالی) اس مقام مقدس پر پہنچا، تو میں نے اس علاقے کے اکابر و اخبار سے کہ جو معتبر لوگ تھے یہ سنا کہ حضرت سید جمال ایک عرصے تک مصر میں رہے۔ وہ بہت خوبصورت اور نہایت باکمال تھے چنانچہ اہل مصر صاحب جمال ہونے کی وجہ سے ان کو یوسف ثانی کہتے تھے اور جس طرح زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہو گئی تھیں اسی طرح مصر کے امراء میں سے ایک رئیس کی بیوی جو وہاں بہت مشہور تھا حضرت کے حسن پر فریفتہ ہو گئی اور اکثر ان کے حالات (عبادت) میں خلل انداز ہوتی تھی۔ ہر وقت وحشت بڑھتی تھی چنانچہ سید مذکور آدھی رات کے وقت مصر سے فرار ہو کر مقام دمیات پہنچے کہ جو وہاں سے سات آٹھ روز کی مسافت پر ہو گا، اس زمانے میں وہ مقام حضرت یوسف کے وقت سے ویران تھا۔ وہ وہاں گوشہ نشین ہو گئے، کچھ دن کے بعد اس مضطرب حال عاشقی عورت کو اطلاع ملی، ان کے پیچھے وہ بھی چلی چنانچہ یہ خبر حضرت سید کو ملی تو وہ پریشان ہو گئے اور دعا کی کہ اے پروردگار یہ حسن جو میرے لیے فتنہ بن گیا ہے اس کو تبدیل کر دے کہ کسی کی رغبت میری طرف نہ ہو (اس دعا کے بعد) جب انہوں نے اپنے دست مبارک چہرے پر ملے تو ان کی مونچھیں، داڑھی اور بھویں سب گر گئیں۔ آپ نے اس عورت کو جو ان کی عاشق تھی اپنے پاس بلایا۔ جب اس عورت نے یہ خبر سنی تو بے سرو پا ان کی طرف دوڑی۔ جب سید مذکور کو اس حال میں دیکھا تو ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور سید نے

اس (صورت) سے رہائی پائی۔ حضرت سید کی رحلت کے بعد جو عرویش ان کا قائم مقام ہوا اس نے داڑھی، مونچھ اور ابرو منڈوا ڈالیں اور وہی صورت اور لباس اختیار کیا۔

بابا عبدالقدوس کا مرقد

مختصر یہ کہ جب سید عبدالقدوس کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق نے اس لباس اور صورت سے نجات دلائی تو فرمایا کہ بابا عبدالقدوس! سید جہاں نے اپنی داڑھی (مونچھ) اور بھوین اپنے اختیار سے صاف نہیں کرائی تھیں بلکہ وہ از خود گزر گئی تھیں، سید عبدالقدوس مذکور بھی حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے مخصوص مریدوں میں سے تھے، اور سید مذکور جذبہ حال کے مالک تھے۔ وہ ہمیشہ استغراق و سکر کی حالت میں رہتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام ان کو اس حالت سے ہوش میں لانے۔ یہ اہل تمکین کا درجہ ہے۔ ان کا مقبرہ متبرکہ قصبہ ناٹن میں ہے، جو یزد اور اردستان کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ حقیر (جہاں) بھی وہاں پہنچا ہے اور اپنا چہرہ ان کے مرقد پر ملا ہے۔ اس مالک کے رہنے والوں نے ان کے مزار کو زیارت گاہ بنا لیا ہے۔ [۱۱۹]۔

ختم کلام اللہ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت شیخ الاسلام اپنے خلفاء کے درمیان بیٹھے تھے، حضرت ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے کہ نماز دوگنا کی پہلی رکعت میں قرآن مجید ختم کرے۔ ان میں سے کسی نے اس بات کی طرف توجہ نہ کی۔ اس وقت حضرت شیخ مشار الید آگے بڑھے، پہلی رکعت میں قرآن ختم کیا، دوسری رکعت میں چار سہارے اور پڑھے اور سلام پھیر کر نماز ختم کی۔ حضرت فرماتے تھے کہ اہل حال مشائخ کے اوراد و اعمال میں سے جو کچھ مجھ کو ملا خدا تعالیٰ نے اس کو پورا کرنے کی مجھ کو توفیق عطا فرمائی مگر ایک چیز جو مجھ کو فلاں یزدگوار سے عطا ہوئی تھی۔ وہ یزدگوار آغاز صبح سے طنوخ آفتاب تک ختم کلام اللہ کر لیا کرتے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ صبح صادق کے وقت سے نماز کے وقت تک قرآن ختم کر لیا کروں مگر یہ بات مجھ کو حاصل نہیں ہوئی۔ ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر چار سہارے باقی رہ جاتے ہیں۔ اس احقر الانام (جہاں) نے حضرت شہنشاہ دستگیر سلطہ الحق والدین سے اسی طرح سنا ہے کہ حضرت کی یہ عادت تھی

کہ نماز تہجد سے فارغ ہونے کے بعد نماز فجر کی سنتوں کے وقت تک کلام اللہ ختم کر لیا کرتے تھے ۔

نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام جس شخص کو مرید کرتے تھے تو بیعت کے وقت اور نصیحتوں سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو تو مجھ کو اپنا پیر سمجھنا اور ہر دروازے پر ہر شخص کے پاس نہ جانا۔ ایک دروازہ پکڑنا چاہیے اور مضبوطی سے پکڑنا چاہیے ۔

حدیث نبوی کا مفہوم

کہتے ہیں کہ ایک دن ایک آوارہ مسافر حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدین کی ملاقات کے لیے آیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا، حضرت شیخ نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور کھانے کی قسم سے بھی کچھ اس کے سامنے نہ رکھا۔ مسافر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ

من زار حیا ولم یبق منہ شیئا جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور وہاں کچھ کھایا یا نہیں تو گویا وہ لکائما زار مہیتا کسی مردے سے ملا ۔

حضرت شیخ اس حدیث پر کیوں عمل نہیں فرماتے۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مخلوق دو قسم کی ہے ، عام اور خاص ۔ مجھے عام لوگوں سے سروکار نہیں ہے لیکن جب خاص لوگ میرے پاس آتے ہیں تو اپنے حالات کے مطابق مجھ سے فیض ہاب ہوتے ہیں اور فروغ حاصل کرتے ہیں ۔ حدیث کے یہ معنی ہیں ۔

تعبیر خواب

نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ایک دن خانقاہ میں بیٹھے تھے ۔ ایک سپاہی آیا اور عرض کیا کہ میرے مخدوم امین نے ایسا خواب دیکھا ہے ، اس کی کیا تعبیر ہے ؟ حضرت شیخ نے اس سے فرمایا کہ جا توبہ کر ، تیری موت قریب ہے ۔ چند روز کے بعد ایک صوفی نے عرض کیا کہ میں نے بھی اسی سپاہی کی طرح خواب دیکھا ہے ۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے ؟ [۱۲۰] حضرت شیخ نے قائل کیا اور فرمایا وہ ایک اشکری تھا ، مارا گیا ۔ تجھ سے نازیبا وظائف ترک ہو جائیں گے ۔ وہ بھی موت کی مثل ہیں ۔ جیسا حضرت شیخ نے فرمایا تھا ، ویسا ہی ہوا ۔

فلندروں کی گستاخی

حضرت سلطان نظام الدین اویاہ بدایونی سے نقل ہے کہ ایک دن حضرت

شیخ الاسلام بہاء الحق والدین زکریا اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ قلندروں کا ایک گروہ جو گڈڑیاں چنے ہوئے تھا، خانقاہ میں داخل ہوا اور ان سے کچھ طلب کیا۔ حضرت شیخ کو اس قوم سے سخت نفرت تھی، کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔ قلندر اٹھے اور انہوں نے نامناسب الفاظ جو ان کی زبان پر آئے، حضرت کو کہے اور جنگ و فساد کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہاتھوں میں اینٹ پتھر لے لیے۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دیں۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ جب اس ناہاک قوم نے یہ دیکھا تو خانقاہ کے کواڑوں پر اینٹیں ماری شروع کر دیں۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام نے تامل کیا اور فوراً فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ کھول دیں۔ میں اس جگہ پر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین کا بٹھایا ہوا ہوں، میں خود نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے حضرت کے حکم سے دروازہ کھول دیا۔ چشم زدن میں ہر قلندر نے زمین پر سر رکھ دیا۔ وہ ترساں و لرزاں اس حرکت سے باز رہے۔ انہوں نے کیا دیکھا خدا بہتر جانتا ہے۔

شیخ زندہ سجستانی

نقل ہے کہ حضرت کے مریدوں میں سے ایک شخص لاہور میں رہتے تھے۔ بہت صاحب کمال اور اہل حال تھے۔ ان کو شیخ زندہ سجستانی کہتے تھے۔ انہوں نے عید کے دن ناز کے بعد آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا کہ اے خدا! عید کا دن ہے، ہر بندہ اپنے آقا کے سامنے ہاتھ بڑھاتا ہے اور عیدی چاہتا ہے۔ مجھ کو تو اپنے خزانے سے عیدی عنایت فرما۔ جب یہ بات ختم ہوئی تو اسی وقت دیکھا کہ ایک ریشمی کپڑا جو خط سبز میں تحریر تھا، اترا اور ان کے ہاتھ میں آگیا۔ اس میں تحریر تھا:

”ہم نے دوزخ کی آگ تجھ پر حرام کی اور تجھ کو تکلیف اور گری

سے نجات دی۔“

جب حاضرین نے یہ حال دیکھا تو سب نے بطور تبرک ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ اسی دوران میں ان کے مخلصین میں سے ایک شخص جو ان کا معتقد تھا۔ ان کی جانب متوجہ ہوا اور عرض کیا کہ اے شیخ! تم نے خدا کی بارگاہ سے عیدی ہائی، اب تم مجھے عیدی دو۔ جب حضرت شیخ زندہ نے یہ بات سنی تو فوراً وہ ریشمی لکڑا اپنی بغل سے نکالا اور اس کو دے دیا اور کہا یہ تیری عیدی ہے۔ کل میں جانوں اور دوزخ، سبحان اللہ! حضرت کے مریدوں کا یہ حال و کمال

تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اکا کہا مر تبہ ہوگا؟

۱۰۔ ثریہ کی فضیلت

حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین بدایونی سے نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین آخر (صدر) میں اول (صدر) کی طرح مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے۔ ماہورچی خانے میں مختلف قسم کے کھانے پکواتے اور گولہ گولہ نصتیں ان کے دستر خوان پر موجود ہوتیں [۱۲۱] اور ہر مہمان کے ساتھ کھاتے۔ گویا کتبہ اسن الطبیبات و اعمالہ اصالتہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور خیک عمل کرو۔

ان کی شان میں ہے۔ جس کسی کو دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی نعمت رحمت کے ساتھ کھاتا ہے تو خوش ہوتے۔ ایک دن کچھ درویش موجود تھے، دستر خوان چھایا گیا اور حضرت شیخ الاسلام کھانے کے دوران ہر درویش کے ساتھ شریک ہوتے۔ حضرت نے ان میں سے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ شورے میں روئی تھگو کر کھا رہا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ! ان درویشوں میں سے کسی سرد کھانا کھانا جانتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نان ثریہ (وٹی شورے) میں ٹکڑے کر کے پھگولہ کو دوسرے کھانوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے کہ جس طرح مجھ کو تمام انبیاء پر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۱۔ بہاء الدین زکریا کے مزار پر شیخ جہالی کی سحری

جس زمانے میں اس فقیر (جالی) نے مکہ معظمہ کا قصد کیا تو ملتان پہنچا اور حضرت بہاء الدین زکریا کی زیارت سے مشرف ہوا اور شیخ المشائخ شیخ صدر الدین کی دست بوسی کی جو ان کے سجادہ نشین تھے۔ اس حقیر (جالی) اور حضرت (صدر الدین) کے درمیان شہر دہلی میں کامل اتحاد اور محبت تھی۔ حضرت کو اس حقیر (جالی) کے دیکھنے سے نہایت فرحت و مسرت حاصل ہوئی اور جناب شیخ صدر الدین نے مجھ کو اس حجرے میں کہ جہاں حضرت (بہاء الدین زکریا) مشغول عبادت رہتے تھے ٹھہرایا۔ ہر چند میں نے عرض کیا کہ میری کیا ہمت ہے کہ اس مقدس مقام پر قیام کر سکوں مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور وہ روزانہ اسی

علی مقام پر پہنچے لیکن کھانا منگوانے اور میرے ہمراہ تناول فرمائے۔

مختصر یہ کہ چالیس روز تک میں اس حجرے میں رہا۔ ایک روزات حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو میں نے جواب میں دیکھا کہ میں حضرت سے دعا کرتے لیکن التماس کر رہا ہوں کہ حق تعالیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرے اور وہاں سے کمرہ اللہ پہنچا دے۔ میری اس التماس کے بعد حضرت شیخ نے میرا ہاتھ پکڑا، قلم رخ کر دیا، دعا فرمائی اور کہا کہ جاؤ سلامتی سے پہنچو گے۔ جسرا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچو تو میرا سلام عرض کرنا۔ میں علی الصبح خوش و خرم اٹھا اور یہ بات حضرت شیخ صدر الدین سے عرض کی اور ان سے اجازت چاہی کہ آج رات حضرت قطب الاقطاب نے اجازت دے دی ہے۔ آپ بھی اجازت دے دیجئے اور اس حقیر کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ ابھی ایک مہینے اور یہاں قیام کرو، ابھی میری اجازت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ حضرت شیخ الاسلام سے اجازت مل گئی ہے، آپ کی خاطر سے ایک مہینے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے روضے پر روبرو رہا اور ان کا روضہ حضرت شیخ الاسلام [۱۲۲] بہاء الحق والدین کے روضے سے علیحدہ ہے، کم و بیش ایک تیر کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔

حضرت شیخ صدر الدین جو نہایت اعلیٰ اتعالیٰ کے مالک تھے، اس حقیر کے ہمراہ حضرت رکن الحق والدین کے روضہ مبارک پر تشریف لائے، وہاں بھی ایک نہایت فرحت بخش مقام میرے لیے متعین کیا اور حضرت صدر الدین شجر اٹھا اکثر اس مقام پر تشریف لایا کرتے تھے اور درویش نوازی فرماتے تھے۔

مولانا کمال الدین اوجی

وہاں ایک درویش تھے، ان کو مولانا کمال الدین اوجی کہتے تھے۔ وہ ایک حجرے میں مشغول عبادت رہا کرتے تھے اور نماز کے وقت جماعت کے لیے باہر نکلتے تھے۔ مولانا مذکور چونکہ ذکر خدا میں اس قدر استہکام و دوام فرماتے تھے کہ اکثر اوقات ان کا قلب متحرک ہوتا اور لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل ذکر میں مشغول ہے۔ یہ مولانا (کمال الدین) ایک سن رسیدہ

بزرگ تھے اور اسی خاندان کے مرید تھے۔ ان کو اس فقیر (جالی) سے بہت محبت تھی۔ وہ اکثر کتاب احیاء العلوم کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ اور عوارف المعارف تو اکثر جگہ سے ان کو زبانی یاد تھی۔

میں نے ان (مولانا کمال الدین) سے سنا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ بہاء الدین ذکر کیا کے دادا کا مزار پیران تتری کے مزارات میں ہے جو ملتان میں ہیں اور حضرت شیخ رکن الدین کی والدہ بی بی راستی کا حظیرہ بھی ان ہی مزارات میں ہے۔ وہاں ایک ہرانی قبر ہے اور اس قبر پر ایک درخت ہے، اور اس کی ہر شاخ پر لفظ اللہ نمایاں ہے۔ چنانچہ اس فقیر (جالی) نے پیر دستگیر (شیخ سہاء الدین) سے سنا ہے کہ تتری کے مزاروں میں سے ایک مزار پر بڑا درخت ہے اور اس کی ہر شاخ اور تنے پر لفظ اللہ نمایاں ہے۔ جب یہ فقیر (جالی) ملتان پہنچا تو وہاں لوگوں سے اس بڑے درخت کی بابت دریافت کیا اور دیکھا، حقیقت میں ایسا ہی تھا، جیسا کہ مولانا کمال الدین اوچی نے فرمایا تھا کہ وہ مزار حضرت شیخ الاسلام بہاء الملت والدین کے دادا کا ہے کہ جس کے سینے پر وہ درخت ہے۔ واللہ اعلم۔

الباع سنت

حضرت شیخ الاسلام کے اکثر مرید اور وابستگان، صاصب کشف و کرامات اور اہل کمال ہوئے ہیں اور وہ (مرید) شریعت و طریقت میں مستقیم تھے۔ حضرت کا یہ قاعدہ نہیں تھا کہ ان کے معتقدین اور مریدین زمین پر سر رکھیں یا سجدہ کریں۔ جب وہ ان کے سامنے آتے تھے سنت نبوی کے مطابق ”السلام علیکم“ کہتے تھے اور وہ بھی ”و علیکم السلام“ فرماتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ حضرت کے چند مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، ٹھیک اسی وقت حضرت شیخ الاسلام

- ۱۔ کاشف الحقیقت (ص ۷۱) میں ہے کہ بی بی راستی کا انتقال ۸۶۹۵ میں ہوا۔
- ۲۔ خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۲۵، مؤلف تذکرہ بہاء الدین کا بیان ہے کہ ملتان میں اب ان مزاروں کا علم نہیں ہے (تذکرہ بہاء الدین ۹۰۔ ۹۱ حاشیہ)۔
- ۳۔ در نسخہ اول (ص ۸۰) میں ہے ان کے جد امجد جواب میں ”و علیکم السلام“ کہتے تھے۔

بہاء الملت والدين ان درويشوں کے پاس آئے۔ جیسے ہی درويشوں نے حضرت کی صورت دیکھی تو وہ ان کی طرف دوڑے۔ اگرچہ اس وقت ان کا وضو ناممکن تھا [۱۲۳]، (درویشوں نے) سلام کیا۔ ان درويشوں میں سے ایک درويش نے اپنا وضو پورا کیا اور اس کے بعد آکر سلام کیا۔ حضرت شیخ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا انت افضلہم و ازہدہم تم ان میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ زاہد ہو۔

شیخ بہاء الدین زکریا کے ایک مرید کی کرامت

ان ہی حضرت سے منقول ہے کہ شہر لاہور کے نزدیک ایک گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں حضرت کے ایک مرید رہتے تھے اور گاؤں کے قریب دریا کا کنارہ تھا۔ وہاں ان درويش کی زمین تھی، وہ فصل کے موقع پر غلہ ہوتے تھے اور اس غلہ سے اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ اتفاق سے وہ گاؤں کسی کو مدد معاش میں مل گیا اور اس شخص نے اس گاؤں میں کوتوال مقرر کر دیا۔ اس کوتوال نے ان (مرید) کی زراعت کی پیمائش کی اور لگان طلب کیا۔ اور اس درويش سے کہا کہ تو نے اس زمین کو اتنے سال سے غصب کر رکھا ہے اور مفت کا مال کھاتا ہے، اور غلہ لے جاتا ہے۔ یا تو کچھ کرامت دکھا ورنہ گزشتہ موجودہ کل لگان ادا کر۔ پرچند وہ درويش کہتا رہا کہ فقیروں سے مت لگو، کرامت تو اہل کمال درويشوں سے دیکھو لیکن وہ کوتوال اپنی بات پر اڑا رہا۔ سخت سست کہا، یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں نے اس درويش کی سفارش بھی کی لیکن وہ کم بخت کوتوال کسی طرح نہ مانا۔ جب درويش نے یہ صورت دیکھی تو کوتوال سے کہا کہ تو اپنی گفتگو بند نہیں کرے گا؟ کوتوال نے کہا کہ جب تک کرامت نہیں دکھاؤ گے، مجھ سے رہائی نہیں پاؤ گے۔

درویش نے کچھ دیر تامل کیا پھر کوتوال سے کہا کہ مجھ سے کیا کرامت دیکھنی چاہتا ہے؟ کوتوال نے کہا کہ اس پانی پر پیر رکھو اور چلے جاؤ، تب میں تم کو چھوڑ دوں گا۔ درويش فوراً اٹھا، حضرت شیخ الاسلام بہاء الملت والدين سے مدد چاہی۔ بسم الله الرحمن الرحيم پڑھی، پانی پر پیر رکھا اور سلامت رہا۔ جس طرح زمین پر چلتے ہیں (اسی طرح چلا) اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، تازہ وضو کیا۔ دوکانہ ادا کیا، دوکانہ ادا کرنے کے بعد آواز دی کہ کشتی لاؤ تاکہ سوار ہو کر دوسری طرف آؤں۔ جو لوگ اس طرف تھے انہوں نے کہا کہ جس

طرح کیے تھے، اسی طرح کہہ نہ سکتے تھے؟ انھوں نے کہا اس وجہ سے ٹوٹا ہوا کہ کہہ میرا نفس موٹا نہیں جا سکتا اور غروب پیدا نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ (درخش) کشتی میں اس کنارے پر آئے۔

مولانا بلال مدنی

اور آج کل ٹھٹھ کے علاقے میں اس خاندان کے اکثر مرید ہیں جو مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہیں اور اس زمین کو زمین ریل کہتے ہیں اور یہ حقیر (جالی) اس زمین پر بھی پہنچا ہے۔ وہاں کے درویشوں میں دو درویش صاحبہ حلقہ دیکھے۔ قصبہ سیوان کے پاس ایک موضع بھری نام کا ہے، اس گاؤں میں ایک درویش تھے جن کا نام مولانا بلال تھا۔ وہ بہت ریاضت کرنے والے اور پاکہ اعتقاد تھے۔ جب میں اس گاؤں میں پہنچا تو جی نے ان سے ملاقات کی۔ ان کے سامنے عوارف رکھی تھی [۱۲۴] اس حقیر (جالی) سے چند مقامات پوچھے۔ وہ مباحب دل انسان تھے۔

۱۔ لسنہ اول (ج ۱) میں قوسین کی عبارت نہیں ہے۔

۲۔ متن میں اصل ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۳۔ اب جہاں مخدوم بلال کا مزار ہے وہ مقام ”مخدوم بلال“ کہلاتا ہے اور ضلع دادو (سندھ) میں واقع ہے۔

۴۔ مخدوم بلال عارف کامل اور عالم شہیر تھے، فقہ و حدیث پر گہری نظر تھی۔ علی شیر قانع تتوی نے لکھا ہے کہ ان کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی اور مندرجہ ذیل اشعار بطور نمونہ نقل کیے ہیں :

در راہ خدا ز سر قدم باید ساخت سرمایہ اختیار خود سی۔ پایہ باخت کفرست بخود نمائی بردن پیمان ازخوش بروی شدہ سوش می باید تاخت معصوم بھکری نے لکھا ہے کہ مخدوم بلال کا انتقال ۹۷۹ھ میں ہوا لیکن مؤلف حدیقۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ۳۰ صفر ۹۳۱ھ کو انھوں نے رحلت کی۔

ملاحظہ ہو (۱) مقالات الشعراء ص ۸۲-۹۳۔

(۲) تاریخ معصومی ص ۱۹۸-۱۹۹۔

(۳) حدیقۃ الاولیاء ص ۷۹-۸۱۔

(۴) تحفۃ الکرام (آرڈو) ص ۴۴۱-۴۴۲۔

(۵) تحفۃ الظہرین ص ۳۰-۳۱۔

حاجی آرام حنفی

ان سے بھی زیادہ اسی گاؤں میں ایک اور درویش تھے جو نہایت عزیز الوجود اور عبادت الہی میں مستغرق رہتے تھے۔ وہ حاجی الحرمین تھے، ان کو حاجی آرام کہتے تھے۔ جب میں ان کے ٹھکانے پر پہنچا تو وہ کھانا لائے اور میرے ہمراہ چند لقمے تناول فرمائے۔ ان کا بیٹا اور کایوں کا بڑا گلم تھا۔ وہ اکثر اس (دودھ) سے بکھرے ہوئے تھے اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کے گلے کا کوئی ہیرا یا نیکہائی نہ تھا جو اس کو بچاتا اور (جنگل) سے واپس لاتا۔ اس فواج میں یہ مشہور ہے کہ ایک زمانہ گزر گیا ہے مگر ان کے گلے کی کوئی کمانے یا بھڑ کسی کے گھستہ میں نہ تو چرتی ہے اور نہ منہ ڈالتی ہے۔ حضرت سلطان المشافخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان درخاندان کے کشف و کرامات میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ میں نے ایک درویش سے کہہ سنا کہ (حضرت بہاء الدین) کے بے واسطہ مرید تھے، سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانیؒ) ایک جگہ مشغول عبادت تھے کہ یکایک فرمایا انا لله وانا الیہ راجعون۔ جب لوگوں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضرت شیخ سعد الدین حمویہ اسی وقت انتقال فرما گئے۔

دو مار بھیم اور آٹھ لکھ

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک شریف اور عالم بخارا سے دہلی چلے۔ جب وہ ملتان پہنچے تو غرور کی وجہ سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی ملاقات کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ جب انہوں نے دہلی کی روائٹ کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے ضرور ملاقات کرنی چاہیے۔ آخر کار ان کے اصرار سے حضرت شیخ الاسلام (زکریا ملتانیؒ) کی جانب روانہ ہوئے، جیسے ہی انہوں نے حضرت شیخ کو دیکھا تو جو غرور اور گھمنڈ ان کے دماغ میں تھا سب جاتا رہا۔ ان کے سر پر مضبوط ہگڑی بندھی تھی جس کا دقبہ ہواز لٹک رہا تھا۔ وہ کالیں لٹکائے ہوئے آئے، جب حضرت شیخ

۱۔ فوائد الفواد ص ۲۲۳، سعد الدین حموی کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ ۷۴۵ھ کو ہوا (نفعات الانس ص ۲۷۸)۔

الاسلام کی نظر ان پر پڑی تو مسکرا کر فوراً فرمایا کہ دو مہینوں کو یک جا کیا ہے۔ ان بزرگوار نے فوراً سر منڈوا دیا اور دنبالہ دستار کو لپیٹ لیا۔ بیعت سے مشرف ہوئے اور ان (حضرت زکریا ملتانی) کی خدمت میں رہے۔

مولانا قطب الدین کاشانی

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ہدایونی سے منقول ہے کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ملتان پہنچے تو قباچہ نے کہ جو وہاں کا حاکم تھا، ان کے لیے ایک مدرسہ بنوا دیا، ان کو دوسری جگہ نہ جانے دیا اور وہاں ان کو نہایت عزت و احترام سے رکھا۔ مولانا قطب الدین کاشانی علامہ روزگار اور شرع کے ماہند تھے نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اس مدرسہ میں نماز ادا کرتے اور درس میں مشغول رہتے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی ہر روز صبح کے وقت وہاں آتے اور فجر کی نماز ان کے پیچھے ادا کرتے۔ مولانا قطب الدین کاشانی نے حضرت سے دریافت کیا کہ تم اپنی قیام گاہ سے اتنی دور روزانہ کیوں آتے ہو اور میرے پیچھے نماز پڑھتے ہو۔ حضرت شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ اس حدیث کے مطابق کاوند ہوں :

من صلی خلف عالم فکانما صلی
خلف نبی مرسل
جس نے کسی عالم کے پیچھے
نماز پڑھی گویا اس نے نبی
مرسل کے پیچھے نماز ادا کی۔

مولانا مذکور خاموش ہو گئے۔

دوسرے روز صبح کے وقت حضرت شیخ (زکریا ملتانی) وہاں تشریف لائے۔ مولانا قطب الدین نے نماز فجر کی امامت شروع کر دی تھی اور ایک رکعت نماز پڑھ چکے تھے۔ حضرت شیخ دوسری رکعت میں آئے اور جماعت میں شریک ہو گئے۔ جب مولانا قطب الدین تشہد میں بیٹھے، قبل اس کے کہ وہ سلام پھیریں، حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز تمام کی۔ مولانا قطب الدین نے حضرت شیخ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ سلام پھیرنے سے پہلے نماز سے کیوں الگ ہوئے؟ شاید امام کو سہو ہوا ہو۔ چاہیے کہ سجدہ سہو بجا لائے۔ جب

مقتدی سلام سے قبل کھڑا ہو جائے تو سجدہ سمو نہیں ہو سکتا۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ اگر کسی کو منور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کو سمو نہیں ہوتا ہے تو جائز ہے کہ کھڑا ہو جائے۔ مولانا قطب الدین مذکور نے کہا کہ ہر وہ نور جو شرع کے احکام کے موافق نہیں ہے ظلمت ہے۔ حضرت شیخ نے جب یہ بات سنی پھر وہاں نہ گئے۔

عجم الدین یوسف کاشغری

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک عزیز نے اسی وقت مولانا قطب الدین سے کہا کہ اے غلامِ آپ درویشوں پر اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس جماعت کا ادب کیوں نہیں کرتے؟ مولانا مذکور نے جواب دیا کہ میں نے جس درویش کو دیکھا ہے اس کی مثل دوسرا میں نے نہیں پایا۔ مولانا مذکور نے حکایت بیان کی کہ ایک مرثبہ میں کاشغر میں تھا، میرے پاس ایک قلم تراش تھا، اس کا پچھلا حصہ ٹوٹ گیا، میں اس کو بازار میں لے گیا اور چاقو بنانے والوں کو دکھایا اور ان کے کہا کہ اس قلم تراش کو جیسا تھا ویسا کر دیجیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جیسا تھا ویسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کچھ خامی رہ جائے گی۔ میں نے کہا ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا پہلے تھا۔ ان میں سے ایک نے مجھے ہتھ دیا کہ آگے فلاں دوکان پر جاؤ وہاں ایک بوڑھا چاقو بنانے والا ہے جو صالح ہے اور پاکیزگی میں مشہور ہے۔ اس کے پاس اپنا قلم تراش لے جاؤ اور دکھاؤ۔ شاید درست ہو جائے۔ میں اس دوکان پر پہنچا، میں نے (وہاں) ایک نہایت نورانی شکل بوڑھے کو دیکھا [۱۲۶] میں نے اپنے چاقو کا قصہ اس پر دلتھیر سے بیان کیا۔ میں مذکور نے میری طرف دیکھا، چاقو طلب کیا اور کہا کہ کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لو۔ میں نے اس کے کہنے کے مطابق آنکھیں بند کر لیں اور گوشہ چشم سے دیکھا کہ وہ دستے اور چاقو کو اپنے لبوں کے نزدیک لے گیا اور آہستہ سے دعا پڑھ کر اس پر دم کر دیا اور (چاقو) میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ چاقو پہلے سے بھی بہتر ہو گیا۔ میں اس کے پیروں پر گر پڑا اور کچھ نقد پیش کیا، اس نے قبول نہیں کیا۔ جب میں نے خوشامد کی کہ ضرور قبول کر لیجیے تو جواب دیا کہ تیرا چاقو درست ہو گیا ہے اس سے زیادہ مجھے

پریشان نہ کر۔

جب مولانا قطب الدین نے یہ حکایت ختم کی تو جس عزیز نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم درویشوں پر اعتقاد نہیں رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ مولانا! ان بولے چاقو بنانے والے کا نام نجم الدین یوسف ہے اور وہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید ہیں۔ جب مولانا قطب الدین کلاشی نے یہ بات سنی تو متعجب ہوئے اور اس گفتگو سے جو حضرت شیخ الاسلام سے نماز ادا کرتے وقت ہوتی تھی ہشیمان اور شرمندہ ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ وہاں (ملتان) سے چلے آئے۔ دہلی پہنچے اور وہیں وفات پائی ۲۔

وصال

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی اپنے حجرے میں حق تبارک تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک ایک نورانی شخص ظاہر ہوا اس کے ہاتھ میں ایک سر بسفر خط تھا۔ اس نے وہ خط حضرت شیخ صدر الدین کو جو حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا ملتانی) کے فرزند ارجمند تھے دیا اور ان سے کہا کہ شیخ کو منہا دیجیے۔ حضرت صدر الدین نے جب وہ خط اس کے ہاتھ سے لیا اور اس کے عنوان کو دیکھا تو متعجب و متغیر ہوئے اور اسی وقت حضرت بہاء الدین زکریا کے حجرے میں داخل ہوئے۔ وہ خط حضرت شیخ الاسلام کے دست مبارک میں دیا اور خود حجرے سے باہر چلے آئے تو خط لائے والے نے کہا کہ ہاں۔ حضرت شیخ الاسلام نے جب وہ خط پڑھا تو اسی وقت چشم زدن میں انتقال فرما گئے ۲ اور حجرے

۱۔ فوائد الفواد میں نجم الدین یوسف نام مذکور نہیں ہے۔

۲۔ تاریخ اویچ (ص ۱۳۴ - ۱۳۵) میں ہے کہ مولانا قطب الدین اویچ محلہ جگ پورہ میں دفن ہوئے اور مؤلف تذکرہ بہاء الدین کا بیان ہے کہ وہ ملتان میں دفن ہوئے (ص ۱۲۸ - ۱۳۲)۔ سیر العارفین کے اس بیان کی روشنی میں یہ دونوں باتیں محل نظر معلوم ہوتی ہیں۔

۳۔ فوائد الفواد ص ۳۷۵، تاریخ وصال بہاء الدین زکریا ملتانی ۷ صفر ۵۶۱ھ۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دسمبر ۱۹۶۲ء میں حضرت زکریاؒ کی درگاہ پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی۔

کے چاروں کونوں سے آواز آئی کہ دوست اپنے دوست کے پاس پہنچ گیا۔ جب حضرت صدر الدین نے آواز سنی فوراً حجرے میں دوڑے کہ حضرت رحلت فرما چکے ہیں۔

مشائخ اربعہ

حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے [۱۲۷] کہ حضرت شیخ المشائخ سعد الدین حموی، حضرت شیخ المشائخ سیف الدین باخری، سلطان المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور سلطان المشائخ بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی ایک زمانے میں تھے۔ اول شیخ سعد الدین حموی نے رحلت فرمائی۔ ان کے تین سال بعد حضرت سلطان المشائخ سیف الدین باخری نے رحلت فرمائی۔ ان کے تین سال بعد خلاصۃ المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے وصال فرمایا اور ان کے تین سال بعد سلطان المشائخ فرید الدین مسعود اجودھنی دار فانی سے رخصت ہوئے۔

-
- ۱۔ یہ سطور فوائد الفواد (ص ۳۷۵) سے ماخوذ ہیں۔ اس میں پانچ بزرگوں کا ذکر ہے، پانچویں بزرگ ابوالفیث یمنی ہیں جن کا انتقال ۸۶۵۱ میں ہوا (نفعات الانس ص ۳۷۰-۳۷۱) نیز دیکھیے سیرالاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۸۱۔
 - ۲۔ فوائد الفواد (ص ۷۵) میں تین تین سال کے وقفے سے رحلت ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ سعد الدین حموی کا انتقال (ہروایت نفعات الانس ص ۲۷۸) ۸۶۵۰ میں ہوا۔ غوث حموی کے علاوہ ہر ایک کی رحلت میں تین تین سال کا فاصلہ ہے۔

حضرت سلطان المشائخ والاولیاء شیخ

صدر الدین عارف

آن کو ہر مدین حق الیقین	تازہ ز آب کمرش جاغ دین
دایہ ز ہائی ہلا نک صلا	غرقہ وحدت بخلاہ و ملا
تبعہ امواج دل پاک او	عقل فرو مانندہ زادزاک او
خاک درش از رہ عز و جلال	سرمہ چشم دل اہل کمال
نور دلفی یقین تافتہ	قرب مع اللہ ز صفا یافتہ
صدر نشیں گشتہ بعرض ہرین	گشتہ خطایش ز خدا صدر دین
یافت بجای خوشی از یاد او	ذکر جمیلش شدہ اوراد او

وہ انوار جبروت کے آثار کے جامع ، اسرار لاهوت کی خبروں کے سننے والے ، میدان فتوت کے سوار ، بستان مروت کے گلزار ، میر باللہ کے اچھی طرح دیکھنے والے ، اللہ کے ماسوا وجود کی نفی کرنے والے ، میخانہ مراد کے مست ، ویرانہ ایجاد کے خزانے اور علم اسرار و معارف کے عالم تھے ۔

سلطان المشائخ صدر الدین عارف ، مشائخ کبار میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے ۔ وہ خطرات میں انوار وحدت کے دم ساز ، اصل و فرع سے واقف ، زہد و ورع میں مشہور ، سیر وحدت میں صاحب معراج اور علم معرفت میں بہتے ہوئے دریا تھے ۔

شیخ عارف

ان کو شیخ عارف اس وجہ سے کہتے تھے کہ جب وہ کلام اللہ پڑھتے تھے تو اس پر بہت غور و فکر فرماتے تھے اور جس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو ان پر دوسرے معانی و مطالب ظاہر ہوتے ۔ ان کی عجیب عالی ہمت تھی کہ دنیاوی سامان میں سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے ۔

غریب دنیا

اس فقیر (جہاں) نے حضرت شیخ بہاء الدینؒ سے سنا ہے کہ جس وقت آسمان مشیت کے آفتاب شیخ بہاء الدینؒ زکریا ملتانی نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو انہوں نے چہ لڑکے اور ساتویں شیخ صدر الدین چھوڑے۔ ان کا جو اسباب و نقد متروک تھا وہ تقسیم ہوا۔ ان حضرت (شیخ صدر الدین) کو دوسرے اسباب اور سامان کے علاوہ سات لاکھ تنکے ورثہ میں ملے۔ انہوں نے اسی دن (یہ سامان) درویشوں میں تقسیم کر دیا، ایک درم یا دینار اپنے پاس نہ رکھا یہاں تک کہ ان درویشوں میں سے ایک درویش نے [۱۲۸] ان سے عرض کیا کہ آپ کے ہندو بزرگوار کے خزانے میں اتنا سامان اور نقد تھا وہ آہستہ آہستہ خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ نے کیوں یکبارگی سب ختم کر دیا، اور غریب و تجرید کو اختیار کیا۔ حضرت شیخ صدر الدین نے جواب دیا کہ میرے والد ہمیشہ دنیا پر غالب رہتے تھے اور اس کو مغلوب کر کے خرچ کرتے تھے، میں اگرچہ دنیا پر بیشتر غالب ہوں ہوں لیکن کبھی میں اس کو مساوی بھی ہاتا ہوں یعنی نہ غالب ہوتا ہوں نہ مغلوب، ایسا نہ ہو کہ کبھی وہ غالب آجائے مجبوراً اس مردم آزار سے کو اپنے سے دور کر دیا اور اس کو دور کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیا۔

ان کے بہت سے مرید اہل کشف و کرامات تھے۔ وہ ایک عالم کو لوحاد و ہدایت فرماتے تھے۔ ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ابو الفتح ایسے تھے جو دنیا کو روشن کرنے والے آفتاب تھے۔

شیخ جہاں اوجی

ان کے خلیفہ شیخ جہاں خندانؒ رو اوجی ایسے تھے جو صاحب حال اور اہل کمال تھے۔ اگرچہ وہ (جہاں خندان رو) حضرت شیخ بہاء الدینؒ زکریا کے مرید تھے لیکن ان کی تربیت حضرت شیخ صدر الدینؒ نے کی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ

۱۔ تاریخ فرشتہ ۲ : ۳۰۸۔

۲۔ شیخ جہاں نامور محدث، متورع عالم، صاحب نسبت درویش اور شیخ صدر الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ اوج میں ان کا ایک مدرسہ اور خانقاہ تھی۔ حدیث کا درس دیتے تھے۔ خزینۃ الصغیاء ۲ : ۲۶-۲۷، تاریخ اوج ص ۱۳۹، غدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۸۵-۸۷۔ مترجم مجد ایوب قادری نے اکثر ان کے مزار کی زیارت کی ہے۔

بہاء الدین ذکر کیا ہے ان کے متعلق شیخ صدر الدین عارف کو وصیت کی تھی کہ کبھی شریف میں ایک نہایت قابل اور مستعد درویش ہے۔ اس نے ابھی تک کسی درویش سے تعلق پیدا نہیں کیا ہے ، اس کا پورا پورا حصہ ہمارے خاندان میں ہے۔ اگرچہ وہ ہم تک نہیں پہنچا ، ہمارے انتقال کے بعد تمہاری جانب توجہ کرے گا اور خرقہ کی خواہش کرے گا۔ اس کو اس وقت جذبے نے مغلوب کر لیا ہے۔ جس وقت وہ تمہارے پاس آئے تو پہلے دن اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دینا۔ تین روز تک خلوت میں بٹھانا ، اور تلاوت قرآن کا حکم دینا تا کہ جذبے کی شدت سے حالت شعور میں آ جائے ، آداب صحبت بجا لانے اور اس کو سلوک کے طے کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو۔ اس کے بعد اس کو اپنے پاس بلانا اور لباس کی قسم میں سے جو کچھ ہمارے پاس ہے تم کو پہنچا ہے اس میں سے نصف اس کو دے دینا اور کہنا کہ نصف میرا ہے اور نصف تمہارا ہے مگر حضرت شیخ الشہوخ شہاب الملت والدین کا جو خرقہ میں نے تم کو دیا ہے وہ مت دینا۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ بہاء الملت والدین نے شیخ صدر الملت والدین کو یہ نصیحت کی کہ اس سے بغل گیر نہ ہونا ، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے تمام نعمت لے لے۔ نصف ہاتھ دینا اور کہنا کہ نصف میرا ہے اور نصف تمہارا۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے اس لیے کہ یہ بات میزان درویشی میں کوئی وزن نہیں رکھتی کہ مرید اپنے سے نعمت چھین لے اور اس کو خالی کر دے ، بلکہ یہ جس کسی کو نعمت عطا کرتا ہے وہ خدا کے ہمیشہ باقی رہنے والے خزانے سے عطا ہوتا ہے اور وہاں کوئی کمی نہیں۔

ایک درویش صدر الدین سیستانی تھے جو زیادہ تر کشمیر کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگ ان کو کشمیری بھی کہتے ہیں۔ انشا اللہ ان کا کمال ان کے حالات کے ذکر میں بیان کیا جائے گا۔

شیخ احمد معشوق

ان کے ایک مرید اور محبوب شیخ احمد بن شیخ عبد معشوق تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی نے [۱۲۹] کتاب فوائد الفواد میں ذکر کیا ہے کہ ان پر جذبہ غالب تھا اور وہ مشغولی حق میں انتہائی مستغرق رہتے تھے اور آنکھ نہیں

کہوتے تھے۔ ایک مرتبہ موسم سرما کی ہوا تھی، پانی نہایت ٹھنڈا تھا۔ وہ صبح کے وقت غسل کے لیے پانی میں داخل ہوئے اور بہت دیر تک اس میں کھڑے رہے اور مناجات پڑھتے رہے کہ

”اے اللہ! تو حقیقت میں بادشاہ ہے اور اپنے بندوں کی اطاعت سے بے نیاز ہے اور انتہائی لطف و عنایت سے اپنے بے بضاعت خالص بندوں کو اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے۔ جب تک تیری محبت کے بارے میں اپنا مرتبہ نہ معلوم کر لوں گا اس پانی سے ہر گز باہر نہیں آؤں گا۔“

ان کو آواز آئی کہ تیرا یہ مرتبہ ہے کہ بہت سی مخلوق کو تیری شفاعت سے دوزخ سے آزاد کر دوں گا اور جنت کے باغ میں داخل کروں گا۔ شیخ احمد نے کہا ”اے خدا تیری عطا اور نعمت کی کوئی حد نہیں ہے اور تیری عنایتوں کا کوئی شمار نہیں ہے، میں اس پر اکتفا نہیں کرتا ہوں۔“

ارشاد ہوا کہ میرے تمام طالب میرے عاشق ہیں لیکن ہم نے تجھ کو نوازا اور اپنا معشوق بنایا۔ احمد مذکور نے جب یہ بات سنی تو باہر نکل آئے، کپڑے پہنے اور وہاں سے چل دیے۔ (اب وہ جہاں کہیں پہنچتے آواز سنتے کہ احمد معشوق آتا ہے۔ آخر کار ان کا جذبہ اس حد تک پہنچ گیا کہ نماز بھی ختم ہو گئی چنانچہ اس زمانے کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اس بے شعوری اور مستی سے اپنے آپ کو ہوش و حواس اور خدا پرستی کی حالت میں لانا چاہیے، ہاتھوں وقت کی نماز ادا کرنی چاہیے۔ شیخ احمد معشوق نے کہا کہ میں نماز ادا کر سکتا ہوں مگر بغیر سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) کے پڑھوں گا۔ علماء نے کہا کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز درست نہیں۔ پھر شیخ احمد نے کہا کہ اگر سورۃ فاتحہ پڑھوں گا تو ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ نہیں پڑھوں گا۔ غرض علماء اور فقہاء نے ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور نماز پوری کرنی چاہیے۔ آخر کار ان کی تنبیہ سے انہوں نے خود کو نماز کے لیے آمادہ کیا اور سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی۔ جب وہ ”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ پر پہنچے تو ان کے جسم کے مسامات سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے، چنانچہ ان کا تمام خرقہ خون آلود ہو گیا۔ انہوں نے فقہاء کی جانب رخ کیا اور کہا کہ اے عزیزو! میں حائضہ عورت (کی طرح) ہوں، میرے لیے نماز جائز نہیں ہے۔“

شیخ احمد معشوق کا تالہ ہونا

اس حقیر (جہاں) نے مولانا عزیز اللہ ملتانی سے جو شہر کے مدرس تھے، سنا کہ شیخ احمد مذکور ایک تاجر کے لڑکے تھے جس کا نام محمد قندھاری تھا۔ شیخ احمد مذکور تباہی کے لیے قندھار سے ملتان آئے تھے۔ ان کے پاس بہت مال و اسباب تھا۔ وہ شراب پینا کرتے تھے اور ایک لحظہ بھی شراب کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ بازار کے راستے میں ایک دوکان پر بیٹھے تھے کہ حضرت سلطان العارفین صدر الحنفی و الدین حضرت سلطان المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبرے کی زیارت کے بعد سے نکلے۔ انہوں نے گوشہ چشم سے احمد مذکور کو دیکھا، اپنے خاص خادم کو ان کے پاس بھیجا (اور کہا) کہ ”چونکہ تو اس کو جانتا ہے (اس لیے) میرے پاس لا“۔ خادم مذکور، احمد کو شیخ صدر الدین کی خدمت میں لایا۔ شیخ صدر الدین، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مقبرہ مطہرہ کی طرف متوجہ تھے، زیارت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے اور احمد مذکور کو اپنے ہمراہ [۱۳۰] لے گئے۔ گرمی کا موسم تھا، حضرت شیخ صدر الدین نے شربت طلب کیا اور تھوڑا سا اس میں سے پیا اور جو پیالی میں باقی رہا وہ احمد کو دے دیا۔ جب اس پیے ہوئے شربت میں سے ایک گھونٹ ان کے حلق سے اُترا تو احمد کے دل میں معرفت کے دروازے کھل گئے۔ انہوں نے فوراً توبہ کی اور مرید ہو گئے اور جتنا اسباب اور نقد پاس تھا سب خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم کر دیا، تارک الدنیا ہو گئے اور سات سال ایک ہی شلوار میں گزار دیے حضرت شیخ صدر الدین ان کو ہر نفس میں ہزار فیض پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ اہل ولایت سے ہونے اور ان کا درجہ معشوق تک پہنچا۔

مولانا علاء الدین خجندی

ان کے دوسرے خلفاء میں ہندوستان کے ملک میں خجند کے باشندے مولانا علاء الدین ہیں جو علم و عمل میں ممتاز اور صدق و صفا میں عزم راز ہیں، تقریباً چودہ

۱۔ شیخ احمد معشوق (ف ۵۷۲۳/۱۳۲۳ ع) کچھ دنوں ہدیولہ میں رہے۔ ملاحظہ ہو تجلیات اولیائے سہرورد از مولانا ضیاء القادری ہدیولی ص ۷۷ (آستانہ زکریا ملتان جنوری ۱۹۵۸ ع)۔

۲۔ در نسخہ اول (ص ۱۰۱) چار سال۔

تک وہ شیخ صدر الدین کی خدمت میں رہے اور مقام قرب پر فائز ہوئے۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف ان کو محبوب اللہ کہتے تھے اور ایک طہنت مولانا علاء الدین اکثر سلطان الاوتاد حضرت (صدر الدین) کی صحبت میں رہتے تھے اور ان کو دن رات میں دو قرآن کریم ختم کرنا لازمی تھے۔

زمخشری ، صاحب کشاف کا ذکر

[کتاب فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء ہدایونی سے منقول ہے کہ حضرت شیخ صدر الدین نے ابتدائی زمانے میں اپنے پدر بزرگوار سے جو صاحب کمال تھے نسخہ ”مفصل“^۱ کی بابت عرض کیا کہ جو تفسیر کشاف کے مصنف زمخشری کی تصنیف ہے کہ علم نحو میں قابلیت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ آج کی رات صبر کرو اور اس کے مصنف کے احوال معلوم کر لو۔ انہوں نے اسی رات کو واقعہ دیکھا کہ زمخشری کو کہ جو اس کتاب کا مصنف ہے طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے دوزخ کو لیے جا رہے ہیں۔ اس واقعہ کے دیکھنے کے بعد ”مفصل“ کو ترک کر دیا۔]

شیخ رکن الدین کا قرآن حفظ کرنا

اس احقر الانام (جالی) نے مولانا امام الدین مبارک ملتانی سے کہ جو شیخ ابو بکر ژندہ پوش حاکم کے استاد تھے، سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ صدر الدین عارف دریا کے کنارے کہ جو ملتان سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے، وضو کر رہے تھے اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سات سال کے تھے اور اپنے پدر بزرگوار کے پاس قرآن یاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدر الدین جہاں کہیں جاتے شیخ رکن الدین کو اپنے سے جدا نہیں کرتے، وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے۔ ناگہ ایک طرف سے ہرنوں کا ایک گلدہ ظاہر ہوا۔ اس گلدے میں ایک ہرنی تھی، اس کے پیچھے اس کا بچہ تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کی نظر ہرنی کے اس بچے پر پڑی جو اپنی ماں

۱۔ قوسین کی عبارت یعنی زمخشری، صاحب کشاف کا واقعہ نسخہ اول (ص ۱۰۱) میں منقول نہیں ہے۔

۲۔ المفصل فی صناعتہ الاعراب صاحب تفسیر کشاف کی مشہور کتاب ہے، چار اقسام پر مشتمل ہے، اسماء، افعال، حروف وغیرہ۔

۳۔ فوائد الفواد ص ۱۸۸۔

کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین چونکہ مجھے تھے اس لیے
 ہرنی کے اس بھی کی طرف مائل ہو گئے۔ وہ ہوراگہ نظروں سے غائب ہو گیا اور
 شیخ مذکور کی نظر اسی طرف رہی کہ جس طرف ہرنوں کا وہ گاہ گیا تھا۔ کچھ
 دیر بعد جب شیخ صدر الدین وضو سے فارغ ہوئے اور دوکانہ ادا کر چکے [۱۳۱]
 تو شیخ رکن الدین کو اپنے پاس بلایا، بٹھایا اور قرآن شریف منکویا کہ وہ
 قرآن پڑھیں۔ شیخ رکن الدین اتنے ذہین تھے کہ روزانہ چوتھائی پارہ یاد کر لیا
 کرتے تھے۔ پڑھنے کے بعد اس کو تین مرتبہ میں حفظ کر لیتے تھے۔ شیخ صدر الدین
 عارف نے آج دس مرتبہ پڑھایا، چونکہ ان کا دل متوجہ نہ تھا اس لیے (سبق) یاد
 نہ ہوا۔ حضرت شیخ (صدر الدین) نے دریافت حال کیا۔ بعض حاضرین جو اس
 قسم سے واقف تھے، ہرن کے گلے کا ادھر سے گزرنا اور ان کا ہرنی کے بھیہ کو دیکھنا
 کہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، بیان کیا۔ جب شیخ صدر الدین کو
 معلوم ہوا کہ ان کا دل اس سبب سے متوجہ نہیں ہے۔ کچھ دیر تامل کیا اور فرمایا
 کہ ہرنوں کا گاہ کس طرف کیا۔ شیخ رکن الدین نے کہا کہ بابا ہرنی کا عجیب
 بیہ ماں کے پیچھے تھا۔ اور جس طرف وہ گیا تھا بتایا۔ حضرت شیخ صدر الدین نے
 کچھ دیر اس طرف نظر جمالی، اسی وقت وہ ہرنی بھیہ کے ہمراہ دکھائی دی کہ
 دوڑی ہوئی چلی آ رہی ہے، یہاں تک کہ شیخ رکن الدین کے قریب آ گئی اور کھڑی
 ہو گئی۔ شیخ رکن الدین نے اس ہرنی کے بھیہ کو گود میں لیا، اس کی ہمشانی کو
 ہوسہ دیا اور اس کی ماں کے دودھ اس کے منہ میں دیے۔ کہتے ہیں کہ اسی دن
 آدھا پارہ قرآن حفظ کر لیا، اس ہرنی اور بھیہ کو لائے، خانقاہ میں چھوڑ دیا۔
 عرصے تک وہ وہاں رہا۔

ایک دانشمند کے حافظ قرآن کا واقعہ

مولانا فتح اللہ کاتب سے سنا گیا ہے کہ جو شہر ملتان کے استاد تھے اور
 وہاں کے علماء کو درس دیا کرتے تھے، ان کے لڑکے مولانا ابراہیم اور مولانا عزیز اللہ
 و مولانا امام الدین سب ان کے شاگرد تھے، وہ اب بھی قبتہ الاسلام ملتان میں
 درس دیا کرتے تھے۔ ملک العلماء مولانا فتح اللہ اس درویش (جالی) سے بہت محبت
 رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے بیس سال کی عمر تک کوئی علم حاصل

ہیں کیا تھا۔ قرآن بھی پوری طرح یاد نہیں کیا تھا کہ ایک رات حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا کہ مسجد میں بیٹھا ہوں، کھانے سے بھرا ہوا لکڑی کا ایک پیالہ سامنے رکھا گیا۔ میں بھی مسجد کے گوشے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ان کی قدم بوسی سے مشرف ہوا گویا کہ میں دعا کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اگر علم میسر نہیں ہے تو ان کی ہرکت سے قرآن ہی پڑھ لوں۔ یہی میری نیت تھی اور یہی عرض کیا۔ اس پیالے سے چند لقمے (تھوڑی سی) کھیر نکالی اور میرے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ کھا لو اور سورہ یوسف یاد کرو۔ اسی وقت کھیر کا وہ لقمہ منہ میں رکھا اور نگل گیا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے دل میں ایک راحت اور روشنی پائی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کی زیارت سے مشرف ہوا اور فجر کی نماز مولانا وجیہ الدین احمد کی اقتدا میں کہ جو [۱۳۲] اس متبرک مقام (خانقاہ) کے امام تھے پڑھی۔

مولانا مذکور حافظ تھے اور خوش آواز تھے۔ ان کی قرآن خوانی کو سن کر لوگوں کے ہوش جاتے رہتے تھے، پس میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ روزانہ شیخ کی زیارت کے لیے پہنچوں اور نماز فجر ادا کروں۔ اسی طرح کرتا رہا اور روزانہ ساعت بہ ساعت مجھے تعلیم کا شوق زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک دن میں نے اپنا حال مولانا وجیہ الدین احمد سے بیان کر دیا۔ کھیر کے لقمے کا واقعہ کہ جو شیخ صدر الدین نے مجھے دیا تھا اور سورہ یوسف کے حفظ کرنے کا حکم، یہ سب ان سے کہہ دیا۔ پس مولانا مذکور اٹھے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے، خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ایسا ہی کرنا چاہیے اور بہت کوشش کرنی چاہیے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب شیخ صدر الدین نے تمہارے اوپر عنایت فرمائی ہے تو سعادت کے دروازے ضرور کھل جائیں گے۔ دوسرے روز میں وہ قرآن کریم جو میرے پاس تھا مولانا مذکور کے حضور میں لے گیا اور پہلے وہی سورہ یوسف شروع کی چنانچہ صرف ہائے روز میں حفظ کر لی۔ مولانا مذکور کو تعجب ہوا۔ میرے قرآن پڑھانے میں انہوں نے بہت کوشش کی۔ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت شیخ کی ہرکت سے تقریباً سات مہینے میں میں نے کم و بیش تمام قرآن حفظ کر لیا اور تحصیل علم میں مشغول ہو گیا۔

میں حضرت سلطان العلماء والصلحاء مولانا ثناء الدین کی خدمت میں گیا کہ

جنہوں نے چند سال تک شہر شیراز میں سید شریف سے تحصیل علم کیا تھا جو صاحب برکت تھے اور صلاحیت میں بے نظیر تھے۔ حضرت شیخ صدر الدین کے دیکھنے اور حفظ قرآن کرنے کا واقعہ سب ان سے عرض کیا۔ پس حضرت مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ ان کے اظہار مسرت نے میرے دل کو قوی کیا۔

شیخ صدر الدین کی برکت سے اولاد ہونا

مولانا فتح اللہ نے فرمایا کہ میرے والد مولانا قطب الدین بہرام کے کوئی اولاد نہ تھی، میں بڑھاپے میں پیدا ہوا۔ میرے والد بزرگوار حافظ تھے اور ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ ہر جمعہ کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضے کی زیارت سے مشرف ہوتے اور ایک قرآن کا ثواب اس نیت سے ان کی روح کو بخشتے کہ میرے یہاں فرزند پیدا ہو۔

ایک شب جمعہ کو ختم کلام اللہ کے بعد حالت غنودگی میں دیکھا کہ حضرت شیخ صدر الدین نے دو چھوڑے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ مولانا قطب الدین جاؤ ایک خرما خود کھانا اور دوسرا خرما اپنی بیوی کو کھلانا۔ انشاء اللہ تمہارے یہاں نیک بخت فرزند ہوگا۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد وہ اس مقبرہ متبرکہ سے باہر آئے، دیکھا کہ ایک بزرگ [۱۳۳] نورانی صورت نے دو خرمے ان کو دیے، وہ نہایت خوش و خرم اپنے گھر آئے۔ ایک خرما خود کھایا اور دوسرا میری ماں کو کھلایا، ان کی برکت سے میں پیدا ہوا۔ حضرت مولانا فتح اللہ نے فرمایا کہ میں نے جب ان (اپنے والد) سے یہ خواب سنا تو میں دوڑا اور میں نے اپنا چہرہ ان کے مزار مقدس سے ملا۔ ان کی محبت سے اپنے دل کو مالا مال کیا۔ اسی روز سے تحصیل علم میں مشغول ہو گیا چنانچہ تھوڑی سی مدت میں اپنے مقصد کو پہنچ گیا۔

شیخ بدہ کا واقعہ

اس درویش (جالی) نے حضرت شیخ بہاء الدین سے سنا ہے کہ وہ اپنے والد

بعض کتابوں میں ”سناء الدین“ لکھا ہے۔
۱۔ نسخہ اول (ص ۴۰) میں بہاء الدین زکریا اور صدر الدین دونوں کا ذکر ہے۔

بزرگوار شیخ بدہ فتح اللہ کی مقبولیت کی بابت فرماتے تھے کہ ان کے ہڑوس میں ایک (ملک) سردار تھا جو بہت صالح تھا - وہ خواجہ بدہ سے بہت محبت رکھتا تھا - اس ملک (سردار) کے چند گاؤں تھے - اس نے خواجہ (بدہ) سے بہت عاجزی اور انکسار سے عرض کیا کہ میرے مواضع میں چلے جائیے اور ان مواضع کی اراضیوں کی پیمائش کرائیے اور وہاں کا معمول جمع کر کے میرے پاس بھیجیے - خواجہ مذکور انتہائی خوشامد کی وجہ سے ان مواضع میں چلے گئے اور پیمائش شروع کر دی - تاکہ رات کو خواب میں دیکھا گیا خواجہ مذکور کو منع کیا گیا ہے کہ یہ کام تیرے لائق نہیں ہے ، اس کو جلد چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے مکان چلے جاؤ - علی الصبح دیہات کی رعایا خواجہ کے پاس آئی اور کہا کہ خواجہ صبح ہو رہی ہے - جلد سوار ہو کر چلیے تاکہ بعض زمینوں کی پیمائش ہو جائے - خواجہ اسی وقت سوار ہوئے اور اپنے مکان چلنے کا ارادہ کیا ، رعایا کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی سبب جو ہم کو معلوم نہیں ہے، اس سے مولانا کو انقباض ہوا ہو - خواجہ نے فرمایا کہ دوستو ! اطمینان رکھو تمہاری وجہ سے مجھے کوئی انقباض نہیں ہے بلکہ میں نے حضرت شیخ صدر الدین کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے مجھے اس کام سے روکا ہے - مجھ کو اس کام سے پرہیز کرنا چاہیے اور اپنے مکان کو واپس چلا جانا چاہیے -

مختصر یہ کہ جب مکان پہنچے اور مواضع کے مالک نے سنا کہ خواجہ زمینوں کے کام کو چھوڑ کر گھر آ گئے تو اس کو خیال ہوا شاید رعایا نے اطاعت نہیں کی اور کوئی سرکشی کی ہے تاکہ مواضع کا لگان مجھ تک پورا نہ پہنچے - اس نے دوبارہ پھر خوشامد کی ، خواجہ نے بہت عذر کیا اور خواب کی کیفیت بیان کی مگر ملک (سردار) مذکور نہ مانا اور کہا کہ ایک مرتبہ تو جس طرح بھی ہو ضرور چلے جائیے اور پیمائش کرائیے ، خواجہ نے اس کے اصرار کو جب بہت زیادہ دیکھا تو بکراہت قبول کیا -

۱ - تعجب ہے کہ زمانہ حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے شیخ ساء الدین کے باپ کا نام فخر الدین لکھ دیا ہے ، دیکھیے المشاہیر ص ۲۸ ، شمس التواریخ ۲ : ۳ ، سلسلہ عالیہ ص ۱۱ - ۱۲ -

۲ - نسخہ اول (ص ۱۰۵) میں ہے کہ خواب میں صدر الدین نے منع کیا -

وہ اسی روز بالا خانے پر تجدید وضو کے لیے گئے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ (صدر الدین) ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا کہ بھاشی کے حساب کے لیے قلم نہ چلانا اور اس کام میں مشغول نہ ہونا۔ انھوں نے خواجہ مذکور کا ہاتھ پکڑا اور زمین پر گرا دیا [۱۳۴] وہ بے ہوش ہو گئے، ان کے لڑکوں اور متعلقین نے جب یہ حال دیکھا تو ان کے منہ پر ہانی چھڑکا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے حضرت شیخ کا تمام واقعہ بیان کیا اور تحریر کے کام سے استغفار کیا اور وہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ہوئے۔

غیاث الدین بلبن کے بیوی کا واقعہ

یہ حکایت تحریر میں ہے اور سب کو معلوم ہے کہ جس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے قدر خان کو چتر و مسند عنایت کی اور اسے قبة الاسلام شہر ملتان کی طرف روانہ کیا تو حضرت شیخ صدر الدین وہاں تھے۔ قدر خان حضرت شیخ (صدر الدین) کی ملاقات کی سعادت سے مشرف ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اس تمام ولایت کا انتظام کر لیا، وہ نہایت خوش طبع اور لطیف مزاج جوان تھا۔ خواجہ حسن اور خواجہ خسرو اس کے پاس تھے اور وقتاً فوقتاً اس سے انعام ہاتے رہتے تھے۔ اس کی طبیعت نہایت سوزوں تھی۔ اگرچہ خود کبھی شعر نہیں کہتا تھا لیکن شاعروں کی صحبت کی طرف اس کی طبیعت مائل تھی۔ اس کی ایک بیوی تھی، نہایت حسینہ و جمیلہ۔ وہ ہمیشہ اس کی صحبت سے خوش رہتا لیکن (شہزادہ) شرابی اور رند مشرب تھا۔ اس کی بیوی اس کی شراب نوشی کی کثرت سے متنفر تھی۔ وہ سلطان رکن الدین ابراہیم پسر سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تھی۔ قدر خان مذکور کو اس عزیزہ سے اس بنا پر رنج ہو گیا۔ یہ قدر خان نہایت تنک مزاج، زود رنج، بے پروا اور غیر مستقل مزاج بھی تھا۔ اس نے اس (بیوی) کو تین طلاقیں دے دیں۔ دو تین روز کے بعد اس کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت پریشان ہوا۔ جب صبر ناقابل برداشت ہو گیا تو اس نے شہر کے عالموں کو اپنے

۱۔ نسخہ اول (ص ۱۰۶) میں شہزادے کا نام خضر خان ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے محمد کو ملتان کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور فرشتہ (ص ۱ : ۳۱۱ - ۳۱۱) نے یہ واقعہ شہزادہ محمد سے متعلق لکھا ہے۔

پاس بلوایا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ علمائے جو مسئلہ ہے وہ اس کو بتا دیا کہ (یہ بیوی) دوسرے نکاح اور شب عروسی کے انعقاد کے بغیر تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے۔

قدر خاں نے جب یہ بات علماء سے سنی تو بہت متفکر ہوا۔ سرخ چہرہ زرد ہو گیا۔ مسند سے اٹھا اور اندر چلا گیا۔ اس نے قاضی اثیر الدین! خوارزمی کو جو اس کے ہمدرد و ہم راز تھے اندر بلایا اور اپنا تمام درد دل ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ اس کام میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر میں اس کو اس حالت میں بلا لوں تو اس میں شک و شبہ نہیں کہ قیامت کے دن شرمندہ اٹھوں گا اور اگر اسی طرح علیحدہ چھوڑتا ہوں تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ قاضی اثیر الدین نے عرض کیا کہ اس جگہ (ملتان میں) پاک ذات اور فرشتہ صفات حضرت سلطان المشائخ شیخ صدر الدین ہیں، مناسب یہ ہے کہ مصلحتاً ان سے نکاح کرا دیا جائے اور پھر ان سے علیحدہ کر لیں (طلاق دلا لیں) تاکہ (پھر وہ) آپ کے لیے جائز ہو جائے۔ قدر خاں چار و ناچار رضا مند ہو گیا [۱۳۵]۔

پس قاضی اثیر الدین نے لوگوں سے چھپا کر یہ کام انجام کو پہنچایا۔ کچھ دنوں کے بعد قدر خاں نے قاضی اثیر الدین کو خفیہ طور سے حضرت (صدر الدین) کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اب اس کو طلاق دے دینی چاہیے۔ حضرت شیخ نے تامل کیا اور متفکر ہونے لگے، وہ منکوحہ حضرت شیخ کے پیروں پر گر پڑی اور اس نے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی خدمت سے علیحدہ نہ کیجیے، شیخ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں تجھ کو اپنے پاس رکھوں گا اور اس کو ہرگز نہیں دوں گا۔ انہوں نے قاضی اثیر الدین سے کہا کہ یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی کہ میں اس کو طلاق دوں اور اپنے مکان سے نکالوں۔ قاضی مذکور نے حضرت شیخ سے جب یہ بات سنی تو گویا اس کے لیے موت آ گئی، وہ وہاں سے اٹھے اور قدر خاں کے پاس آئے۔ قدر خاں کو ان کے تغیر حال اور تحیر سے معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ اس کو طلاق دینے اور اپنے سے علیحدہ کرنے پر رضا مند نہیں ہیں۔ اس نے قاضی اثیر الدین کی طرف رخ کیا اور پوچھا۔ قاضی

نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا ۔

یہ سنتے ہی قدر خاں نے تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ اس کو قتل کر دے ، اس لیے کہ اس فتنے کی بنیاد اسی نے ڈالی ۔ پھر اس نے کچھ دیر غور کیا اور کہا کہ مجھ جیسے آدمی کا خون بہانا بے فائدہ ہے ، کل جس وقت موقع ملا اگر شیخ کے خون سے اپنے گھر کا فرش رنگین نہ کر لیا تو میں اس عورت سے بھی کم ہوں جو اس وقت اس کے گھر میں ہے ۔ اس نے یہ بات زبان سے کہی اور فوجیوں کو بلایا ۔ حکم دیا کہ دس ہزار سوار جرار شمشیر زن تیر انداز اگر صبح کے وقت حاضر نہ ہوئے تو اپنے اپنے سروں سے ہاتھ دھو لیں ، اس نے یہ بات نماز ظہر کے وقت کہی ۔ غصہ و قہر کے غلبے کی وجہ سے نہ شراب پی نہ کھانا کھایا ، چنانچہ تمام ملتان میں ہول قیامت رونما ہو گیا کہ دیکھیے کل دیا ہوتا ہے لیکن حضرت شیخ پر اس گفتگو سے کوئی اثر نہ ہوا ۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے عصر اور مغرب کے درمیان خبر پہنچی کہ تقریباً بیس ہزار جنگجو اور جگر خوار سوار اوپر کے علاقے سے ملتان کے نواح میں داخل ہو گئے ۔ قدر خاں مذکور کو تعجب ہوا ۔ وہ جنگ میں اپنے آپ کو رستم زال سمجھتا تھا ۔ حکم دیا کہ تمام شہری اور سپاہی مستعد ہو کر میرے ساتھ آئیں تاکہ پہلے ان کو ختم کروں اور پھر شیخ کو ٹھکانے لگاؤں ۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ چاشت کے وقت تک لشکر آرامتہ ہوا اور دوپہر تک دشمن کے لشکر پر جا پڑے ۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی کہ کسی کو ایسی جنگ یاد نہیں تھی ۔ مغلوں کا کافی لشکر بھگا دیا اور منتشر کر دیا ، کچھ قتل ہوئے ۔ نماز ظہر کے وقت (شہزادہ) حوض کے کنارے آیا ۔ ہانسو سوار اس کے ہمراہ تھے اور بقیہ لشکر مغلوں کے تعاقب میں تھا ۔ عین نماز کا وقت تھا کہ دشمن کے لشکر کا سردار ناگہاں دو ہزار سوار لے کر حوض پر پہنچا ۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے ۔ تلوار کھینچ کر ان پر حملہ کر دیا اور قدر خاں مذکور کو مع اس کے ہمراہیوں کے شہید کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور سامان لے کر [۱۳۶] اپنی راہ لی ۔ نماز مغرب کے وقت یہ خبر قبۃ الاسلام شہر ملتان میں خاص و عام میں پھیل گئی ۔ مغلوں نے اپنا راستہ لیا اور اہل ملتان کو کوئی ضرر نہ پہنچا اور وہ عورت (مذکورہ) حضرت شیخ صدر الدین کی صحبت اور برکت سے دین کی درستی میں فاطمہؑ زمان اور یقین کی پختگی میں مریمؑ زمانہ ہوئی ۔

۱ ۔ شہزادہ محمد نہایت لائق ، مہذب ، ذی علم اور علماء و فضلاء کا قدر دان تھا ۔

الہدیٰ شود بر او گہر

شیخ رکن الدین فردوسی سے منقول ہے کہ جو شیخ المشائخ شیخ حبیب الدین کے پیر ہیں، (شیخ نجیب الدین) شیخ المشائخ شیخ شرف الدین منبری کے پیر ہیں، حضرت منبری بہار میں مدفون ہیں۔ جس زمانے میں میں نے خراسان سے دہلی کا ارادہ کیا اور ملتان پہنچا تو حضرت شیخ الاسلام صدر الدین سے ملاقات کی۔ اس وقت ایام بیض (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ) تھے اور میرا روزہ تھا۔ حضرت شیخ نے کھانا طلب کیا۔ ان کے حضور میں لوگ بہت تھے، کچھ علماء اور کچھ فقراء تھے۔ جب دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا چنا گیا تو میں نے دیکھا کہ کھانا بہت تھا اور سب پر تکلف تھا جیسا کہ بادشاہوں کے دستر خوان پر ہوتا ہے۔ میں بہ نسبت اور درویشوں کے حضرت شیخ کے نزدیک تھا۔ حضرت کے سامنے مزعفر کا ایک بڑا خوان رکھا گیا اور دوسرا صابونی کے حلویے کا خوان تھا۔ حضرت شیخ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ کہجیے، درویشوں کی بسم اللہ بہتر ہے۔ میں المرجہ روزہ دار تھا مگر بحکم

من اکل من الممغفور فهو مغفور جس نے مغفور کا دبا کھایا وہ مغفور ہے

یہ نہ کر سکا کہ اس سعادت سے اپنے کو محروم رکھتا۔ بسم اللہ کی اور کھانا شروع کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ نہایت رغبت سے کھانا کھا رہے تھے اور ہر قسم کے کھانے کی جانب راغب تھے۔ سیرے دل میں خیال آیا کہ

امیر حسن سجزی اور امیر خسرو جیسے اکابر شعراء اس کے دربار سے منسلک تھے۔ ان حضرات نے اس کے درد ناک مرثیے لکھے ہیں۔ تاریخ فرشتہ (۱: ۴۱۰) اور تاریخ فیروز شاہی (برنی) میں بھی شہزادہ کے اخلاق و کردار کی مقبول و محمود تصویر ملتی ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی اس روایت کا ذکر نہیں کرتا۔ طبقات اکبری (۱: ۸۸) میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خواجہ نظام الدین کو اس کی صحت میں شک ہے۔ لہذا یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۱۳)۔

۱۔ دیکھیے تاریخ فرشتہ ۲: ۴۱۱۔

ایہم بھیں کے روزے نہ رکھنا اگر سپانوں کی خاطر ہے، تھا تو کھائے میں تقلیل بہتر تھی۔ جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں گزرا تو فوراً شیخ صدر الدین نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ درویش رکن الدین! جو حرارت (باطن) ہے غذا روز کر سکتا ہے اور (حق تک) لوگوں کو پہنچا سکتا ہے، اس کے لیے یہ ضروری ہیں کہ وہ تقلیل غذا بھی کرے

چونکہ لقمہ می شود بر تو گھر تن مزن ہر چند بتوانی بخور

شیخ حسام الدین ملتانی بدایونی

حضرت مولانا (حسام الدین) ملتانی سے منقول ہے کہ جو شہر بداؤں میں مدفون ہیں۔ وہ حضرت شیخ صدر الدین کے ایک با کمال مرید تھے۔ چنانچہ ان کا ذکر شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی نے کتاب فوائد الفواد میں کیا ہے کہ مولانا مذکور (حسام الدین) نے ایک رات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر بیٹھے وضو فرما رہے ہیں۔ علی الصبح مولانا حسام الدین اس جگہ پہنچے۔ دیکھا کہ اس جگہ کی زمین تر ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا مزار اس جگہ بنایا جائے اور اس وقت مولانا مذکور (حسام الدین) کا مزار شہر بداؤں میں اسی جگہ ہے۔ میں (حسام الدین) ایک دن حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں [۱۳۷] حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زریا ملتانی کے روضہ مبارک پر حاضر تھا۔ شیخ صدر الدین زیارت سے فارغ ہونے کے بعد باہر تشریف لائے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کی پائینی ایک مزار کی زمین کے لیے درخواست کروں۔ (شاید) ان کے قریب ہونے کی برکت سے روح سے نجات پا جاؤں۔ میرے دل میں یہ خیال آئے ہی شیخ (صدر الدین) میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مولانا حسام الدین! میری طرف سے تمہارے مزار کی زمین کے لیے کوئی عذر نہیں ہے لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے مزار کے لیے زمین شہر بداؤں میں تجویز فرمائی ہے۔ تمہاری سی یقیناً وہیں کی ہوگی؟

۱ - فرشتہ (۲ : ۱۱۱) اور ہزم صوفیہ (ص ۱۰۸) میں ہے کہ خود شیخ رکن الدین نے سوچا کہ میں نے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا۔ اب صرف افطار ہی ہر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے۔

۲ - شیخ حسام الدین معروف بہ جال ملتانی (ف ۶۸۷/۵۱۲۸۸) کے لیے ملاحظہ

ابراہیم لودی کی تخت نشینی

اس کتاب کا مصنف اہل اللہ کا معتقد احقر العباد فضل اللہ جالی کرتا ہے کہ جب سلطان سکندر (لودی) نے وفات پائی اور رحمت حق سے جا ملا تو اس کا بیٹا لڑکا سلطان ابراہیم تخت نشین ہوا۔ سلطان سکندر مذکور اخلاق جمیدہ سے آراستہ اور اوصاف پسندیدہ سے پیراستہ اور بہت نفیس طبیعت انسان تھا۔ وہ زیادہ تر شعر گوئی کے شغل میں رہتا تھا اور اہل فلاح سے بے حد محبت اور اصحاب صلاح سے بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں اس درویش (جالی) سے خاص طور سے بے انتہا محبت و مؤدت رکھتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دوستوں میں اختلاف ہو گیا اور اس کی تمام جماعت منتشر ہو گئی۔ کچ طبع، کم فہم اور بد خلق لوگ سلطان ابراہیم کے دربار میں داخل ہو گئے۔ چند افغان جو سرکشی میں بے نظیر اور فتنہ پردازوں میں سے تھے، سلطان (ابراہیم) کی خلوت و جلوت کے محرم راز بن گئے۔ سلطان کا ایک استاد تھا جس کا نام فرید تھا، نہایت ذلیل و ناہنجار۔ وہ ہمیشہ فتنہ و فساد کی فکر اور تدبیر میں رہتا تھا۔ وہ صاحب اعتبار ہو گیا اور ایک بے مثل وزیر جو نہایت عقل مند اور اہل کمال تھا اور علماء و فقراء کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا، اس کا نام بہوہ تھا اور سلطنت کو اس کی ذات سے استحکام تھا، بغیر کسی جرم و خطا کے سلطان ابراہیم کی وزارت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

شیخ جالی کا سلطان سکندر کا مرثیہ لکھنا

میں (جالی) اس زمانے میں سلطان سکندر کا مرثیہ لکھ رہا تھا اور اس کا ایک شعر مشہور و معروف تھا

اے سلیمان زمان آہ کجانی آخر تا کنم پیش تو از فتنہ دیوان فریاد

یہ تذکرۃ البیاضین میں ۳۷ - ۳۸ ، اخبار الاخبار ص ۸۴ ، فرشتہ ۲ : ۴۰۳ ، فوائد الفواد ص ۳۵۱ - ۳۵۲ -

۱ - سکندر لودی ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ کو فوت ہوا۔

۲ - میان بہوہ ابن خواص خانی وزیر خاص اور میر عدل سکندر لودی تھا۔ اس نے معدن الشفائے سکندر شاہی ایک معرکہ کی کتاب لکھی۔ میان بہوہ اور کتاب

کے لیے دیکھیے تحقیقی مقالے (ڈاکٹر نذیر احمد) ص ۱۵۱ - ۱۶۰ ، طبقات اکبری ۱ : ۳۴۷ -

اس فرہد مذکور نے اس شعر کو بادشاہ (ابراہیم لودی) کے سامنے پیش کر دیا اور سلطان ابراہیم کو دوسرے افغانوں کے ساتھ بتایا کہ شیخ جالی نے تم کو دہو (شیطان) کہا ہے، چنانچہ بادشاہ اور ان افغانوں کو پورے طور سے مجھ سے بدظن کر دیا۔ اگرچہ کسی شخص کی یہ طاقت نہ تھی کہ مجھے نقصان پہنچا سکے تاہم بمقتضائے بشریت مجھے فکر و اندیشہ ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا [۱۳۸] کہ ایک شخص نورانی صورت سبز کمبل میں میرے پاس تشریف لائے کہ حضرت سلطان المشائخ صدر الدین نے ملتان سے یہ آپ کے لیے بھیجا ہے، اس کو اوڑھ لیجیے۔ میں نے اس کپڑے کو اوڑھ لیا اور نماز شکرانہ ادا کی۔ جب بیدار ہوا تو وہ معمولی سی فکر جو پیدا ہو گئی تھی قطعاً جاتی رہی اور سلطان ابراہیم کی وہ کدورت محبت سے بدل گئی۔

شیخ عبدالغفور لائن کا خواب

اسی زمانے میں زیدۃ العلماء و خلاصہ العلماء شیخ عبدالغفور المعروف بہ شیخ لائن نے خواب میں دیکھا اور تبھ سے فرمایا کہ ایک بلند محل ہے اور تم اس محل کے اوپر بیٹھے ہو اور میں راستے سے گزر رہا ہوں۔ جب تم نے مجھ کو دور سے دیکھا تو فوراً محل سے نیچے اترے۔ تم ایک صاف اور روشن زرہ پہنے ہوئے ہو اور اس زرہ کے حلقے ہر سونے کے ہانی سے حضرت مخدوم پیر دستگیر کا نام شیخ ساء الدین لکھا ہے۔ میں نے جب تمہارے جسم پر وہ زرہ دیکھی تو دریافت کیا کہ ایسی زرہ کہیں نہیں دیکھی گئی، تم نے کہاں سے حاصل کی۔ تم کہتے ہو کہ سلطان المشائخ صدر الدین عارف الہی نے مجھے عنایت کی ہے۔ اس حالت میں میں بیدار ہو گیا۔

شیخ جالی کی اکابر صوفیہ سے ملاقات

یہ احقر الانام (شیخ جالی) کعبہ معظمہ کے سفر مقدس میں شہر ہری (ہرات) پہنچا اور وہاں کے اکابر سے ملا مثلاً حضرت شیخ صوفی جو حضرت شیخ زین الدین

- ۱۔ شیخ نصیر الدین کے بیٹے اور شیخ ساء الدین کے پوتے تھے، نامور عالم اور شیخ طریقت تھے۔
- ۲۔ نام شیخ علی (ف ۸۹۰) خزینۃ الاصفیاء (۲ : ۳۲۶)۔
- ۳۔ زین الدین المتوفی ۸۳۸ھ۔

خوئی کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت شیخ محمد روجیؒ کہ جو واصلان حق سے تھے اور حضرت شیخ عبدالعزیزؒ جاسی کہ جو مشیخت میں ممتاز تھے اور مولانا نور الدین عبدالرحمان جاسی کہ جو زمانے کے محققین سے تھے اور علم ظاہر و باطن میں بے مثل تھے اور شاعری میں سمدیؒ روزگارؒ تھے اور خلاصہ علمائے عظام حضرت شیخ الاسلامؒ کہ جو شاہ اسماعیل (صفوی) کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور اس کے کہلم کہلا ظلم و زیادتی سے ان کے ہاک عقیدے میں فرق نہ آیا اور حضرت مولانا مسعود شرفانیؒ کہ جو ہر علم میں اعلم العلماء تھے اور حضرت مولانا حسینؒ واعظ کہ جو مشاہیر زمانہ سے تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور لاریؒ کہ جو حضرت باری تعالیٰ کے مقبول بندوں میں تھے اگرچہ یہ تمام بزرگوار اس حقیر (جالی) سے نہایت محبت

- ۱۔ مولانا جاسی کے فیض یافتہ تھے، نام مولانا شمس الدین محمد، ف ۸۲۰ھ - ۸۹۰ھ خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۵۹۰، کشف الحقیقت ص ۳۸، رشحات ص ۱۷۷۔
- ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڑھ) کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ جاسی ہوں کیونکہ عبدالعزیز جاسی کا تعین نہیں ہو سکا۔ اردو ادب (علی گڑھ) جولائی تا ستمبر ۱۹۵۳ء ص ۱۲۵۔
- ۳۔ مولانا نور الدین عبدالرحمان جاسی پیدائش ۸۱۷ھ/۱۴۱۳ء وفات ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء ان کی مشہور کتاب نفعات الانس ہے دیکھیے رشحات ص ۱۳۳ - ۱۶۳ کشف الحقیقت ص ۳۸، نور الدین عبدالرحمان جاسی (فہرس مولفات) نصر اللہ مبشر الطرازی و مطبع دارالکتب قاہرہ ۱۹۶۳ء
- ۴۔ شیخ الاسلام سیف الدین احمد ملا سعد الدین قفتازانی کی نسل سے تھے۔ بڑے بڑے نامور علماء ان کے شاگرد تھے جب شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۱۸ھ میں ہرات پر قبضہ کیا تو وہ شہید ہوئے۔ تاریخ رشیدی، واقعات باہری حوالہ اردو ادب جولائی تا ستمبر ۱۹۵۳ء ص ۱۲۵۔
- ۵۔ کمال الدین مسعود، وفات ۹۰۵ھ (اردو ادب ص ۱۲۵)۔
- ۶۔ لطف الدین علی بن الحسین الواعظ کاشفی، ان کی تالیفات میں اخلاق محسی اور تفسیر حسینی مشہور ہیں۔ وفات ۹۳۹ھ/۱۵۳۲ء (خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۲۶ - ۳۲۷)۔
- ۷۔ عبدالغفور لاری وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء، جاسی کے شاگرد، نامور عالم مصنف اور شیخ طریقت تھے دیکھیے رشحات ص ۱۶۳ - ۱۷۳ کشف الحقیقت ص ۳۸۔
- ۸۔ نسخہ اول (ص ۱۱۳) میں قاضی معین الدین کا بھی نام دیا ہے۔

رکھتے تھے لیکن اس درویش کی قیام گاہ حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمان جامی کا مکان تھی۔

لمعات عراقی پر مولانا جامی کی رائے

میں ایک دن ان (جامی) کے حجرۂ خاص میں ان کے پاس بیٹھا تھا اور حضرت شیخ فخر الدین عراقی کی کتاب ”لمعات“ رکھی تھی۔ اچانک حضرت مولانا عبدالرحمان جامی نے حضرت شیخ صدر الدین قونوی کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ (شیخ صدر الدین قونوی) حضرت محی الدین ابن عربی کے مرید تھے۔ (شیخ جامی نے) فرمایا کہ یہ ”لمعات“ ان عالی درجات (شیخ صدر الدین قونوی) کی توجہ [۱۳۹] کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے تحریر کر دیا ہے۔ ان کا یہ فرمنا مجھے کچھ ایسا نہیں لگا۔ میں نے کہا کہ ہر شخص کا مرتبہ حق تعالیٰ سے ہوشیہ نہیں ہے کہ جو اس کا عطیہ ہے۔

خدا تعالیٰ کے حکم سے اسی شب مولانا مشار الیہ (جامی) نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہر نور چبوترہ ہے اور اس پر شیخ المشائخ والاولیاء شیخ صدر الدین عارف درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور مولانا فخر الدین عراقی حضرت کے جوتے لیے ہوئے یا ادب کھڑے ہیں اور اس فقیر (جامی) کی طرف اشارہ کیا۔ تم بھی اس مجلس میں موجود ہو۔ میں (جامی) بھی داخل ہوا اور حضرت (صدر الدین عارف) کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر شرف حاصل کیا۔ چنانچہ ان کی دہشت نے مجھ پر اثر کیا اور تم (جامی) مجھ سے کہتے ہو کہ حضرت (فخر الدین عراقی) کا مرتبہ معلوم ہوا۔ میں (جامی) کہتا ہوں کہ حق تمہاری (جامی کی) جانب تھا۔

جب صبح کے وقت مولانا مشار الیہ (جامی) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ خواب بیان کیا اور ان (بزرگوں) کی روح پاک کے لیے فاتحہ پڑھی۔

-
- ۱۔ صدر الدین عارف کے وصال میں اختلاف ہے تاریخ فرشتہ (۲ : ۳۱۱) میں ۷۷۶ھ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے سفینۃ الاولیاء اور مرآۃ الاسرار میں ۷۸۳ھ (ہجری) صوفیہ ص ۱۱۹) تذکرہ صدر الدین عارف (نور احمد خان فریدی) میں سال وصال ۷۷۹ھ لکھا ہے۔ تاریخ انتقال ۳ ذی الحجہ ہے۔ ستمبر ۷۹۲ھ کو خاکسار مترجم حضرت صدر الدین عارف کے مزار پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی۔

حضرت شیخ المشائخ شیخ رکن الملت والدین ابوالفتح

جہان معرفت سلطان معنی وجودش آیتے در شان معنی
دلہن از طلعت اسوار مسرور ہمیشہ جانش از انوار معمور
بیاطن در حقیقت رفتہ بیباک بظاہر در شریعت چست و چالاک
پزیدہ گردن شیطان خناس مریدانش ز تیغ پاس انفاس
ہملک فقر از کشف و کرامت زدہ بر عرش کوس استفادت
کمالی پاک از طامات در شطح یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
ہملک فقر جز نعمت نبودش جالی ریزہ چیں خوان وجودش

وہ شہود الہی کے معجز، بے انتہا بخشش کے منبع، وحدت کی جنت کے ادریس،
ارح معرفت کے برجیس، صفات لا ریب کی کان کے موقی، دریائے غیب کی لہر
کے موقی اور حق الیقین کے فضل کی کنجی تھے۔

شیخ المشائخ قطب المدار ابوالفتح رکن الدین ۴ مشائخ کے گروہ میں
منتخب خدا اور صاحبان ولایت میں پسندیدہ باری تعالیٰ تھے۔ وہ نہایت عظیم القدر
شیخ (طریقت) تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں کامل اور کشف و کرامات میں مشہور
تھے۔ ان کی وضع اور طور طریقے عجیب و غریب تھے۔

والدہ ماجدہ

اپنے بزرگوار دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے منظور نظر اور اپنے
واند حضرت شیخ المشائخ صدر الدین عارف الہی کی آنکھوں کے نور تھے۔ ان کی
والدہ ماجدہ کا نام راستی تھا، وہ اپنی راستی و درستی میں رابعہ عصر تھیں اور قرآن
کی حافظہ تھیں۔ روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ اپنے خسر حضرت شیخ الاسلام
بہاء الدین زکریا ملتانی کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ وہ شب ماہ (چودھویں تاریخ) کو
حضرت بہاء الدین زکریا کے سلام کے لیے [۱۴۰] آئیں۔ حضرت شیخ رکن الدین

سات سہننے کے ان کے شکم میں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اور دنوں سے زیادہ
 اچ ان کی تعظیم کی۔ چنانچہ ان کو تعجب ہوا کہ یہ تعظیم و تکریم معمول کے
 مطابق نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے بی بی! یہ تعظیم اس شخص کی ہے
 جو تیرے شکم میں ہے اور ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے خانوادے کی
 شمع ہے۔

— — —

میں نے اپنے پر شیخ بہاء الدین سے سنا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ المشائخ
 بہاء الدین زکریا ہلنگ پر بیٹھے تھے اور ان کی دستار مبارک ہلنگ کے ہالے پر
 رکھی تھی اور حضرت شیخ صدر الدین عارف ہلنگ کے نیچے دو زانو با ادب
 بیٹھے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح اس زمانے میں چار سال کے تھے اور
 ہلنگ کے چاروں طرف ہی ہکڑے کھوم رہے تھے۔ جب ہلنگ کے اس ہالے کے پاس
 پہنچے کہ جس پر حضرت شیخ الاسلام کی دستار رکھی تھی انہوں نے ایک دم اٹھا
 کر اپنے سر پر رکھ لی۔ حضرت شیخ صدر الدین نے آواز دی کہ اے رکن الدین!
 بے ادب، مت اُڑو۔ حضرت کی دستار سر سے اتار دو، ہلنگ کے اسی ہالے پر رکھ
 دو۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ صدر الدین اس کو منع مت کرو کہ
 اس نے استحقاق کی بناء پر (ہکڑی) سر پر رکھی ہے۔ میں نے یہ دستار اس کو دے
 دی۔ چنانچہ وہ دستار اسی طرح بندھی ہوئی صندوق میں رکھ دی گئی۔

قبلہ حاجات

جب اپنے والد کے بعد شیخ صدر الدین سجادہ نشین ہوئے تو انہوں نے وہی
 دستار سر پر رکھی اور اپنے والد کا وہ خرقہ پہنا کہ جو حضرت شیخ الشیوخ
 شہاب الدین نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو عطا فرمایا تھا۔
 ان (رکن الدین) کا عجب ایثار تھا۔ جو گروہ ان کے پاس پہنچتا اور اس کا جو
 مدعا ہوتا اس کو پورا کرتے چنانچہ غناوق (خدا) حضرت کو ”قبلہ حاجات“ کہا
 کرتی تھی۔ ان کی روش حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر کی مانند تھی اور ان کی

۱۔ فرشتہ ۲: ۳۱۱۔

۲۔ فرشتہ ۲: ۳۱۱۔

۳۔ رجوع خلق بہت تھا۔ سند و ہند کے لوگ تعلق رکھتے تھے (ہری ص ۳۳۸)۔

محاسن میں جو بات بھی کسی کے دل میں گزرتی تھی ان کو معلوم ہو جاتی تھی۔
سبحان اللہ! اس سے زیادہ کما بزرگی ہو سکتی ہے۔

سید جلال بخاری، المعروف بہ مخدوم جہانیاں جیسے ان کے مرید اور مسترشد
تھے۔ اسی طرح شیخ عثمان سیاح جو دہلی میں آرام کرتے ہیں، ان کے مرید اور تربیت
یافتہ تھے۔

دہلی میں آمد اور سلطان علاء الدین کا استقبال کرنا

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جب شیخ
رکن الدین ابوالفتح ملتان سے دہلی آئے تو ان کی ظاہری و باطنی عنایات کی وجہ
سے مخدوق (خدا) کے لیے ہر روز، روز عید تھا [۱۴۱] اور شب، شب قدر۔ وہ دو
مرتبہ سلطان علاء الدین نے زمانے میں دہلی آئے اور تین مرتبہ سلطان قطب الدین
کے زمانے میں آئے۔ سلطان علاء الدین باوجودیکہ آشوب چشم میں مبتلا تھا مگر
حضرت کے استقبال کے لیے سوار ہو کر گیا اور نہایت اعزاز کے ساتھ ان کو شہر
میں لایا اور دو لاکھ تنکے حضرت کے آنے کے وقت شکرانے میں اور ہانچ لاکھ
تنکے رخصت کے وقت پیش کیے۔ وہ دو لاکھ ندرے جو آنے کے وقت حضرت کے
پاس بھیجے تھے، حضرت نے اسی روز تقسیم کر دیے اور ہانچ لاکھ جو رخصت کے
روز دیے تھے، (وہ بھی) اسی روز تقسیم کر دیے۔

حضرت (رکن الدین ابوالفتح) کو شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء سے بہت
محبت تھی، جیسا کہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ میں ملتان سے دارالخلافت دہلی
حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے عشق و محبت میں آتا ہوں۔

قرآن السعدین

نقل ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز کیلو کھری کی مسجد میں نماز پڑھی

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ لاکھوں تنکوں کے نذرانے کی روایت
کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، یہ سلطان کی روش کے خلاف تھا۔ جالی نے سہروردیہ
سلسلے میں منسلک ہونے کی وجہ سے بغیر تحقیق لکھ دیا ہے (سلاطین دہلی
کے مذہبی رجحانات ص ۲۰۰ - ۲۰۱)۔

۲۔ تعلقات کی نوعیت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی نماز
جنازہ حضرت رکن الدین ابوالفتح ملتانی نے پڑھائی (سیر الاولیاء ص ۱۴۱)۔

اور دونوں بزرگوار (شیخ رکن الدین ابوالفتح اور شیخ نظام الدین اولیاء) ایک دوسرے سے ملے۔ اس کے بعد حضرت (رکن الدین) شیخ نظام الدین اولیاء کے مکان پر تشریف لائے۔ اس مجلس میں صاحب حال اور اہل کمال درویش موجود تھے۔ مولانا علم الدین علامہ کے دل میں کہ جو ان کے بھائی تھے، خیال آیا کہ چونکہ اس وقت یہاں قرآن السہدین ہے، اگر ان بزرگوں سے کوئی علمی نکتہ دریافت کیا جائے تو بہت بہتر ہو۔ دونوں بزرگوں نے ان سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے بیان کرو۔ مولانا علم الدین نے کہا کہ اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت شیخ رکن الدین نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف تھے کہ مکہ معظمہ سے وہاں پہنچیں اور وہ کمالات حاصل ہوں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ بعض ناقص اہل مدینہ اننی قوت و استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ مدینہ سے مکہ معظمہ آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ بھیج دیا تاکہ وہ ناقص (اہل مدینہ) کمال حاصل کریں۔ مختصر یہ کہ ان دونوں بزرگوں (شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی و شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی) کی گفتگو سے یہ تواضع ظاہر ہوئی۔

سلطان سے ملاقات اور رعایا کی شکایات

نقل ہے کہ سلطان علاء الدین نے اپنے سلطان قطب الدین کے زمانے میں بھی (رکن الدین ملتانی) دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ اکثر ان دونوں بزرگوں میں رابطہ خلوص و محبت قائم ہوتا۔ حضرت [۱۴۲] شیخ رکن الدین ملتانی کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدین سے ملنے کی خواہش ہوتی اور دربار نہ جاتے تو وہ تخت رواں کہ جس پر بیٹھے تھے، اس کو کچھ دیر انتظار میں روکے رکھتے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی عرضیاں لکھ کر ان کے تخت

۱۔ در نسخہ اول (ص ۴) نیسبہ، در فرشتہ (۲: ۴۱۲) غمو زادہ۔ مؤلف بزم صوفیہ

(ص ۲۶۴) نے لکھا ہے کہ ان کے بھائی شیخ عہاد الدین اسماعیل نے پوچھا۔

۲۔ سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۱ - ۱۲۳۔

روان پر ڈال دیتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ وہ تخت روان پر سوار ہو کر شاہی محل کو روانہ ہوتے۔ تیسری دہلیز پر سلطان استقبال کے لیے آتا اور اندر لے جاتا۔ دو زانو ہو کر با ادب حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بہت بڑی بات سمجھتا۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیاں لائے اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور ہر عرضی کا مناسب جواب اس کی پشت پر لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت اس وقت تک وہاں سے واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے۔

بابا فرید کا عرس اور مجلس سماع

سید خورشید مبارک کرمانی سے نقل ہے کہ ایک دن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عرس تھا، حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح بھی موجود تھے، قوالوں نے سماع شروع کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کو وجد و حال آیا، وہ چاہتے تھے کہ کھڑے ہو جائیں۔ حضرت سلطان المشائخ رکن الدین نے اپنے ہاتھ سے ان کا دامن پکڑ لیا اور ان کو کھڑا نہ ہونے دیا کہ وہ اٹھ کر وجد میں آئیں اور گھومیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ (نظام الدین اولیاء) پھر وجد کے ارادے سے اٹھے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کا دامن نہیں پکڑا بلکہ خود بھی دیگر مشائخ کی طرح کھڑے ہو گئے۔

جب سماع اور دعوت کے بعد اپنے مکان پر واپس آئے تو مولانا علم الدین علامہ نے عرض کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ پہلی مرتبہ وجد کے قیام کے وقت آپ نے حضرت (نظام الدین اولیاء) کا دامن کیوں پکڑ لیا تھا اور ان کو کھڑا کیوں نہیں ہونے دیا اور دوبارہ جب وہ وجد کے ارادے سے اٹھے تو آپ نے ان کے دامن پر ہاتھ نہیں ڈالا اور کھڑے ہونے سے نہیں روکا، اس کا کیا سبب

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح اور سلاطین دہلی کے تعلقات کے سلسلے میں ملاحظہ ہو (۱) بزم صوفیہ، ص ۲۶۳۔

(۲) سلاطین دہلی نے مذہبی رجحانات ص ۲۶۹ - ۲۷۱۔

The Suharwardi Silsilah and its influence on medieval Indian Politics by (Khaliq Ahmed Nizami, Delhi--1957) p 18--21.

بھا۔ حضرت سلطان المشائخ رکن الدین نے جواب دیا کہ میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا۔ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ میں نے ان کو عالم جبروت میں دیکھا اور اپنا ہاتھ روک لیا۔

ہل کا گرنا اور غیاث الدین تغلق کی موت

مولانا ضیاء الدین برنی سے نقل ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین کے انتقال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین خاص طور سے ان کی زیارت کے لیے شہر ملتان سے دہلی تشریف لائے [۱۰۴۳] یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا زمانہ تھا، اس زمانے میں سلطان مذکور بنگالہ سے دارالخلافہ دہلی واپس آرہا تھا۔ حضرت شیخ سلطان کے استقبال کے لیے دو تین کوس گئے اور اس سے ملے۔ شہر دہلی سے تقریباً دو کوس کے فاصلے پر سلطان مذکور کے بیٹے سلطان غیاث نے ایک نئی عمارت بنوائی تھی اور سلطان اس عمارت میں ٹھہرا اور حضرت شیخ (رکن الدین) بھی وہاں موجود تھے۔ کھانا لایا گیا۔ سلطان نے چاہا کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس جگہ سے تغلق آباد جائے۔ کھانے کے دوران (شیخ رکن الدین نے) سلطان سے فرمایا کہ بہت جلد اس عمارت سے باہر نکل آؤ، اس لیے کہ نئی عمارت ہے۔ سلطان نے کہا کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ بعد میں سے باہر آؤں گا، پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ جلد باہر نکل آؤ۔ حضرت شیخ نے یہ کہا اور کھانے سے بغیر ہاتھ دھوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی دوسری دہلیز تک نہیں پہنچے تھے کہ عمارت گر گئی۔ سلطان اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے (سب) عمارت کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔ حضرت شیخ (رکن الدین) سلامت رہے۔

شیخ وجیہ الدین عثمان سناسی

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ المشائخ وجیہ الدین عثمان سناسیؒ کہ اب ان کا مقبرہ دہلی میں واقع ہے، اس زمانے میں حضرت شیخ رکن الدین کے

۱۔ فرشتہ ۲: ۱۲۴۔

۲۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) (ص ۴۵۲-۴۵۳) میں سلطان غیاث الدین تغلق کی موت کے سلسلے میں رکن الدین ابوالفتح کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۳۔ شیخ وجیہ الدین سناسی (المتوفی ۷۳۸ھ/۱۳۳۸ء) کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۳۱، تذکرہ شیخ رکن عالم ص ۷۲۔

مرید ہوئے تھے ! لیکن خرقہٴ خلافت سفر سے واپسی کے بعد ملتان میں پایا تھا۔
وہ مشہور شیخ (طریقہ) ہیں۔

قاضی وجہ سناسی کے بیٹے ہیں۔ ابتدائی زمانے میں وہ بہت پریشان تھے جب
وہ شہر مندر سے دہلی آئے [تو درباریوں کے پاس مارے مارے بھرتے تھے کہ
عزری کی جگہ ان کا تقرر کروا دیں] ایک دن ان کا گزر کیلو کھری کی طرف
ہوا۔ انہوں نے شیخ رکن الدین ملتانی کو دیکھا کہ دریائے جمنا کے کنارے
نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب ان کی نظر ان کے چہرہ مبارک پر پڑی تو دوڑے اور اپنا سر
ان کے قدموں پر رکھ دیا اور حضرت کے مرید ہو گئے۔ وہ شیخ عثمان کو اپنے
ہمراہ ملتان لائے۔ وہ دو سال تک شیخ رکن الدین کے ساتھ رہے، انہوں نے اسی
زمانے میں قرن حنفیہ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین مہروردی کی کتاب عوارف
(شیخ رکن الدین سے) پڑھی اور وہاں سے اجازت لے کر مکہ معظمہ چلے گئے۔

حضرت شیخ نصیر الدین سے منقول ہے کہ میں نے شیخ عثمان کو دیکھا تھا
جس روز وہ مرید ہوئے، اسی دن ترک دنیا کر دی تھی۔ ایک لنگی کے سوا کہ جس
سے اپنے ستر کو پوشیدہ رکھ سکیں کوئی کپڑا ان کے جسم پر نہ تھا، یہاں تک
کہ سر سے ہگڑی بھی اتار دی تھی اور اسی طرح سلطان رکن الدین کی خدمت میں
رہتے۔ ایک دن حضرت شیخ سے اجازت لی اور اسی تہجد کو باندھے ہوئے روانہ ہو گئے،
نہ ان کے پاس لوٹا تھا اور نہ عصا۔ اسی طرح تنہا میاحی کی۔ جب مکہ معظمہ
پہنچے [۱۳۴]، حج کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور حضرت رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس متبرک مقام (مدینہ) پر رہے، پھر
زمانہ حج میں بیت اللہ آئے۔ دوپہر کے وقت طواف کر رہے تھے، سخت گرمی تھی،
شیخ عثمان نے خواجہ خضرؒ کی طرف دیکھا کہ انہوں نے اپنی آستین سے ان کے
سر پر سایہ کر لیا ہے۔ انہوں نے فوراً طواف ترک کر دیا اور وہاں سے روانہ چل
پڑے اور اکثر انبیاء کی زیارات سے مشرف ہوئے۔ ساتویں سال کے بعد اسی
طرح تنہا ننگے سر ملتان پہنچے اور اپنا گرد آلود چہرہ اسی لباس میں کہ جو
پہنے ہوئے تھے اپنے پر شیخ رکن الدین کے قدموں سے ملا۔ حضرت شیخ ان سے

۱۔ نسخہ اول (۲: ۷) میں ہے کہ ”جس زمانے میں عبارت مذکور منہدم ہوئی تھی۔“

۲۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲: ۷) میں نہیں ہے۔

بغل گیر ہوئے، ان کے سر اور آنکھوں کو چوما اور قوما یا کہ اس روز طواف کعبہ میں خواجہ خضرؒ نے اپنی آستین کا سایہ تمھارے سر پر کیا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ جلد چلے آئے ورنہ مخلوق میں فتنہ پیدا ہو جاتا۔ (حضرت نے) اسی وقت اپنا لباس مبارک پہنایا اور اپنے سر سے پکڑی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔

شیخ عثمان کا دہلی پہنچنا

چند روز کے بعد دہلی جانے کی اجازت دی اور کہا کہ جاؤ حضرت شیخ نظام الدین وہاں ہیں، تم بھی دہلی میں رہو۔ زیادہ تر حضرت کی خدمت میں رہنا۔ جب وہاں پہنچو تو حضرت (شیخ نظام الدین) سے ملاقات کرنا اور میرا سلام پہنچانا اور وہ جس جگہ حکم فرمائیں وہاں رہنا۔ حضرت شیخ عثمان سیاح نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ دہلی پہنچے تو اول حضرت شیخ نظام الدین سے ملے اور حضرت شیخ رکن الدین کا سلام پہنچایا۔ چنانچہ حضرت (نظام الدین) اٹھے اور (جواب میں) وعلیکم السلام فرمایا اور شیخ عثمان سیاح سے اس قدر اظہار محبت فرماتے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ شیخ عثمان اکثر سیاح سے وجد و حال کی کیفیت میں آ جاتے اور از خود رفتہ ہو جاتے۔

یہ بات اس محضر سے پہلے کی ہے کہ جو سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی وجہ سے جاری کیا تھا۔

مجلس سیاح

(غیاث الدین تغلق نے) ایسا حکم دیا تھا کہ اگر کوئی مطرب یا قوال گانا گائے اور ایک آواز بھی منہ سے نکالے تو کدی سے اس کی زبان کھینچ لی جائے۔ چنانچہ کسی قوال کی یہ ہمت نہ تھی کہ اس زمانے میں گانا گائے۔ ایسا سنا گیا ہے کہ عثمان سیاح اپنے جماعت خانے میں بیٹھے تھے، امیر ساخت کا بیٹا حسن قوال کہ حضرت سلطان الشائخ نظام الدین نے اس پر کرم و نوازش فرمائی تھی اور انہوں نے اس کو تمام قوالوں کا سردار بنا دیا تھا، شیخ عثمان سیاح [۱۳۵] کے جماعت خانے کے دروازے پر سے ہو کر گزرا۔ دو تین اور (قوال) اس کے ہمراہ تھے۔ اس نے حضرت شیخ (عثمان سیاح) کو بیٹھے دیکھا چو کہ وہ جانتا تھا کہ حضرت شیخ نظام الدین کے راز دار اور دوست ہیں، وہ فوراً (جماعت خانے) میں داخل ہوا

اور شیخ (عثمان سیاح) سے ملاقات کرو کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ اس کے گانے پر فریفتہ تھے۔ انہوں نے جب اس کو دیکھا تو اپنے قریب بلا یا فرمایا کہ اے حسن! کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ نقش و عمل (اقسام سرود) سے کوئی چیز آہستہ آہستہ میرے کان میں کیے۔ اس نے جواب دیا کہ اے شیخ! آپ خوب جانتے ہیں کہ سلطان کا کس قدر تاکید حکم ہے کہ کوئی شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن نہیں پڑھ سکتا چہ جائیکہ گانا، پھر شیخ نے فرمایا کہ یہاں کوئی غیر نہیں ہے، دروازے کی زنجیر ڈالے دیتا ہوں، آہستہ آہستہ سن لوں گا۔ جب حسن مذکور نے شیخ کا اس قدر اصرار دیکھا تو وہ بھی مجبور ہو گیا۔ اس نے ابک شعر پردہ عشاق (اسلوب سرود) میں شروع کیا۔

زاہد ز دین برآمد و صوفی ز اعتقاد ترما پدی شد و عاشق ہاں کہ ہست
اس کے سنتے ہی حضرت شیخ از خود رہتہ ہو گئے اور وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ کے واسطے بلند آواز سے کہو۔ حسن بھی حضرت شیخ (عثمان) کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہو گیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ جیسا کہ (گانا) چاہیے تھا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دیں۔ اس کے سنتے ہی تقریباً دو سو قوال داخل ہو گئے اور جہاں جہاں صوفی تھے وہ بھی سب سماع میں آ گئے۔ پچنانچہ ایک عجیب شور و غل برپا ہو گیا، کیا اہل حال اور کیا تفریح کرنے والے ہزاروں آدمی جمع ہو گئے۔ دہلی سے تغلق آباد تک کہ ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے، حضرت شیخ نے اس مجمع کے ساتھ تغلق آباد کا راستہ لیا۔ تمام مخلوق، ادنیٰ و اعلیٰ سب متحیر تھے کہ دیکھیے کیا فتنہ اٹھتا ہے کہ گانے کے متعلق سلطان کا حکم اس قدر تاکید کے ساتھ ہے۔ مختصر یہ کہ جب تغلق آباد کے قریب پہنچے، سلطان بالا خانے پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے دریافت کیا کہ کیسا مجمع ہے جو دہلی کی طرف سے آ رہا ہے۔ ملک شادی جو اس کے خاص آدمیوں میں سے تھا، اس کو دوڑایا کہ جاز اور کینیت معلوم کرو۔ ملک مذکور دوڑا ہوا آیا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت شیخ عثمان سیاح ہیں اور ان کے ساتھ بے شمار صوفی اور قوال ہیں اور وجد میں گانے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ اس نے فوراً تمام حال سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ

تذکرہ خسرو خان لائیں تا کہ میں دیکھوں کہ اس شیخ نے کتنے لاکھ تنکے شکرانے میں لیے تھے۔ اگر کچھ لیا ہوگا تو سخت سزا دوں گا۔ اور یہ بات سب پر ظاہر تھی کہ حضرت شیخ (عثمان سیاح) نے خسرو خان کے مال سے ایک درہم یا دینار بھی قبول نہیں کیا تھا۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت شیخ نے اس کے نذرانے کو رد کر دیا تھا۔ جب سلطان کو یہ بات معلوم ہوئی تو فوراً ملک شادی سے کہا۔ حضرت شیخ کو ایک خاص محل میں لیے جاؤ، خاص (شاہی) مطبخ سے ان کو کھانا اور شیرینی پہنچاؤ [۱۳۶] اور ہمارا سلام کہو، اور قوالوں کو اقامت دلاؤ۔ ملک مذکور نے ایسا ہی کیا بلکہ کچھ زیادہ ہی کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کو اس جماعت کے ہمراہ تین روز تک مسہان رکھا اور معقول شکرانہ پیش کیا۔ حضرت شیخ اس کے شکرانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور تعلق آباد سے غیاث پور چلے آئے، جہاں شیخ نظام الدین تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء سے ملے اور وہ محضر کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔ حضرت شیخ عثمان سیاح کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر سلطان المسائخ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے بہت سے مرید ہیں۔ اگر سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔

وصال

مولانا اسماعیل احمد زال^۲ سے سنا ہے کہ رحلت فرمانے سے تین مہینے پہلے (شیخ رکن الدین ابوالفتح نے) مخلوق کی طرف سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کسی وقت اپنے خاص حجرے سے باہر نہیں آتے تھے مگر فرض نماز کے وقت مقررہ امام (حجرے کے) اندر چلا جاتا تھا اور فرض ادا کرنے کے بعد باہر چلا آتا تھا^۳۔ ۱۶ ماہ رجب پنجشنبہ کے دن نماز عصر کے بعد مولانا ظہیر الدین مجدد کو کہ جو حضرت کے خاص خادم تھے، اندر بلایا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ہماری قمیض و

۱۔ مؤلف مزارات اولیائے دہلی (ص ۵۵) نے لکھا ہے کہ شیخ عثمان سیاح کا انتقال ۳۸ھ میں ہوا۔

۲۔ در نسخہ اول (۲ : ۱۰) و فرشتہ (۲ : ۳۱۲) ”ذاکر“۔

۳۔ در نسخہ اول (۲ : ۱۱) اداۓ فرض کی غرض سے باہر آتے اور پھر حجرہ میں چلے جاتے۔

تکفین کا سامان کرو۔ چنانچہ مولانا ظہیر الدین مذکور باہر آئے اور انہوں نے اس بات کو ان درویشوں سے جو عرم راز تھے اور معرفت میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے بیان کیا۔ سب نے سمجھ لیا کہ آج کی رات ضرور حضرت کی رحلت ہے۔ مغرب کی نماز کے وقت مقررہ امام کو اندر بلا دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد سجدے میں سر رکھا اور انتقال فرما گئے۔

حضرت کے کوئی صلیبی فرزند نہ تھا کہ جن کو سجادہ اور خرقہ سپرد کرتے۔ اس زمانے تک ان کے بھائی کی اولاد ہے جن کا نام شیخ اسماعیل تھا، وہی صاحب سجادہ ہوئے، وہی رہنمائے عالم (شیخ رکن الدین ابوالفتح) کے سجادے پر بیٹھتے ہیں اور خدا کے بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کا وصال ۷۷۵ھ/۱۳۷۵ء میں ہوا۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دسمبر ۱۹۶۲ء کو حضرت رکن الدین کی درگاہ پر حاضر ہوا اور فائدہ پڑھی۔

شیخ محمد حمید الدین ناگوری

آن مخزن گنج سر عرفان وان مطلع نور ذات سبحان
آب قفل کشائے باب تحقیق وان ربیر طریق تصدیق
باریدہ بکشت جانش از غمب باران شهاب فضل لاریب
در علم و عمل دلش یگانہ در یافتہ نور جاودانہ
در جلدہ دہی کشیدہ حق در نور یقینی گزیدہ حق
خورشید سپہر عز و تمکین یعنی کہ حمید و دولت دہی
ہموارہ محبتش ملائم در جام جالی است دائم

وہ علم و وقار کے کوہ قاف، علم و اسرار کی صاف لہر، اللہ کے طالبین کو فیض پہنچانے والے اور درگاہ (خداوندی) کے سفر کرنے والوں کے پیشوا اور سفیان ثوری کی مثل تھے۔ شیخ محمد حمید الدین ناگوری اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور ہمیشہ [۱۳۷۱] ہجرت کے کھیت میں معرفت کا بیج بویا کرتے تھے۔
دہلی میں آمد

وہ بخارا کے رہنے والے تھے۔ اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ہمراہ بخارا سے سلطان معز الدین سام کے زمانے میں دارالخلافہ دہلی آئے۔ علم ظاہری میں وہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے لیکن اس زمانے میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ ان کے والد نے دہلی میں انتقال کیا۔ ان کو ناگور کا قاضی کر دیا گیا۔ وہ تین سال تک ناگور کے قاضی رہے، لیکن ایمانداری اور ہرہیز گاری میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ ایک رات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گویا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت

انہوں نے علی الصباح دنیا کو ترک کر دیا۔ کسی کو خبر نہ کی اور وہاں

سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب بغداد پہنچے تو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے ملے، ان کے مرید ہو گئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ایک سال تک حضرت کی خدمت میں رہے، وہیں ان کی باطن کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے بے انتہا فیوض حاصل کئے۔ حضرت شیخ المشائخ قطب الدین وہاں موجود تھے، ان سے ملاقات کی۔ وہ (حمید الدین ناگوری) ان سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے اجازت لی اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہ ایک سال دوبارہ اور آٹھ دن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ آئے۔ تین سال تک وہاں بھی مجاور رہے، بہت سے بڑے بڑے اولیاء سے ملاقاتیں کیں اور فیوض حاصل کئے۔

ظاہری طاقت سہل

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نقل ہے کہ جب شیخ حمید الدین ناگوری بیت اللہ کے طواف میں مشغول تھے تو انہوں نے ایک بزرگ کو بیت اللہ کے طواف میں دیکھا اور ان کے پیچھے چلتا شروع کر دیا۔ جہاں وہ بزرگوار قدم رکھتے تھے، شیخ حمید الدین بھی یہ نظر ہرکت ان کے قدم کی جگہ اپنا قدم رکھ دیتے تھے۔ ان صاحب کمال بزرگوار نے اس حالت کی اطلاع پائی اور شیخ مذکور کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ اے حمید! ظاہری اطاعت کر لینا سہل ہے، مجھ کو جو چیز طواف میں حاصل ہے اس کی متابعت کر۔ شیخ حمید الدین نے عرض کیا کہ بخدوم! آپ تو طواف میں کیا چیز حاصل ہے جس کو میں نہیں کر سکتا۔ ان بزرگوار نے فرمایا کہ مجھ کو ہر قدم پر ختم کلام اللہ حاصل ہے۔ شیخ حمید الدین حیران ہوئے، دل میں یہ خیال آیا کہ شاید قرآن کے معانی ان کے دل میں گزرتے ہوں گے۔ جیسے ہی یہ خیال ان کے دل میں گزرا تو ان بزرگوار نے فرمایا

اقرا لملفوظا لا سوہوسا میں زبان سے پڑھتا ہوں، وہم و خیال سے نہیں (پڑھتا ہوں)۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے لوگوں سے ملاقات ہونی اور وہاں سے واپس ہونے اور

سیر کرتے ہوئے دارالخلافت دہلی پہنچے۔ حضرت شیخ المشائخ والاولیاء قطب الدین بختیار اوشی وہاں تھے، ان سے ملاقات کی۔ زندگی و موت میں ان سے جدا نہیں ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگواروں کے مزار ایک ہی جگہ واقع ہیں اور وہ حضرت شیخ قطب الدین سے خلوت و جلوت میں علیحدہ نہیں ہوئے۔

صغیر بہ از کبیر

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ہدایونی [۱۴۸] سے منقول ہے کہ حضرت شیخ محمد حمید الدین نہایت لطیف طبع تھے۔ اکثر ان کی گفتگو لطافت و ظرافت سے عبارت ہوتی۔ ایک دن شیخ کبیر خوارزمی جو علمائے کبار میں سے تھے اور مولانا بریان الدین بلخی عراقی گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ شیخ حمید الدین ایک خچر پر سوار پیچھے سے پہنچ گئے۔ جب ان لوگوں نے ان کو دیکھا تو اپنے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور ان کے لیے درمیان میں جگہ دی اور چل دیے۔ شیخ کبیر نے شیخ (حمید الدین) کی طرف رخ کیا، مسکرائے اور کہا کہ تمہارا گھوڑا بہت چھوٹا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ

اگرچہ صغیر است فاما در روش بہ
از کبیر است

(بڑے) سے بہتر ہے!

ساع

شیخ نظام الدین ہدایونی سے منقول ہے کہ اگرچہ شیخ حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے لیکن ساع میں ان کو غلو تھا اگرچہ بعض سہروردی حضرات ساع کبھی اتفاق سے سنتے ہیں لیکن خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی صحبت کی وجہ سے اس کام میں بہت انہماک اور غلو تھا بلکہ دارالخلافت دہلی میں باوجودیکہ ساع کے منکر اور دشمن تھے لیکن انہوں نے ساع کا سکھ جا دیا تھا۔

مولانا رکن الدین صوفی

کہتے ہیں کہ سلطان شمس الدین کے کوشک سفید کے نزدیک انہوں نے ایک درویش کے مکان میں دعوت کی، چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار اوشی وہاں تشریف لائے۔ حضرت شیخ محمد حمید الدین بھی ہمراہ تھے اور دوسرے اہل حال

اور صاحب کمال درویش بھی آئے۔ تاکہ مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر کر دی گئی کہ فلاں مقام پر سماع کا مجمع ہے۔ مولانا مذکور اس کے سخت خلاف تھے۔ وہ اپنے گھر سے خدمت گاروں اور طالب علموں کی جماعت لے کر چل پڑے تاکہ اہل سماع کو زور اور سختی سے روک دیں۔ اتفاق سے ایک درویش تھا جس کو علی شوریہ کہتے تھے۔ وہ باہر سے اندر آیا اور اس نے شیخ قطب الدین اوشی سے مولانا رکن الدین سمرقندی کا ان کی جمعیت کے ساتھ پہنچنے کا حال بیان کیا۔ حضرت شیخ قطب الدین نے اپنا رخ حمید الدین کی جانب کیا۔ شیخ نے صاحب خانہ کو بلایا اور کہا کہ تو کسی کوئے میں چھپ جا، تجھ کو کتنا ہی بلائیں حاضر نہ ہونا۔ اگر صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر کہ تو صاحب خانہ ہے، مولانا رکن الدین گھر میں داخل ہوئے تو پہلے ہم ان سے مواخذہ کریں گے۔ یہ کہا اور سماع میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ مولانا سمرقندی دروازے پر آ گئے۔ انہوں نے صاحب خانہ کو بلایا۔ ہر ایک نے یہ کہہ دیا کہ وہ موجود نہیں ہے بلکہ کسی کام سے گیا ہے۔ مولانا (سمرقندی) نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو جاؤں تو مجھ سے مواخذہ کیا جائے گا۔ کچھ دیر کھڑے رہے، پھر چلے گئے اور اندر داخل نہ ہو سکے۔ [۱۴۹]

شرف الدین بحری

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ وہ علماء بھی کہ جن کو بحرین کہتے تھے، شیخ حمید الدین سے مخالفت رکھتے تھے اور مستقل طور پر وہ ان کے منکر تھے، یہاں تک کہ مولانا شرف الدین بحری بیمار ہو گئے۔ حضرت شیخ حمید الدین نے جب ان کی علالت کی اطلاع پائی تو اس صفاء و صدق کی وجہ سے کہ جو درویشوں میں ہونا چاہیے، وہ مولانا مذکور کے دروازے پر عیادت کی غرض سے گئے۔ مولانا مذکور کو ان کے پہنچنے کی اطلاع کی گئی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ شخص جو سماع سنتا ہے اور خدا تعالیٰ کو معشوق سمجھتا ہے، میں ہرگز اس کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، نہ اپنا منہ اس کو دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسے شخص کو میرے گھر میں نہ آنے دینا۔ غرض یہ کہ (شیخ حمید الدین کو) اندر نہ آنے دیا۔ آخر کار

بیب شیخ حمید الدین کے سماع کا ذکر بہت ہوا تو اس زمانے کے بہت سے علماء نے ان پر فتویٰ دے دیا اور اس (سماع) پر تحریریں لکھیں۔ حضرت شیخ نے کوئی توجہ نہیں کی اور اپنے کام میں مستقل سراج رہے۔

اس زمانے میں ایک فقیہ تھے کہ جن کو مولانا داؤد تبریزی کہتے تھے، وہ شیخ کے پاس آئے، انہوں نے بھی کسی فتوے پر یہ عبارت لکھ دی تھی:

مرقوم داشتہ درست است

انہوں نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا اور جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد شیخ حمید الدین نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے استفتاء پوچھا ہے اور تحریریں لکھی ہیں، وہ ابھی تک ماؤں کے پیٹ سے باہر نہیں آئے ہیں، تم ماں کے پیٹ سے ابھی باہر آئے ہو اور اس جیسے کے مثل ہو جو انتہائی کمزوری کی وجہ سے دودھ بھی نہیں پی سکتا۔

تھمالیہ

سلوک و اسرار کے موضوع پر حضرت حمید الدین کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً "لوائح" اور "طوالع شمس"، کہ جس کا نام شرح نودنہ ہے، دو جلدوں میں پوری ہوتی ہے اور اس کتاب کو اہل کمال اور صاحب حال کے علاوہ کوئی اور سمجھ نہیں سکتا۔

منقول ہے کہ جب قطب الدین کاشانی شہر دہلی میں پہنچے تو وہ کہتے تھے کہ میں شیخ حمید الدین ناگوری کی محبت کی وجہ سے اس شہر میں آیا ہوں۔ انہوں نے ایک دن ان (حمید الدین ناگوری) کا مجموعہ رسائل طلب کر کے دیکھنا شروع کیا اور علماء سے جو ان کے ہمراہ تھے فرمایا کہ اے دوستو! سمجھو اور واقف ہو جاؤ کہ ہم نے اور تم نے جو کچھ پڑھا ہے، وہ سب ان رسائل میں ہے اور جو کچھ

۱۔ فوائد الفواد ص ۳۰۹۔

۲۔ لوائح کا حوالہ فوائد الفواد میں دو جگہ (ص ۲۲۰ و ص ۲۷۴) آیا ہے۔ راحت القلوب (ص ۲۹، ۳۰، ۳۰۵) میں ایک کتاب راحت الارواح کا بھی ذکر ملتا ہے (بزم صوفیہ ص ۸۸) نیز دیکھیے اخبار الاخیار (ص ۴۳) و تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۶۹ - ۱۷۰، ثمرات القدس ورق ۱۶۸ ب، گلزار ابرار

ص ۳۷ - ۳۸۔

ہم نے اور م نے نہیں بڑھا ہے اور نہ سمجھا ہے ، وہ بھی ان رسائل میں ہے ۔

شیخ احمد نہروالی بدایونی

سلطان الشانخ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی سے منقول ہے کہ شیخ محمد الدین ناگوری ایسے صاحب حال اور صاحب کمال تھے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتے تھے اور ہر ایک کو مرید نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر صرف تین مرید کیے اور وہ تینوں مرید صاحب کشف ہوئے اور کشف و کرامات میں مشہور ہوئے۔ ان میں سے ایک شیخ احمد نہروالی تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین (اوشی) کو ان سے بہت محبت و مؤدت تھی۔ حضرت اور [۱۵۰] شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا، شیخ احمد نہروالی کے برابر نہ کسی کو پسند کرتے تھے اور نہ کسی کی تعریف کرتے تھے۔ وہ ان کی شان میں فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ احمد کا استغراق اور ان کی مشغولی دس صوفیوں کے برابر ہے۔ وہ کہڑا بنتے کا کام کرتے تھے۔

ایک رات ایک چور ، چوری کی غرض سے ان کے گھر میں داخل ہوا۔ گھر کے چاروں کونوں میں گھوما مگر کچھ نہ پایا۔ اس نے چاہا کہ باہر جائے ، حضرت احمد (نہروالی) مشغول (عبادت) تھے ، وہ چور کے حال سے واقف ہو گئے۔ انہوں نے آہستہ سے آواز دی کہ تھوڑی دیر ٹھہر جا ، خالی ہاتھ نہ جا۔ چنانچہ اس سوت سے جو کہڑا بنتے کو چڑھایا تھا اور دس بارہ گز کہڑا بن چکے تھے ، (کہڑا) کاٹ کر چور کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ اس کو اٹھا اور سلامتی سے چلا جا۔

جب صبح ہوئی تو چور اپنے متعلقین کے ہمراہ ان کے پاس آیا ، اس نے چوری سے توبہ کی اور ان کی خدمت میں رہا ، یہاں تک کہ وہ (چور) خدا رسیدہ ہوا۔ اور ان (نہروالی) کے بہت سے مرید ہوئے جب وہ جامع مسجد کو جاتے تو مریدوں کا ایک گروہ آتا چنانچہ جب علی شوریہ نے ان کی جماعت کو دیکھا تو شرمائے۔ ایک دن وہ (شیخ احمد نہروالی) مریدوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ ایک ترک اس پر ظلم کر رہا ہے اور بلا وجہ زدو کوب

۱۔ فوائد الفواد ص ۲۸۹۔

۲۔ خیر المعالجین ص ۲۷۶۔

۳۔ فوائد الفواد ص ۳۳۱ - ۳۳۲۔

کر رہا ہے۔ شیخ نے اپنے تمام مریدوں کو حکم دیا کہ اس مظلوم کے چاروں طرف سلفہ بنا لیں اور اس ترک کو اس حرکت سے باز رکھا۔ اسی دوران میں علی شوریہ بھی آ گئے۔ جب شیخ احمد نے علی مذکور کو دیکھا تو مسکرائے اور کہا کہ اے علی! ہم جو جاعت اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ اسی لمحے ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے بچائیں۔

عین الدین قصاب

(شیخ حمید الدین ناگوری کے) دوسرے مرید شیخ عین الدین قصاب تھے کہ جو شہر دہلی کے نوہٹہ بازار میں قنارہ (لکڑی یا لوہا) کھڑا کرتے اور (اس پر) گوشت فروخت کیا کرتے تھے۔ نہایت اہل کشف اور صاحب کرامت تھے، جس کے حق میں جو بات کہیں وہی ہو جاتی۔ شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ میں نے ان قصاب کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ مخلوق ان سے فیوض و برکات حاصل کرتی تھی۔ قاضی فخر الدین نائلہ ابتدائی زمانے میں ان کے پاس بہت جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ عین الدین قصاب نے کہا کہ فخر الدین تمہارا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں۔ ان کو جواب دیا کہ جاؤ تم شہر کے قاضی ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک دوسرا آدمی ان کے پاس آیا۔ اس سے بھی کہا کہ تیرا کیا مقصد ہے۔ اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ امیر داد ہو جاؤں۔ انہوں نے فرمایا کہ جا امیر داد ہو جانے کو۔ وہ بھی ایسا ہی ہو گیا۔

مولانا وجیہ الدین ابتدائے حال میں ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان سے پوچھا کہ میرے پاس رہنے سے تمہارا کیا منشاء ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ عالم ربانی ہو جاؤں۔ وہ بھی ان کے کہنے کے مطابق عالم اور اہل تقویٰ ہو گئے۔

- ۱۔ فوائد الفواد ص ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ دور آخر کے تذکروں میں شیخ احمد نہروالی کا سنہ وصال ۸۶۶ھ لکھا ہے۔ دیکھئے تذکرۃ الواصلین ص ۵۷۔ ۵۸۔ مجموعہ کرامات ہفت احمد ص ۲۱۔ ۲۶، مرآۃ احمدی (حالات احمد نہروالی) لاؤنٹینی، قدرت اللہ بدایونی، امیر الاقبال پریس بدایون ۱۳۳۷ھ۔
- ۲۔ دیکھئے مزارات اولیائے دہلی ص ۶۳۔ ۶۴۔

ایک اور آدمی جس کا نام مولانا احمد تھا اور ان کی خدمت میں بہت رہتا تھا ، اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے ۔ اس نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی محبت چاہیے ۔ [۱۵۱] وہ بھی خدا رسیدہ ہوا ۔

شیخ شاہی رسن تاب بدایونی

(حمید الدین ناکوری کے) تیسرے مرید شیخ شاہی رسن تاب تھے جو دواؤں میں رہتے تھے اور رسیاں پٹا کرتے تھے ۔ وہ بڑے صاحب کشت اور ہل حال تھے ۔ لوگ ان کو شیخ شاہی روشن ضمیر کہتے تھے ۔ ایک روز حضرت حمید الدین ناکوری نے ان کو خرقة دیا اور حضرت شیخ محمود موینہ دوز سے کہلا چوہا کہ میں نے آج اس جوان کو خرقة پٹا دیا ہے ۔ یہ جوان صاحب حال اور عبادت گزار ہے ۔ آپ کیا فرماتے ہیں ؟ شیخ محمود موینہ دوز نے فرمایا کہ آپ نے یہ کام نہایت پسندیدہ اور برگزیدہ کیا ہے ۔ آپ کا جو کام بھی ہوتا ہے بہت پسندیدہ اور مستحسن ہوتا ہے ؟

اس کے بعد ان (شیخ شاہی) کو شہر بدایوں کی طرف بھیج دیا تاکہ وہاں رہیں ۔ جب دواؤں پہنچے اور وہاں سکونت پذیر ہوئے تو ہمیشہ اپنے کام (ریاضت) میں مشغول رہتے اور بندگن خدا کو ہدایت فرماتے ۔ ان کا عجیب طریقہ تھا ۔

شرط الصبا و محبت

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ شاہی اپنے دوستوں اور مریدوں کے ہمراہ ایک باغ میں بیٹھے تھے ۔ انہوں نے فرمایا کہ کھیر پکاؤ ۔ دو تین مریدوں سے کھیر پکانے کی فرمایش کی ۔ جب ان کے اور تمام درویشوں کے سامنے کھیر رکھی گئی تو پہلے ہی لقمے میں سمجھ گئے کہ اس میں سے کچھ خیانت اور نقصان کیا گیا ہے ۔ جن مریدوں نے کھیر تیار کی تھی ان کو حاضر کیا گیا ۔ فرمایا کہ دوستو ! کیا معاملہ ہے ۔ تم میں سے کسی نے دوستوں (کے کھانے) سے پہلے اس کھانے میں ہاتھ ڈالا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے ہاتھ نہیں ڈالا ہے لیکن جب دودھ جوش میں آیا اور وہ ابھرنے لگا اور زمین ہر گزنا شروع ہوا تو ہم نے اس کو ضائع نہیں ہونے دیا ،

۱ - فوائد الفواد ص ۳۱۱ - ۳۱۲ مگر اس میں عین الدین نام مذکور نہیں ہے ۔

۲ - فوائد الفواد ص ۲۸۸ - ۲۸۹ ، اخبار الاخیار ص ۵۵ ۔

اس کو ضرور کام میں لیا اور اس میں سے تھوڑا سا پی لیا۔ شیخ نے فرمایا کہ زمین ہر جہہ جانے دیتے یا دوسرے پالے میں لے لیتے اور اس کو امانت رکھتے کہ حاضرین کا حصہ ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اب تو ہم سے یہ غلطی ہو گئی، ہم کوڑے ہیں، جو کچھ اس کا تدارک ہو حکم فرمائیے۔ شیخ شاہی نے حکم دیا کہ ان کو دھوپ میں کھڑا کیا جائے، یہاں تک کہ دوستوں سے پہلے انہوں نے جتنا دودھ پی لیا ہے اتنا ان کا ہسینہ نکل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب ان کا خوب ہسینہ نکل گیا تو اس کے بعد ان کو سایے میں بلایا۔ اور حجام کو طلب کیا اور اس سے فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا ہسینہ بھا ہے وہ اتنا ہی خون میرے جسم سے نکالے اور زمین پر بھا دے تا کہ انصاف و ادب کے مطابق ہو جائے۔ انصاف و رحمت کی یہی شرط ہے۔ اس کے بعد اپنے جسم مبارک سے خون نکلا دیا اور زمین پر گرا دیا۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید بداؤں میں

شیخ نظام الدین بداؤنی سے منقول ہے کہ جب شیخ نظام الدین ابوالمؤید کہ جو شیخ جمالؒ کے دادا ہیں اور شیخ جمال شہرکول (علی گڑھ) میں مدفون ہیں [۱۵۲] دارالخلافہ دہلی سے شہر بداؤں میں آئے تو بیمار ہو گئے۔ ان کی یہ حالت ہو گئی کہ نماز کے لیے بھی اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا، یہاں تک کہ کروٹ بدل کر بھی نہیں سو سکتے تھے۔ ایک دن شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے (شیخ شاہی سے) کہا کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں اس بیماری سے نجات پاؤں۔ شیخ شاہی نے کہا کہ مخدوم کامل ہیں اور میں ایک ناقص بازاری آدمی ہوں۔ میری کیا حیثیت ہے کہ آپ جیسی ہستی کے لیے دعا کروں لیکن حضرت شیخ (نظام الدین ابوالمؤید) نے نہیں مانا اور کہا کہ ضرور دعا کیجیے اور توجہ فرمائیے۔ اس کے بعد شیخ شاہی مذکور نے کہا کہ چونکہ آپ مجھ سے اس کام کے لیے کہتے ہیں، میرا ایک دوست ہے، شرف الدین نام ہے، اس کی دوکان میری دوکان کے نزدیک ہے اور وہ درزی کا کام کرتا ہے، اس کو بلانا چاہیے۔ آخر کار شیخ نے ایسا

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۵۸ - ۱۵۹، خیرالمجالس ص ۲۱۰ - ۲۱۱۔

۲۔ شیخ جمال کے احوال کے لیے دیکھیے اخبار العجال معروف بہ اشجار العجال (مصنفہ راجی محمد، قلمی)۔

ہی کیا ، اس کو بلایا گیا ۔ شیخ شاہی نے شرف الدین خیاط سے کہا کہ حضرت شیخ کو سخت بیماری لاحق ہے ۔ ناف سے لیے کمر اوپر کا حصہ میرے ذمے ہے اور ناف سے ہر تک تمہارے ذمے ہے ۔ دونوں نے مراقبہ کیا اور اٹھے ۔ شیخ شاہی نے اپنا ہاتھ سر سے ناف تک پھیرا اور شرف الدین خیاط نے ناف سے قدم تک ہاتھ پھیرا ۔ اسی وقت شیخ نظام الدین ابوالمؤید اٹھ بیٹھے ۔ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور پوری طرح صحت یاب ہو گئے ۔

شیخ شاہی رسن تاب ہدایونی کا وصال

شیخ نظام الدین ہدایونی سے منقول ہے کہ جب شیخ شاہی سے کرامت اور مکاشفے ظاہر ہوئے تو بے انتہا مخلوق نے ان کی جانب رخ کیا اور ایک جماعت فراہم ہو گئی ۔ ہداؤں میں ایک درویش تھے جن کو محمد نخاسی کہتے تھے ۔ ایک مرتبہ مسجد میں شیخ شاہی سے ان کی ملاقات ہو گئی ۔ شیخ شاہی کا رنگ کالا تھا ۔ درویش محمد نخاسی نے جب ان کو دیکھا تو فوراً (ان کی) زبان سے نکلا کہ اے کالی ! تو نے بہت ہنگامہ گرم کر رکھا ہے ۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تو جل نہ مرے ۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے اسی زمانے میں شیخ شاہی کے مکان میں آگ لگ گئی ۔ وہ چاہتے تھے کہ باہر نکل آئیں مگر نہ نکل سکے ، اسی جگہ جل گئے ۔ مختصر یہ کہ

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۵۹ ، اخبار لایخار ص ۵۵ ۔

۲۔ فوائد الفواد (ص ۲۹۱) سے یہ واقعہ مقتبس ہے ، اس میں مسعود نخاسی تحریر ہے ۔ مسعود نخاسی کے لیے دیکھئے تذکرة الواصلین ص ۴۲ - ۴۳ ۔

۳۔ ہدایوں کے دور آخر کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے شیخ شاہی رسن تاب کا ۲۴ رمضان ۸۶۳۲ میں انتقال ہوا ۔ تذکرة الواصلین ص ۴۴ ، حیات شیخ شاہی ص ۳۶ ، نزہۃ الخواطر (۱ : ۱۴۱) عہد تغلق اور عہد اکبری میں درگاہ کی تعمیر اور مرمت ہوئی ۔ اسی زمانے میں درگاہ کے لیے کئی مواضع معاف ہوئے ۔ دیکھیے حیات شیخ شاہی ص ۴۱ - ۴۴ ۔

۴۔ شیخ شاہی رسن تاب کے دوسرے بیانی ابوبکر موئے تاب تھے جو حضرت شیخ شاہی رسن تاب کے جانشین ہوئے ۔ ۸۶۵۱ سے قبل ان کا وصال ہوا ۔ شیخ شاہی رسن تاب کے یہ واقعات فوائد الفواد (ص ۱۵۸ - ۱۵۹ نیز ص ۲۸۸ - ۲۹۱) اور خیر المجالس (ص ۲۱۰ - ۲۱۱) سے مقتبس ہیں ۔ فوائد الفواد میں شیخ شاہی رسن تاب کو ہر جگہ شاہی موئے تاب لکھا گیا ہے ۔ اسی طرح خیر المجالس میں ۔

اس زمانے میں یہ اہل کسب درویش تھے کہ جنہوں نے حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سے فیض حاصل کیا تھا [اور اب بھی طالبان حق ان کی تصانیف سے فیض حاصل کرتے ہیں]۔

حمید الدین ناگوری کی تحریر

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ ایک دن میں شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت شوخ نے مولانا بدر الدین اسحاق کو حکم دیا کہ جاؤ وہ تھیلی لے آؤ کہ جس میں درویشوں کے وہ خطوط ہیں کہ جو انہوں نے مجھے بھیجے ہیں اور وہ خط جو شیخ حمید الدین ناگوری نے مجھے بھیجا ہے، نکالو اور پڑھو۔ مولانا (بدر الدین اسحاق) خطوں کی تھیلی لائے، جب اس تھیلی میں ہاتھ ڈالا تو وہی خط جو حضرت شیخ چاہتے تھے ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ انہوں نے اس کو نکالا۔ حضرت (فرید الدین گنج شکر) نے فرمایا [۱۵۳] کہ کھڑے ہو کر پڑھو۔ بدر الدین اسحاق کھڑے ہوئے اور پڑھنا شروع کیا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

”فقیر حقیر ضعیف نحیف بندہ درویشاں و از سر و دیدہ خاک ہائے اشاں ہم
عطاء المعروف بہ حمید الدین ناگوری۔“

اور اس خط میں یہ رباعی بھی لکھی تھی:

ان عقل کجا کہ در کمال تو رسد و ان روح کجا کہ در جہاں تو رسد
بسم کہ تو پردہ پر گرفتاری ز جہاں آن دیدہ کجا کہ برہ جہاں تو رسد

اگرچہ دونوں بھائیوں کی صراحت ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں ”دو برادر بودند در بداؤں، یکے شاہی ہوئے تاب، دوم شیخ ابوبکر ہوئے تاب، شیخ ابوبکر را دیدہ ام اما شیخ شاہی ہوئے تاب را نہ دیدہ ام“ (خیر المجالس ص ۲۱۰) لیکن دونوں کو موئے تاب لکھا ہے۔ بدر الدین موئے تاب کا ذکر ضیاء الدین نخشبی نے بھی کیا ہے۔ دیکھیے سلک السلوک ص ۷۷ و نزہۃ الخواطر ۱: ۱۲۷۔ خاکسار مترجم نے بارہا ان بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی ہے

- ۱۔ در نسخہ اول (۲: ۱۹) ایسے کالمین تھے۔
- ۲۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (۲: ۱۹) میں موجود نہیں ہے۔
- ۳۔ فوائد الفواد ص ۲۵۴ - ۲۵۵۔
- ۴۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) و اخبار الاخیار (ص ۴۳) ”جلال“۔
- ۵۔ در فوائد الفواد (ص ۲۵۵) و اخبار الاخیار (ص ۴۳) ”در“۔

کہتے ہیں کہ اس روز تمام دن چاشت کے وقت سے شام کی نماز تک حضرت شیخ (فرید الدین گنج شکر) پر اس رباعی کی وجہ سے وجد طاری رہا۔

مجلس سماع اور نزول بارش

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی سے منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں حضرت خواجہ نعلب الدین بختیار اوشی کی وفات کے بعد دہلی میں خشک سالی ہوئی اور غلہ نہایت گراں ہو گیا۔ خلق خدا بہت ہریشان ہوئی۔ بہت سے لوگ فاقوں سے مر گئے۔ سلطان شمس الدین نے ایک معتمد سے کہا کہ تم جاف اور جو درویش اور اللہ والے اس شہر میں ہیں ان کو میرا سلام نیاز پہنچاؤ اور یہ عرض کرو کہ جنگ و جدل اور ظالموں اور کافروں کا دفع کرنا اور دوسرے فتنوں کا دور کرنا بادشاہوں کا کام ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے لیکن حق تعالیٰ کی جانب توجہ باطنی کرنا اور اہل اسلام اور خلائق خاص و عام کے لیے دعائے خیر کرنا آپ سے متعلق ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرمائیں اور بارش کے لیے دعا کریں تاکہ خدا تعالیٰ آپ کی توجہ اور اخلاص دعا کی برکت سے درم فرمائے اور مصیبت زدوں پر بارانِ رحمت نازل فرمائے۔

جب یہ پیغام حضرت مجدد عطاء یعنی قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس پہنچا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کو ہمارا سلام پہنچانا اور کہنا کہ درویشوں کے شکرانے کے لیے دعوت کریں کہ سماع کیا جائے اور بارش کے لیے دعا کی جائے۔ جب یہ پیغام پر سلطان کے پاس پہنچا تو اس نے جو کچھ حضرت قاضی سے سنا تھا عرض کیا۔ سلطان خوش ہوا اور کہا کہ چونکہ وہ سماع چاہتے ہیں لہذا بارش ضرور ہوگی۔ ایک فرحت افزا مقام منتخب کیا گیا (حکم ہوا) کہ صاف کیا جائے اور فرش بپھایا جائے۔ بہترین قسم کے کھانے تیار کیے جائیں، خوش لہجہ قوال کہ جو اپنی آواز کی وجہ سے اس شہر میں مشہور ہیں بلائے جائیں اور اہل اللہ سے عرض کیا جائے کہ کل تشریف لائیں۔ جب دوسرا روز ہوا تو جو درویش شہر میں تھے حاضر ہوئے۔ سلطان شمس الدین اور وہ درویش جو اس مجلس میں تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

حضرت شیخ علی سجزی، حضرت شیخ قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت

شیخ احمد نر والی ، کہ حضرت قاضی حمید الدین لاگوری اکثر ان کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شیخ احمد کی مشغولی (عبادت) دس صوفیوں کے برابر ہے ، حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی کہ جو حضرت شیخ سیف الدین باخزئی کے خلیفہ اور شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر تھے [۱۵۴] ، سید قطب الدین غزنوی جو شیخ نر الدین مبارک کے بھتیجے تھے ، شیخ نظام الدین ابوالمؤید غزنوی ، حضرت شیخ محمد مود موینہ دوز اور دوسرے درویش بھی جمع تھے ۔
 سماع کا آغاز ہوا اور سماع کے دوران ہی ہوندا باندی شروع ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ درویش بڑی مشکل سے مکانوں پر پہنچے ۔

وصال

مشقول ہے کہ حضرت شیخ حمید الدین کا انتقال ۹ ماہ رمضان ۸۶۰ھ کو ہوا ۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہیں تھی ، نماز و تراویح میں خود قرآن ختم کیا ۔ نماز وتر کے بعد در مبارک سجدے میں رکھا اور جاں بحق ہو گئے ۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے ہیں ۔

- ۱۔ نسخہ اول (۲ : ۲۱) میں منہ نہیں دیا ہے ۔ تذکرہ علمائے ہند (اردو ص ۱۷۰) و اخبار الاخیار (ص ۴۴) میں ۸۶۰ھ لکھا ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ لطائف اشرفی (ص ۳۶۸) میں ۱۱ رمضان ۸۶۴ھ اور نزہۃ الخواطر (۲۱۸ : ۱) میں رمضان ۸۶۳ھ سال وفات دیا ہے ۔

سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں (جہاں گشت)

آن کوہر معدن سیادت	سلطان مرادق . معادت
آن حاسی دین سلالہ پاک	فرزند نبی خاص لولاک
بانی شریعت و طریقت	استاد مشائخ و حقیقت
اندر ہئے مصطفیٰ در اسلام	از فقر نہادہ کام ہر کام
سیاح جہاں براہ دینی	پرداشتہ توشہ یقینی
ہم سایہ بیت حج اکبر	ہم زایہ روضہ پیغمبر
آمد ز خدا بفتح بابی	مخدوم جہانیاں خطابی
او صدر مشائخ معالی ست	در خدمت او دل جالی ست

وہ برج سیادت کے ستارے ، درج سعادت کے موتی ، نبی کے پاک (خاندان) کے خلاصے ، اولاد مصطفوی میں منتخب اور حضرت باری تعالیٰ کے قرب میں ممتاز تھے ۔ سید جلال الملت والدین مخدوم جہاں بخاری خلاصۃ الابرار میں سے تھے اور معرفت میں وہ زبدۃ الاخیار تھے ۔ ظاہری و باطنی علم میں مشائخ کبار میں مسلم تھے اور انوار اور اسرار میں وہ بڑے سمندر کی طرح تھے ۔

سید جلال سرخ

صحیح روایت ہے کہ جس زمانے میں ان کے دادا سید جلال الدین سرخ شہر بخارا سے قبة الاسلام ملتان پہنچے^۱ اور حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا

۱۔ یہ بزرگ مختلف القاب اور اسما ، میر سرخ ، شریف اللہ ، ابو برکات ، ابو احمد میر بزرگ ، مخدوم اعظم ، جلال اکبر اور عظیم اللہ سے مشہور ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۵)۔

۲۔ اخبار الاخیار میں ہے ، بخارا سے بھکر آئے (ص ۶۱) نیز دیکھیے تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) ص ۳۶۷۔

ملتان کے مرید اور خلیفہ ہوئے اور حضرت کی اجازت سے اوج شریف میں سکونت اور عیال داری اختیار کی۔ ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے، ایک سید احمد کبیر، دوسرے سید بہاء الدین، تیسرے سید محمدؒ، اور سید احمد کبیر کے دو بے مثل بیٹے ہوئے، ایک نو یہی آفتاب عالم تاب شیخ المشائخ جلال الملت والدين المعروف بہ مخدوم جہانیاں، دوسرے شیخ المشائخ میان راجو قتال، وہ بھی ان ہی (مخدوم جہانیاں) کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔

- ۱۔ اوج بہاول پور (پاکستان) میں واقع ہے۔ اسٹیشن دہرہ نواب صاحب (احمد پور شرقیہ) سے اوج کو بس جاتی ہے۔ یہ قصبہ تین حصوں اوج بخاری، اوج کیلائی اور اوج موغلان پر مشتمل ہے۔ دیکھیے تاریخ اوج ص ۹۵۔
- ۲۔ سید جلال سرخ نے بھکر کے رئیس بدر الدین ابن صدر الدین خطیب کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخبار ص ۶۱، خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۷-۳۸، تحفۃ الکرام ص ۳۶-۳۸۹۔
- ۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۷۸، الفرغ النامی من الاصل السامی ص ۱۴۰۔
- ۴۔ سید جلال سرخ کا انتقال ۱۹ جادی الاخریٰ ۵۶۹۰ (۲۰ مئی ۱۲۹۱ء) ہوا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (۱) مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۷۷-۸۲، (۲) تاریخ فرشتہ ۲ : ۷۷۵، (۳) الدر المنظوم ۲ : ۷۶۷ تا ۷۶۸، (۴) تاریخ اوج ص ۹۵، (۵) آب کوثر ص ۳۰۹، (۶) خزینۃ الاصفیاء ۲ : ۳۶، (۷) تذکرہ صدر الدین عارف ص ۱۷۱۔
- سید احمد کبیر کے لیے ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء ص ۳۸، تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ۲ : ۶۸۲، الدر المنظوم ۲ : ۲۳۸، ۵۵۰-۵۵۱ نیز مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۸۲-۸۵۔
- ۵۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی پیدائش ۱۳ شعبان المعظم ۵۷۰۷ (۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء) بروز جمعرات ہوئی۔ ملاحظہ ہو لطائف اشرفی ۱ : ۳۹۲، الدر المنظوم ۱ : ۲۳، اخبار الاخبار ص ۱۴۳، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۴، آئین اکبری ۲ : ۲۱۱، تاریخ اوج ص ۱۰۵۔

شیخ جال اوچی کی خدمت میں

حضرت سلطان المشائخ والاولیا شیخ سہاء الدین سے منقول ہے کہ جب [۱۵۵] برج سیادت کے ستارے حضرت شیخ (مخدوم جہانیاں) سات سال کے تھے تو حضرت سید احمد کبیر ان کو شیخ المشائخ شیخ جال کی خدمت میں لے گئے اور ان کی دست بوسی کرائی۔ حضرت شیخ جال نے چھوڑوں کا ایک طباق سامنے رکھا اور حاضرین میں سے ہر ایک کو چند چھوڑے مرحمت فرمائے تو جو چھوڑے حضرت سید (مخدوم جہانیاں) کو ملے تھے، حضرت نے ان چھوڑوں کو کھایا اور چھوڑوں کی گٹھلیاں بھی نگل گئے۔ چنانچہ حضرت شیخ المشائخ جال خندان رو نے یہ حال دیکھا تو حضرت سے پوچھا کہ ان چھوڑوں کو گٹھلیوں کے ساتھ کیوں کھا گئے۔ حضرت سید نے کم عمری کے باوجود جواب دیا کہ وہ چھوڑے جو اب جیسے بزرگ سے ملیں، ان کی گٹھلیاں نہیں بھینکتی چاہئیں۔ حضرت شیخ المشائخ جال خندان رو نے یہ جواب سنتے ہی فرمایا کہ ہاں بابا! تم وہ صاحبزادے ہو کہ اپنے خاندان کو بھی روشن کرو گے اور اپنے شیوخ کے خاندان کو بھی۔^۱ ارحمہ حضرت شیخ جال الدین اپنے والد حضرت سید احمد کبیر کے مرید تھے لیکن ارادت و خلافت سلطان المشائخ شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی سے بھی رکھتے ہیں^۲۔

۱۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شیخ جال محدث سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۵۷۱ھ کے بعد شیخ جال خندان رو کا انتقال ہوا۔ ان کا مزار موجود ہے۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری کئی مرتبہ فائقہ خوانی کے لیے حاضر ہوا ہے۔ ان کے جانشین ان کے فرزند شیخ رضی الدین گنج عالم (۵۶۶ھ/۱۲۶۸ء تا ۵۷۷ھ/۱۲۶۸ء ہوئے جو نامی گراسی عالم و فاضل تھے۔ شیخ رضی الدین نے مدرسہ اور خانقاہ کا خوب انتظام کیا۔ ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء ۲: ۲۶-۲۷ تاریخ اوج ص ۱۴۹، تذکرہ صدر الدین عارف ص ۵۵، ذکر کرام ص ۸۵۔ ۸۶ الدر المنظوم ص ۳۳ وما بعد۔

۲۔ تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ۲: ۶۸۵۔

۳۔ ملاحظہ ہو اخبار الانبیاء ص ۱۴۲، الدر المنظوم ص ۱۸۷، آئین اکبری ۲: ۲۱۱، بزم صوفیہ ص ۴۰۰-۴۰۱، تاریخ فرشتہ ۲: ۶۸۵، خلاصۃ التواریخ ص ۶۲، تذکرہ شاہ رکن عالم سلتانی ص ۴۰۰-۴۰۱۔

جہاں گشت

حضرت شیخ صدر الملت والدین کہ جو شیخ راجو قتال (کے لقب) سے مشہور ہیں، منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ جلال الدین مخدوم جہانیاں نے تین سو سے زیادہ اہل کمال سے ملاقات کی، اور ان سے فیض کلی حاصل کیا۔ دنیا کی ہر سمت میں سفر کیا اور اس حقیر (جالی) نے بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور بہت سے دوسرے مقامات پر ان (مخدوم جہانیاں) کے متبرک حجرے ہائے اور وہاں نماز دوگنا ادا کی ہے۔ اس زمانے میں بھی ان حجروں کے تجاوز ہیں جو جہاز دیتے ہیں اور ان میں چراغ اور قندیل روشن کرتے ہیں۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت

حضرت کو شیخ عبداللہ یافعی^۲ سے جو مکہ معظمہ میں ایک بڑے عظیم القدر بزرگ تھے نہایت محبت اور صحبت رہی۔ ایک دن شیخ عبداللہ یافعی نے بیت اللہ میں دہا نہ اگرچہ اس زمانے میں دہلی میں جو درویش تھے ان کا انتقال ہو گیا لیکن ان کا اثر اور ان کی برکتیں حضرت شیخ نصیر الدین میں ہیں اور وہ اس زمانے میں اس شہر (دہلی) کے چراغ ہیں کہ مشائخ کے طریقوں کو اپنے وجود سے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اسی وقت حضرت سید (جلال الدین) نے نیت کی کہ اگر سفر سے واپس ہوا تو پہلے شہر دہلی میں آؤں گا اور حضوت شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) سے ملوں گا۔ آخر انہوں نے یہی کیا۔ جب وہ حضرت (چراغ دہلی) سے ملے تو انہوں نے فوراً فرمایا کہ حضرت شیخ عبداللہ یافعی کے ارشاد کے ذریعہ سید (مخدوم جہانیاں) کو اس فقیر سے حسن ظن پیدا ہوا [۱۵۶]۔ حضرت سید نے جواب دیا کہ حضرت شیخ عبد اللہ یافعی ہر خدا کی رحمت ہو کہ انہوں نے مجھ کو آپ کی زیارت سے مشرف کرایا اور ان (چراغ دہلی) سے مشائخ چشت کا خرقہ بھی (مخدوم

۱۔ اخبار الاخیار میں ہے سیاحت کرد و بسیارے از اولیاء نعمت و برکت یافت (ص ۱۴۲) نیز دیکھیے الدر المنظوم ۱: ۵، لطائف اشرفی ۱: ۳۹۰، خزینۃ الاصفیاء ۱: ۵۸۔

۲۔ سیر و سیاحت کے سلسلے میں ملاحظہ ہو مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص

۱۰۹-۱۲۶۔

۳۔ عقیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی اپنے زمانے کے ممتاز عالم اور شیخ

(سے) بایا اور (جراغِ دہلی نے) حضرت قطب الاقطاب سید جلال کے مناقب بیان کیے۔ حضرت قطب الاقطاب (مخدوم جہانیاں) کے اتنے مناقب ہیں کہ اس چھوٹی سی کتاب (سیرالعارفین) میں نہیں سہا سکتے لیکن ٹوہا ہزار میں سے ایک اور بہت سوں میں سے تھوڑے (مناقب) یہاں لکھے جاتے ہیں۔

غریب کی سفارش

حضرت شیخ المشائخ سہاء الدین سے منقول ہے کہ خان جہاں تلنگ سلطان فیروز شاہ کا وزیر تھا وہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کا بالکل معتقد نہیں تھا بلکہ ان کو برا بھلا کہتا تھا اگرچہ سلطان (فیروز شاہ) ان کے کمترین معتقدین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ خان جہاں مذکور نے ایک معرر کے لڑکے کو جیل بھیج دیا اور وہ اس پر سختی کرتا تھا جب اس معرر نے اپنے لڑکے کی آزادی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت سیادت پناہ (مخدوم جہانیاں) کی خدمت میں آیا اور حضرت کو اپنے لڑکے کی سفارش کے لیے خان جہاں کے مکان کے دروازے پر لے گیا۔ یہ خبر خان مذکور تک پہنچی۔ اس نے اندر سے اپنے ملازم کی معرفت کہلا بھیجا کہ سید (مخدوم جہانیاں) یہ کہہ دو کہ میں تمہاری سفارش پر گز نہیں مانوں گا اور تمہارا منہ بھی نہیں دیکھوں گا۔ دوبارہ میرے یہاں سفارش کے لیے مت آنا۔ نہا جاتا ہے کہ تقریباً انیس مرتبہ حضرت سید (مخدوم جہانیاں) خان جہاں کے دروازے پر سفارش کے لیے گئے۔ وہ ہر مرتبہ یہی جواب دیتا تھا، یہاں تک کہ بیسویں مرتبہ پھر سفارش کے لیے گئے۔ اس نے اندر سے کہلا بھیجا کہ سید تم کو غیرت نہیں ہے کہ اتنی مرتبہ تم کو جواب دے دیا ہے لیکن پھر تم سفارش کے لیے میرے یہاں چلے آتے ہو۔ حضرت سید (مخدوم جہانیاں) نے کہا کہ اے عزیز! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں مجھے ثواب ملتا ہے مگر مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہارے ہاتھ سے رہائی دلاؤں اور تم کو

تھے۔ ان کی تصانیف میں مرآة الجنان، عبرة الیقظان اور روضۃ الزیاحین فی حکایات الصالحین مشہور و معروف ہیں، ۶۸/۶۶-۶۱ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس (اردو ترجمہ) ص ۲۱۲-۲۲۳۔

۱۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۱۰۵-۱۰۷، کلیات جدولیہ ۲: ۷۵، الدر المنظوم ۱: ۱۶۰-۱۶۱ و ۳۷۹ و مابعد۔

نواب پھولپڑ۔ خان جہاں مذکور نے جب یہ بات سنی تو اپنا سر فٹکا کر لیا، گلے میں ایک رسی باندھی اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا اور اس مظلوم کو غنیمت اور گھوڑا دیا اور رہا کر دیا اور اس نے کافی نذرانہ حضرت جید (مخدوم جہانیاں) کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے وہ تمام نذرانہ اس مظلوم کو دے دیا اور اپنے کمر چلے آئے۔

مخدوم جہانیاں

حضرت کو مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ شب عید میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبرے میں مشغور (عبادت) تھے اور ان سے عیدی مانگ رہے تھے۔ انہوں نے آواز سنی کہ قہقہہ کہہ خدا تعالیٰ نے ”مخدوم جہانیاں“ کہہ کر مخاطب کیا ہے، یہی میری عیدی ہے۔ وہاں سے حضرت شیخ صدر الدین عارف کے مقبرے پر گئے اور وہاں بھی یہی درخواست کی۔ ان سے بھی وہی آواز سنی کہ تمہاری عیدی یہی ہے کہ جو میرے حضرت بابا نے فرمایا ہے۔ وہاں سے اپنے مرشد [۱۵۷] شیخ رکن الدین ابوالفتح کے یہاں پہنچے اور چاہا کہ عیدی طلب کریں۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ تمہاری عیدی وہی ہے کہ حضرت بابا (صدر الدین) اور میرے دادا (زکریا ملتانی) نے فرمایا ہے۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو (مخدوم کو) جو شخص دیکھتا تھا وہ کہتا تھا کہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں آرہے ہیں۔

درجہ ولایت و معرفت

میں نے اپنے پیر دستگیر حضرت ساء الدین سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے آستانے کی دہلیز سے باہر آ رہے تھے، چونکہ آستانے کا زمین کسی قدر ہست تھا، حضرت مخدوم جہانیاں فوراً لیٹ گئے اور زمین کی بجائے اپنا

۱۔ جمالی نے خود لکھا ہے کہ فیروز شاہ حضرت مخدوم کا نہایت معتقد تھا، پھر خان جہاں وزیر کی اس درجہ دشمنی اور عداوت سمجھ میں نہیں آتی بلکہ حضرت مخدوم کے ملفوظات میں جو واقعات درج ہیں ان سے خان جہاں وزیر کی عقیدت و ارادت اور مخلصانہ تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو الدر المنظوم ۱: ۳۰،

۲۰۳۹: ۷۵۹۔

۲۔ تاریخ فرشتہ (اردو) ص ۶۸۶۔

سید رکبہ دیا کہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کے سینے پر حضرت شیخ (رکن الدین ابوانفتح) اپنا پیر رکبہ دیں اور آستانے سے گزر جائیں۔ جب حضرت شیخ رکن الدین نے یہ حالت دیکھی تو انگشت شہادت دائیں میں دبا لی اور کہا کہ حضرت سید جلال الدین! نبوت کا دروازہ بالکل بند ہے اور وہ (نبوت) کسی کو نہیں ملتی اور تم نے ولایت و معرفت میں اپنے کو اس درجے پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم کی ہاتھ کی چادر کو پکڑا، چوما اور سینہ مبارک ان کے سینے سے لگایا۔

حضرت مخدوم (جہانیاں) کے علوم جاننے کے لیے کتاب مستطاب ”خزانہ جلالی“ کافی ہے،^۱ تلم اہل حال اور صاحب کمال کو اس سے فیض پہنچتا ہے اور حضرت مخدوم کے مکاشفات و کرامات ”مناقب قطبی“^۲ میں تحریر ہیں جو حضرت کے مریدوں میں سے ایک نے لکھی ہے۔ وہ (کرامات) آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں (ان کو) تحریر کروں۔ حضرت (مخدوم جہانیاں) کے مرید اور خلفاء کشف و کرامات میں مشہور ہیں۔^۳

۱۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا یہ مجموعہ نہایت مشہور و معروف ہے جس کو مخدوم کے مرید احمد المدعو بہ بہا بن حسن بن محمود بن سلیمان تلمیذی نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب سترہ ایوب پر مشتمل ہے۔ برصغیر کے مختلف کتب خانوں میں اس کتاب کے خطی نسخے ملتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۴۹-۲۵۲۔

۲۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ”مناقب مخدوم جہانیاں“ ہے جس کا ایک ناقص نسخہ ایشیائی سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) میں محفوظ ہے۔ ممکن ہے اسی کتاب سے ”مناقب قطبی“ مراد ہو۔ ملاحظہ ہو مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۲۵۸-۲۵۹۔

۳۔ ان دو کتابوں کے علاوہ حضرت مخدوم کے اور بھی کئی ملفوظات ہیں۔ ان میں سے ایک جامع العلوم ہے جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ اسی طرح سراج الہدایہ، جواہر جلالی، مظہر جلالی اور مقرر نامہ (مجموعہ خطوط) بھی برصغیر کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مخدوم جہانیاں جہاں گشت

شیخ راجو قتال

حضرت مخدوم کے برادر صوری و معنوی اور مرید و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ شیخ صدر الدین کدہ جن کا عرف شیخ راجو قتال ہے، بالخصوص مشہور ہیں۔ ان کے کہلات کا آفتاب بے زوال ہے۔ علوم ظاہر و باطن میں بہت صاحب کمال و حال تھے۔ کوئی شخص اس آفتاب کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ جو کچھ ان کی زبان مبارک سے ادا ہوتا تھا وہی (واقعہ پذیر) ہوتا تھا۔

ایک دن حضرت کے لڑکے نے ایک شخص کی داڑھی منڈوانے کا حکم دے دیا۔ وہ شخص بے قصور تھا، وہ بیچارہ حضرت کی خدمت میں گیا اور حال بیان کیا۔ حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے منڈے گا۔ اسی وقت حضرت کے لڑکے پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ فوراً حجام کو بلا لیا، اپنے سامنے بٹھایا اور اس سے کہا کہ جلد میری داڑھی منڈ دے۔ حجام ڈرا اور وہ آئینہ اور استرہ سامنے رکھ کر ہاتھ دھونے کے بہانے سے کسی جگہ جا کر ہوشیدہ ہو گیا۔ جب اس لڑکے نے یہ دیکھا، آئینہ اپنے سامنے رکھا، استرہ اٹھایا اور اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے صاف کر دی۔

مشہور ہے کہ حضرت مخدوم شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں کے پاس ایک جن آیا اور مسلمان ہو گیا [۱۵۸] اور مرید ہوا۔ حضرت مخدوم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں بڑی شہرت ہو گئی اور تمام دنیا میں چرچا ہونے لگا۔ ایک دن وہ عبداللہ حضرت شیخ (راجو قتال) کے سامنے پہنچا۔ حضرت شیخ نے اس کی

۱۔ صدر الدین راجو قتال کے لیے دیکھیے :

(۱) مناقب الولايت از حامد گنج بخش (قلمی)۔

(۲) سبع سنابل ص ۷۳۔

(۳) مرآة العالم (قلمی) ورق ۳۶۱۔

(۴) ممرات القدس (قلمی) ۲ : ورق ۴۰۔

(۵) جمعات شاہی (قلمی) ورق ۱۵۰ ب۔

(۶) ذکر سادات بخاری و سادات بھکر و سادات رسولدار (قلمی)

ورق ۳۸۔

(۷) تاریخ اوج ص ۱۱۹۔

طرف تیز نگاہ سے دیکھا، اسی وقت وہ گر پڑا اور پچھنے لگ و کہتا تھا کہ میں جلاہ
میں جلاہ۔ ہر چند اس پر ہانی کی مشکیں چھوڑی گئیں، کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اسی
حالت میں دنیا سے چلا گیا۔

ہندو داروغہ کا لفظ

حضرت سلطان المشائخ ساء الدین سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت
جلال الدین مخدوم جہانیاں بیمار ہوئے تو سلطان فیروز کا مقرر کیا ہوا اوج، ہر ایک
ہندو داروغہ تھا جس کا نام نوآہون تھا اور وہ فارسی نویس تھا۔ وہ حضرت مخدوم
جہانیاں کی عیادت کے لیے آیا۔ جیسے ہی وہ آکر بیٹھا تو اس نے کہا خدا تعالیٰ
مخدوم کو صحت دے۔ مخدوم کی ذات ختم اولیاء ہے جس طرح حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم انبیاء ہیں۔ حضرت مخدوم (جہانیاں) سمجھے کہ یہ ہندو
ان الفاظ کے ادا کرنے سے بحکم شرع محمدی مسلمان ہو گیا۔ اپنے بھائی شیخ
صدر الدین میان راجو کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم نے سنا کہ نوآہون نے
کیا تقریر کی۔ شیخ (راجو قتال) نے عرض کیا کہ ہاں میں نے سنا، اور دو ایک اور
دیانت دار مسلمانوں نے بھی سنا اور وہ گواہ ہیں۔ نوآہون مذکور اسی وقت اٹھا اور
شہر اوج سے بھاگا اور دارالحکومت دہلی چلا گیا۔ جب وہ سلطان فیروز شاہ کے پاس
پہنچا، تمام حال بیان کیا۔ سلطان مذکور اس کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اس نے
کہا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تو نے یہ الفاظ کہے ہیں تو تو مسلمان ہوگا یا
نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں گا، خواہ کچھ بھی ہو۔

اسی زمانے میں حضرت قطب الاسلام شیخ عظام جلال الدین مخدوم جہانیاں
کا انتقال ہو گیا۔ سویم کی فاتحہ کے بعد حضرت سلطان المشائخ صدر الدین شیخ
راجو کوآہون کو اپنے ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر کے قریب
پہنچے، سلطان فیروز نے ان کے آنے کی خبر سنی۔ وہ سوجھ گیا کہ نوآہون کے معاملے
میں آ رہے ہیں۔ اس نے شہر (دہلی) کے دو تین ممتاز علماء کو بھیایا۔ ان سے مشورہ کیا
اور نوآہون کی رہائی کی صورت ان سے دریافت کی۔ قاضی عبدالمقتدر تھانیسریؒ کے

۱۔ گویا واقعہ ۷۷۵ھ/۱۳۸۲ع کا ہے۔

۲۔ قاضی عبدالمقتدر متوفی ۲۶ محرم ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ع۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند

لڑکے جن کا نام شیخ محمد تھا، ذہین عالم تھے، انھوں نے سلطان سے عرض کیا کہ جب بادشاہ سلامت شیخ کے استقبال کے لیے جائیں تو دیکھتے ہی ان سے دریافت کریں کہ کیا حضرت شیخ اس کافر کے معاملے میں تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت شیخ یہ کہہ دیں کہ ہاں اس کافر کے معاملے میں آیا ہوں تو میں انھوں نے اس کے کفر کا اقرار کر لیا۔ اس کے بعد ہم بحث کریں گے۔ جب سلطان نے یہ بات سنی تو، اس عالم کو ہمراہ لے کر حضرت شیخ کے استقبال کے لیے روانہ ہوا، ملاقات کے وقت دریافت کیا کہ حضرت (۱۵۹) غدوم اس کافر کے معاملے میں آئے ہیں حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہاں! اس مسلمان کے معاملے میں آیا ہوں۔ شیخ محمد پسر قاضی عبدالمقتدر نے کہا کہ ابھی تک اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت گواہوں کے مطابق نہیں ہوا ہے، آپ کسی طرح اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ حضرت شیخ نے ان کو تیز نگاہ سے دیکھا اور زبان مبارک سے کہا کہ غدوم زادہ! تمہاری گفتگو سے ایمانداری کی بو نہیں آتی ہے، جاؤ اور اپنے کفن کا انتظام کرو۔ اسی وقت ان کے ہیٹ میں درد ہوا۔ اسی حالت میں ان دو کھر لیے گئے۔ قاضی عبدالمقتدر دوڑے، جب حضرت شیخ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے غدوم! میرے صرف یہی ایک لڑکا ہے۔ اس کو مجھے بخش دیجیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ ختم ہو گیا۔ اس کے ایک لڑکا ہوگا جو متقی ہوگا۔ شیخ محمد مذکور نے اسی حالت میں وفات پائی۔ اس (شیخ محمد) کی زوجہ حاملہ تھی۔ شیخ محمد کے انتقال کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شیخ ابوالفتح رکھا گیا، وہ دانشمند درویش اور معزز ہوا۔ اس کا مقبرہ جوئیپور

۱۔ شیخ ابوالفتح اپنے زمانے کے نامور عالم اور شیخ طریقت تھے۔ اخبار الاخبار، نزهة الخواطر (جلد سوم) وغیرہ میں متفقہ طور سے ان کی پیدائش ۱۳ محرم ۸۷۲ھ تحریر ہے اور وہ اپنے دادا عبدالمقتدر سے مستفید و مستفیض ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالمعنی تحریر ہے، گویا شیخ ابوالفتح اس واقعہ سے تیرہ سال قبل پیدا ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو :

(۱) اخبار الاخبار ص ۱۸۱۔

(۲) نزهة الخواطر جلد سوم نمبر ۳۔

(۳) تاریخ شیراز ہند جوئیپور ص ۶۰۳ - ۶۰۵۔

(۴) تذکرہ علما جوئیپور (خیر الدین محمد جوئیپوری) متوجہ و مراقبہ

محمد ایوب قادری ص ۱۷۱-۱۸۱ (ماہنامہ سرحد (کراچی) اپریل ۱۹۷۳ء)

میں ہے اور وہ نواہون مذکور باوجود شہادت کے مسلمان نہیں ہوا۔ اس کی گردن مار دی گئی۔ حضرت شیخ (راجو قتال) دہلی سے اپنے مکان اوج مبارک تشریف لائے۔

شیخ کبیر الدین اسماعیل کا راجو قتال سے عوارف پڑھنا

حضرت (مخدوم جہانیاں) کے بہت سے خلفاء تھے جو پابند شرع اور حقیقت پرست تھے۔ ان خلفاء میں سلطان المشائخ کبیر الدین اسماعیلؒ منتخب تھے جو اس حقیر (جالی) کے پیر حضرت شیخ ساء الدین کے مرشد تھے۔ وہ علم ظاہری میں دوہائے بے کنار اور باطن میں غیب سے وابستہ تھے۔

میں نے سنا ہے کہ ابتدائی زمانے میں وہ صاحب کمال حضرت شیخ المشائخ صدرالدین راجو قتال سے عوارف پڑھتے تھے۔ یحییٰ ناسی ایک مجذوب تھا جو نہایت صاحب کشف و کرامت تھا، وہ بھی کبھی کبھی صدرالدین (راجو قتال) کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک رات وہ مجذوب حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں کے گنبد میں زیارت کے لیے آیا تھا۔ اس جگہ کے مجاوروں کی عادت تھی کہ رات کے وقت قفل لگا دیتے تھے۔ وہ مجذوب بھی وہاں تھا۔ حضرت شیخ المشائخ شیخ کبیر الدین کی یہ عادت تھی کہ آدھی رات کے وقت حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور انگلی کے اشارے سے گنبد کے دروازے کا قفل کھول دیتے، نماز تہجد تک روزانہ کلام اللہ ختم کر لیتے تھے اور نماز تہجد ادا کرنے کے بعد اس متبرک مقام سے باہر آتے۔ نالے کی طرف اشارہ کرتے اور وہ اسی طرح بند ہو جاتا۔ جس رات کو یحییٰ مجذوب وہاں تھا۔ اس نے ان کی یہ تمام کیفیت اپنی نظر سے دیکھی۔ جب دن ہوا وہ شیخ صدرالدین (راجو قتال) کے پاس آیا۔ رات کو جو ماجرا گزرا تھا وہ بیان کیا۔ حضرت شیخ کبیر الدین نور باطن سے معلوم کر لیا تھا۔ اس دن [۱۶۰] حضرت شیخ صدرالدین (راجو قتال) کے پاس شرمندگی کی وجہ سے (عوارف کا) سبق پڑھنے نہیں آئے۔ حضرت شیخ (راجو قتال) خود شیخ کبیر الدین کے یہاں تشریف لے گئے، سبق دیا اور ان کو اپنے گھر لے گئے۔

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس واقعہ پر اظہار رائے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”نواہون کا قتل غلط مذہبیت اور تنگ نظری کی بدترین مثال ہے“ (سلاطین

دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۳)۔

۲۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہوئے ہیں، ۸۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

فرزندان شیخ کبیر الدین اسماعیل

اس ضعیف الانام (شیخ جالی) نے حضرت شیخ کبیر الدین کے لڑکوں کو دیکھا ہے۔ وہ دونوں صاحب جمال، اہل کمال، حافظ قرآن اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ ایک کا نام شیخ عبدالشکور تھا اور دوسرے کو شیخ عبدالغفور کہتے تھے۔ دونوں حضرت ساء الدین کے پاس جو اس حقیر (جالی) کے پیر تھے معرفت کا درس لیا کرتے تھے۔ جو کوئی ان (دونوں) کو دیکھتا تو ان کی صورت اور سیرت کا عاشق ہو جاتا، گویا حضرت جبرائیل اور میکائیل ان کی صورتوں میں متحمل ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ دونوں بزرگوار شہادت سے مشرف ہوئے۔ شہادت کے بعد عادت کے مطابق ان کے ہونٹ قرآن کی تلاوت میں متحرک تھے۔

حضرت شیخ ساء الدین سے میں نے سنا ہے کہ سلطان المشائخ شیخ کبیر الدین حضرت شیخ عبدالغفور کو بہت دوست رکھتے تھے چنانچہ انتقال کے وقت دونوں (بیٹوں) کو اپنے پاس بلایا۔ اپنے کپڑے پہنائے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے تو میری قبر پر آ کر بھان کرنا، تم کو جواب ملے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ سبحان اللہ! جاننا چاہیے کہ آسمان سیادت کے افتاب شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں کا کیا مرتبہ تھا، جبکہ ان کے مرید اور فرزندان کے یہ مرتبے ظاہر ہوئے۔

اللهم اغرض علینا من انوارہم اے اللہ ہم پر بھی ان کے انوار و اسرارہم

اسرار کو پیش فرما دے

ایک بھی کا انتقال

سید شمس الدین سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت جلال الدین والمملت نماز چاشت میں مشغول تھے۔ ان کا ایک چھوٹا تقریباً چہار سالہ لڑکا ان کے مصلے کے نزدیک گھوم رہا تھا۔ میں ان کے پیچھے بیٹھا تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے میری طرف رخ کیا اور کہا کہ اے فلاں! شاید یہ بچہ دنیا میں نہیں رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اے مخدوم! ایسا کیوں فرما رہے ہیں۔ فرمایا کہ عین نماز میں میری طبیعت اس کی طرف متوجہ ہو گئی، مشکل بتی سے زندہ رہے گا۔ چنانچہ ظہر کے وقت تپ عرقہ میں مبتلا ہوا اور رات کو انتقال کر گیا۔

کار دنیا را بر کار دین مقدم نباید داشت

مولانا وجیہ الدین بد سے منقول ہے کہ میں کسی کام کے لیے مولانا نصیر الدین ابوالمعانی کے گھر گیا تھا، وہیں میں نے قیلولہ کیا، خواب میں دیکھا کہ لوگوں کا بڑا مجمع ہے اور ایک بزرگ وعظ فرما رہے ہیں یعنی جو کوئی دنیا کے کام کو دین کے کام پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا کام خاک میں مل جاتا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ یہ بزرگوار کون ہیں جو وعظ فرما رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت سید جلال بخاری ہیں۔ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا [۱۶۱] میرے قصے اور اوج مبارک کے درمیان جہاں حضرت مخدوم (جہانیاں) رہتے تھے کسی قدر فاصلہ تھا۔ جب میں بیدار ہوا دوسرے روز ان کی زیارت کا قصد کیا اور اس گلدستہ گلزار سیادت (حضرت مخدوم) کی قدم ہوسی سے مشرف ہوا، وہی صورت دیکھی جو خواب میں دیکھی تھی۔ وہی دو کلمے زبان سے فرما رہے تھے یعنی دنیا کے کام کو دین و عقبیٰ کے کام پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ ان کے سنتے ہی میں نے ان کے قدسوں پر سر رکھ دیا اور ان کا مرید ہو گیا۔

یادداشت

قاضی شمس الدین ملتانی سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ (مخدوم جہانیاں) کے والد حضرت کبیر الدین نے دریافت کیا کہ تم کو اپنی ولادت کے متعلق بھی کچھ یاد ہے تو حضرت تواضع و انکسار کی وجہ سے اپنے والد کے سامنے خاموش رہے اور جب ان کے سامنے سے باہر آئے اور میری طرف رخ کیا تو فرمایا کہ میں اس عورت کو کہ جس نے چھٹے روز مجھے نہلایا اور کپڑے پہنائے، پہچانتا ہوں کہ وہ کون تھی۔

موسرہ حاکم اوج

مولانا شہاب الدین برہان سے منقول ہے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں حضرت مخدوم جہانیاں اوج کی جامع مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے تھے اور چند درویش کہ جو

ہم قوم لایفقتہون تسبیحہم یہ وہ قوم ہے جو اپنی تسبیح سے بے خبر

ہے۔

کی صفت سے متصف تھے، حضرت کے پاس ہوتے تھے۔ اور بعض نیک طالب علم

بھی درویشوں کی طرح معتکف تھے۔ اچانک اوچ کا حاکم جس کا نام سومرہ تھا، حضرت مخدوم سے ملاقات کرنے مسجد میں آیا۔ جب اس نے حضرت کے چاروں طرف درویشوں کی کثرت دیکھی تو اچھے یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوئی۔ اس نے ان میں سے بعض کو باہر نکال دیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اے سومرہ! شاید تو ہانکل ہو گیا ہے کہ درویشوں سے آجھتا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے اسی وقت وہ کپڑے جو پہنے ہوئے تھا بھاڑ دیے اور دیوانہ ہو گیا۔ تمام شہر میں شور مچ گیا کہ شہر کے حاکم کا یہ حال ہے۔ چنانچہ اس کو زنجیر میں باندھ دیا۔

چند روز کے بعد اس کی بوڑھی ماں روتی پیتی حضرت مخدوم کی خدمت میں آئی اور نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اے حضرت مخدوم جہانیاں! آپ کا کرم تمام مخلوق پر عام ہے۔ یہ جوان مجھ بوڑھی کو بخش دیجیے۔ اس بڑھیا کے عرض کرنے کے بعد انہوں نے دعا دی اور فرمایا کہ اس کو غسل دیں، لباس پہنائیں اور حضرت شیخ جال خنداں رو کی زیارت پر لے جائیں۔ اس کے بعد میرے پاس لائیں۔ فوراً ایسا ہی کیا گیا۔ شیخ جال (خنداں رو) کے بعد جب اس کو حضرت مخدوم کے پاس لائے تو اس نے زمین پر سر رکھ دیا اور ان کے پیروں کی خاک کو بوسہ دیا۔ ان کے درویشوں کے پیروں پر گر پڑا۔ (بھر) اپنی اصلی حالت پر آگیا، مرید ہوا اور مقبولان خدا سے ہوا۔ سبحان اللہ کیا طور طریقے تھے کہ دن رات میں ہانسو رکعت نماز ضرور ادا کرتے، وظائف، تلاوت قرآن اور درویشوں کی تربیت اس کے علاوہ تھی۔

آخری حج

مولانا شمس الدین اوچی سے منقول ہے کہ جو آخری حج میں حضرت مخدوم کے ساتھ [۱۶۲] تھے کہ جب وہ سمندر کے کنارے پہنچے، ایک جہاز پر سوار ہوئے۔ چند روز بعد ان کے درویشوں نے بھئی ہوئی مچھلی کی خواہش کی، حضرت مخدوم نور باطن سے سمجھ گئے، مسکرائے اور فرمایا حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوستوں کی جو آرزو ہے حق تعالیٰ جلد ہی پوری کر دے گا۔ اسی وقت دو من کی مچھلی ہانی سے اچھل کر جہاز میں آ گئی۔ فوراً اس کو پکڑ لیا، بھونا اور کام میں لائے۔

ناہوت بدرالدین یمینی

چند روز بعد جب کنارے پر پہنچے تو جلدہ کی جانب چلے اور آم الغلائق حضرت حوا کی زیارت سے مشرف ہوئے، ان کا مدفن سرزمین جلدہ میں ہے۔ اتفاق

سے اسی روز ایک تابوت ان کے مزار کے پائنتی لایا گیا اور لوگوں نے دفن کرنا چاہا۔ حضرت مخدوم نے لوگوں سے پوچھا کہ کس کا تابوت ہے جس کو دفن کرتے ہو۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ تابوت ایک بزرگوار کا ہے، ان کو شیخ بدر الدین یمنی کہتے تھے۔ وہ تیس سال تک حرمین شریفین کے بجاور رہے ہیں۔ کل مکہ معظمہ سے ظہر کی نماز کے وقت جلد پہنچے اور عصر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور انتقال فرما گئے۔

یہ بات سن کر حضرت مخدوم نے سر جھکا لیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ان بزرگوار کو دفن نہ کریں، شاید ان کو سکتہ ہو گیا ہو۔ فرمایا کہ ان کو اٹھائیں اور شہر میں لے چلیں۔ خود بھی تابوت کے ہمراہ شہر میں گئے اور تابوت ایک مسجد میں جو دریا کے کنارے واقع ہے اتروا دیا۔ تابوت کے بند کھول دیے۔ شیخ بدر الدین کو باہر نکالا اور مسجد کی چٹائی پر رکھ دیا۔ مسجد کا دروازہ بند کر دیا تاکہ کوئی الدر نہ آئے پائے۔ خود دو گانہ ادا کیا اور قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے شیخ بدر الدین یمنی نے حرکت کی اور اچانک اٹھ بیٹھے۔ حضرت مخدوم کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور حضرت مخدوم نے اپنا خاص لباس ان کو پہنایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مسجد کا دروازہ کھول دیں اور اذان کہیں۔ عصر کا وقت تھا، شیخ بدر الدین یمنی نے امامت کی اور (مخدوم نے) درویشوں کی جماعت کے ساتھ پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

ایک عجیب شور و غوغا برپا ہو گیا، (مخدوم) دوسرے روز وہاں سے کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوئے، کعبۃ اللہ کے طواف کے بعد جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ بدر الدین یمنی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب (مخدوم) حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضے پر پہنچے تو انہوں نے پہلے کہا السلام علیک یا جدی۔ روضہ اطہر سے جواب ملا علیک السلام یا ولدی۔

وصال

مناقب قطبی میں تحریر ہے کہ اس سعادت ابدی کے حاصل کرنے کے بعد وہ شہر اوج مبارک میں آئے کہ جو ان کا وطن مالوف تھا۔ ان کی عمر ۷۷ سال ہو گئی

تھی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے عید الاضحیٰ کے روز دوکانہ ادا کرنے کے بعد انتقال فرمایا۔ ان کا مدفن بھی [۱۶۳] شہر اوچ مبارک میں ہے۔

۱۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ (۳ فروری ۱۳۸۴ع) بروز چہار شنبہ ہوا۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری نے حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے حالات میں ایک کتاب ”مخدوم جہانیاں جہاں گشت“ لکھی ہے جو ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی سے ۱۹۶۳ع میں شائع ہو چکی ہے۔

سلطان المشائخ شیخ جلال الدین تبریزی

از جہان معرفت دریائے راز شمع ساں در آتش وحدت گداز
 گنج اسرار حق و کان کرم در گروہ پاک زان محترم
 آتش عشق خدا افروخته جان و دل در شعلہ آن سوخته
 در محیط عشق از پا تا بہ فرق از کمال معرفت پیوستہ غرق
 در شریعت ہائے صدق او درست در حقیقت دائما چالاک و چست
 آن ملک سیرت جلال الدین پاک دورہ دین کردہ شیطان را ہلاک
 چون دلم ز سر عشقش آگہ است ہمت او با جالی ہمراہ است
 وہ آزادی کے مسافروں میں سے تھے ، دنیا کے عاشقوں کے سردار اور صفۂ صفا
 کے صوفی تھے ، مہر و وفا کی نہر کے موتی ، عفت کے کوہ قاف کے میمرغ ، ہمت کے
 جنگل کے شیر اور صبح خمیزی کی نسیم کے سمندر تھے ۔

کلمات ظاہری و باطنی

ابوالقاسم شیخ جلال الدین تبریزی عظیم القدر شیخ (طریقت) اور مشیخت و معرفت
 کے آسان تھے۔ ان کے والد حضرت شیخ المشائخ بدرالدین ابو سعید تبریزی کے مرید
 تھے۔ وہ جلال الدین ظاہری و باطنی علوم میں لہریں مارتے ہوئے دریا تھے۔ کلمات میں
 اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور تمام بڑے بڑے عالی مرتبہ شیوخ ، مشیخت و
 معرفت میں ان کے قائل تھے۔ کشف و کرامات میں ان کو بے مثل سمجھا جاتا تھا۔
 ترک و قہرید میں ان کی کوئی حد نہیں تھی اور توحید و تفرید میں کوئی انتہا نہ
 تھی۔ جذب خواطر میں وہ مستثنیٰ اور ممتاز تھے۔ حضرت سلطان المشائخ بدر الدین
 ابو سعید تبریزی کے انتقال کے بعد کہ جوان کے پیر تھے ، وہ تبریز سے بغداد پہنچے۔
 سات سال تک حضرت شیخ الشیوخ (شیخ شہاب الدین سہروردی) کی صحبت
 میں رہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضری

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت
 شیخ جلال الدین تبریزی بغداد پہنچے تو پھر وہ ہر سال شیخ شہاب الدین سہروردی

کے ہمراہ کعبہ جاتے، حج کرتے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سن رسیدہ ہو گئے تھے۔ حضرت (شیخ سہروردی) کو کعبۃ اللہ کے سفر میں سرد و خشک کھانا مثل کلچہ، کماج (ایک قسم کی روٹی) پسند نہ تھا جو مسافر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین نے ایک چولہا بنوا لیا تھا جس میں ہائے لگے ہوئے تھے اور توا اٹکا ہوا تھا۔ اس میں آگ رہتی تھی مگر اس طرح کہ سر کو آگ کی گرمی نہ پہنچے۔ اس پر ایک دیگچی رہتی اور وہ (شیخ جلال الدین تبریزی) ان (شیخ شہاب الدین سہروردی) کی ڈولی کے ہمراہ (چولہا) لے کر ہیدل چلتے۔ ضرورت کے وقت شیخ شہاب الدین کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا۔ مختصر یہ کہ شیخ (جلال الدین) نے خدمت کے آداب اس طرح پورے کیے کہ اس زمانے کے تمام شیوخ ان کی صورت کے عاشق تھے۔ جو شخص حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت اس طرح کرے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ اپنے پر کی خدمت کس طرح کرتا ہوگا۔

حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین بدایونی) سے منقول ہے کہ (شیخ شہاب الدین) بیت اللہ سے بغداد واپس آئے، اپنی خانقاہ میں قیام کیا۔ مرید اور [۱۶۴] معتقدین تحفے لائے اور ہر ایک نے ان کے سامنے رکھ دیے۔ اسی دوران میں ایک نیک عورت آگئی، وہ ایک درم لائی اور ان ہی تحفوں میں رکھ دیا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے حاضر درویشوں کو حکم دیا کہ جو جس کا دل چاہے ان تحفوں میں سے لے لے۔ ہر ایک نے جو جس کا دل چاہا اٹھا لیا۔ حضرت شیخ جلال الدین نے وہی درم جو وہ بوڑھی عورت لائی تھی، اٹھا لیا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ جو برکت تھی وہ تم نے اٹھا لی اور دوسروں کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔

غریبوں پر شفقت

حضرت شیخ اوحید الدین کرمانی سے منقول ہے کہ کعبۃ اللہ کے سفر میں میں شیخ جلال الدین کے ہمراہ تھا۔ ہم بنی امامؑ پر پہنچے۔ عجیب سخت اور دشوار راستہ تھا، بہت سے آدمی اور اونٹ مر گئے۔ جو فقیر اور غریب لوگ قافلے میں تھے، ان کے

۱۔ فوائد الفواد ص ۳۰۳، اخبار الاخیار ص ۵۰۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۳۰۲۔

۳۔ در نسخہ اول (۲ : ۳۰) ”بنی لام“۔

بیروں میں آبلے پڑ گئے یہاں تک کہ قافلے والے سواری نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہو گئے۔ بازار بنی امام میں اونٹوں کا ایک گدہ فروخت ہونے کے لیے آیا۔ ہر اونٹ کی قیمت بیس اشرفی تھی۔ اہل قافلہ میں سے جس میں قوت تھی اس نے اونٹ خرید لیا۔ جو غریب تھے اور قیمت نہیں رکھتے تھے راضی بہ قضاء رہے اور اپنی اپنی جانوں سے ملیوس ہو گئے۔ اسی دوران حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے اونٹوں کے مالک کو بلایا اور فرمایا کہ شہار کرو کہ کتنے اونٹ فروخت نہیں ہوئے ہیں۔ شہار کرنے سے معلوم ہوا کہ ہانسو اونٹ فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ حضرت جلال الدین نے تین مرتبہ یا لطیف فرمایا، ریت میں ہاتھ ڈالا، اشرفیوں سے بھر کر باہر نکالا اور اونٹ خریدے اور (وہ اونٹ) حقداروں اور عاجزوں کو دے دے۔ یہاں تک کہ ہانسو اونٹ خرید کر تقسیم کر دیے اور خود بیت اللہ کو پیدل گئے۔

دہلی میں آمد اور سلطان التمش کا استقبال کرنا

حضرت شیخ فخر الدین زراذی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی بغداد سے دارالخلافہ دہلی آئے تو سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ تھا۔ سلطان مذکور شیخ جلال الدین کے کلمات سے بخوبی واقف تھا۔ حضرت کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ اس زمانے میں وہاں (دہلی) کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ تھے، وہ بھی سلطان کے ہمراہ دوسرے شیوخ کے ساتھ آئے جب سلطان نے شیخ جلال الدین کو دیکھا تو وہ گھوڑے سے اتر آیا، اُن کی طرف دوڑا اور ملاقات کی اور حضرت شیخ کو اپنے ہمراہ لے کر چل دیا۔ اس اثناء میں سلطان نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے کہا کہ حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) کو کمں جگہ ٹھہرایا جائے۔ کوئی ایسی جگہ تجویز کرنی چاہیے جو میرے نزدیک ہو تا کہ وقتاً فوقتاً ان سے نیاز حاصل کر سکوں۔ شیخ نجم الدین کو حسد پیدا ہوا۔ سلطان کے محل کے برابر ایک اچھا مکان تھا جس پر جن قبضہ کیے ہوئے تھے۔ کسی شخص کی یہ طاقت نہ تھی کہ اس مکان کے قریب بھی جا سکے اور اس گھر کو بیت النحرام کہتے تھے [۱۶۵] وہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ انہوں (نجم الدین صغریٰ) نے سوچا کہ شیخ (جلال الدین تبریزی) کو بیت الجن میں اتارنا چاہیے۔ سلطان نے کہا کہ ایسے عزیز مہمان کو خوف و وحشت کے مکان میں کیوں اتارتے ہو۔ شیخ نجم الدین نے کہا کہ (یہ معاملہ) دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ یہ مرد کامل ہے یا ناقص، اگر کامل ہے تو مکان کو جنوں سے خالی کرا لے گا۔ اگر ناقص

ہے تو اس کی سزا بھی ہونی چاہیے کہ جن اس کو نہ چھوڑیں -

منقول ہے کہ وہ یہ گفتگو آہستہ کر رہے تھے، حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) نور باطن سے سمجھ گئے اور فرمایا کہ نجم الدین! اس مکان کی کنجی ملنی چاہیے تاکہ اپنے پہنچنے سے پہلے ایک درویش کو بھیج دوں کہ وہ صفائی کرے۔ جب کنجی لائی گئی تو حضرت نے ایک خادم کو کہ جس کا نام ترائی تھا وہ کنجی اس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا کہ جاؤ دروازے کا تالا کھولو اور اندر داخل ہو اور بلند آواز سے کہنا کہ اے جنوا شیخ جلال تبریزی آتا ہے، جلد باہر نکل جاؤ۔ ایک مدت تک تم اس میں رہے، اب شیخ یہاں قیام کرے گا [اور یہ میرا قرآن شریف مکان میں لٹکا دینا]۔ کہتے ہیں کہ جس وقت وہ خادم مکان میں پہنچا اور یہ آواز دی تو جنوں میں ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ سب (جن) ایک دم باہر نکل گئے اور حضرت (شیخ جلال الدین تبریزی) نے اس مکان میں قیام کیا۔

شیخ جلال تبریزی اور خواجہ بختیار کاکی کی ملاقات

حضرت شیخ نظام الدین بدایونی سے منقول ہے کہ جس زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی (دہلی) پہنچے تو دوسرے روز حضرت سلطان المشائخ قطب الدین بختیار اوشی اپنے مکان سے نکلے اور عام راستہ چھوڑ کر تنگ کلیوں میں ہو کر آئے لگے۔ اس زمانے میں شیخ قطب الدین اوشی کیلو کھری کے نزدیک رہتے تھے۔ حضرت (قطب الدین اوشی) کو کشف سے معلوم ہو گیا کہ شیخ جلال الدین میری ملاقات کے لیے آرہے ہیں۔ حضرت اپنے مکان سے ان کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے اور ان تنگ کلیوں میں پہنچے۔ درمیان راہ میں دونوں ہزرگوں کی ملاقات ہو گئی۔ اس دن بھی حضرت شیخ قطب الدین کے یہاں (درویشوں) کی ایک جماعت تھی۔ درویش سماع کے سننے میں مشغول تھے اور درویشوں کا وجد اس شعر پر تھا:

شعر

در مہکدہ وحدت ہشیار نمی گنجد در عالم بے رنگی ۲ اغیار نمی گنجد

- ۱۔ قوسین کا جملہ نسخہ اول (۲ : ۳۲) میں نہیں ہے۔
- ۲۔ فوائد الفواد ص ۲۵۵، سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۴۸۔
- ۳۔ در نسخہ اول (۲ : ۳۲) پکرتگی۔

وہ جمعہ کی رات تھی ، چنانچہ جمعہ کی نماز دونوں بزرگوں نے مسجد منارہ میں یکجا ادا کی اور ہر ایک اپنے اپنے مکان کو چلے گئے ۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کو لداست

حضرت شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزی آزاد پیر تھے ۔ وہ اکثر فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے تھے ۔ صبح فجر کی نماز ادا کرتے ، پھر فجر سے نماز چاشت تک ہلنگ پر آرام فرماتے ۔ اس زمانے میں (شیخ نے) ایک ہزار ہانسوا دینار میں ایک خوبصورت ترک غلام خرید کیا تھا ، وہ غلام حسن و زیبائی میں بے مثل تھا اور وہ نہایت عمدگی سے ساز بجاتا تھا ۔ حضرت شیخ اس کو بہت دوست رکھتے تھے ۔

چار کا موسم تھا ۔ سلطان [۱۶۶] شمس الدین التتمش جس بالا خانے پر رہتا تھا وہاں سے حضرت (تبریزی) کا صحن خانہ نظر آتا تھا ۔ ایک دن سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو کسی مصلحت سے صبح سے قبل ہی اپنے پاس بلایا ۔ انہوں نے فجر کی نماز کی اسات کی ۔ شیخ جلال الدین تبریزی حسب عادت فجر کی نماز ادا کر کے صحن خانہ میں ایک ہلنگ پر آرام کر رہے تھے اور وہ ترک غلام آپ کے پیر دبا رہا تھا ۔ جب سلطان نے فجر کی نماز ادا کی تو شیخ نجم الدین صغریٰ کی نظر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی ، دیکھا کہ منہ پر رضائی ڈالے ہوئے ہیں اور غلام مذکور ان کے پیر دبا رہا ہے (نجم الدین صغریٰ) نے فوراً سلطان کا ہاتھ پکڑا ، بالا خانے کے کنارے ہر لانے اور کہا کہ آپ ایسے درویشوں پر اعتقاد رکھتے ہیں ، یہ کونسا وقت سونے کا ہے اور اس حسین غلام کو اپنے پاس رکھنا کیا معنی رکھتا ہے ۔ سلطان نے جواب دیا شاید فجر کی نماز کے بعد کچھ آرام کر رہے ہوں اور یہ بھی کوئی بات نہیں کہ ایک پاک ہستی کے پاس حسین اور چلبلا غلام ہو ۔

اسی وقت یہ بات حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو نور باطن سے معلوم ہو گئی ۔ انہوں نے اپنے چہرے سے رضائی ہٹائی اور بلند آواز سے کہا کہ اے نجم الدین! اگر تم اس سے پہلے دیکھتے تو تم اس غلام کو بغل میں ہاتے ۔ یہ کہا اور رضائی بھر چہرے پر ڈال لی اور شغل باطن میں مشغول ہو گئے ۔ سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے کہا کہ اے شیخ ! تم نے میری اور اپنی دونوں کی فضیحت

کرائی۔ ہم کو تو لوگ یہ کہیں گے کہ کیسا شخص شیخ الاسلام ہے کہ جس کو اس قدر بھی صفائی باطن نہیں ہے کہ وہ حقیقت حال کو جان سکے اور مجھ کو کہیں گے کہ اس کو اتنی بڑی فہم و فراست نہیں ہے کہ کسی باخفا اور بااخلاق شخص کو درویشوں اور موسیٰین پر شیخ الاسلام بناتا۔

شیخ الاسلام کی تہمت تراشی

سید خورشید مبارک کرمانی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی زبان سے یہ الفاظ سنئے تو شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہوئے اور شیخ جلال سے ان کا حسد سو گنا ہو گیا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ حضرت (جلال تبریزی) کی شان میں کوئی تہمت اور بہتان لگائیں۔ شہر دہلی میں ایک گائے والی تھی، نہایت حسین اور بہت خوب گائے والی۔ شہر کے اکثر رؤساء اس سے رغبت کرتے اور کبھی کبھی وہ حضرت (جلال تبریزی) کی خدمت میں بھی آتی اور شیخ نجم الدین کے پاس بھی جاتی۔ اس عورت کا نام گوہر تھا۔ شیخ نجم الدین نے اس کو سکھایا کہ اگر تو حضرت جلال الدین کے فعل بد کا اقرار کر لے اور جس جگہ میں کھلوانا چاہوں وہاں حاضر ہو کر کہہ دے کہ شیخ مذکور نے میرے ساتھ فعل بد کا ارتکاب کیا ہے تو میں تجھ کو پانسو دینار دوں گا جن میں سے دو سو پچاس دینار اسی وقت تجھ کو دے دوں گا اور دو سو پچاس دینار ایسے امین کے پاس امانت رکھتا ہوں کہ جو راز کو فاش نہیں کرے گا اور جس روز تو شیخ مذکور کی موجودگی میں حاضرین کے سامنے یہ تقریر کر دے گی [۱۶۷] تو یہ دو سو پچاس دینار بھی اس امین سے لے لینا۔ اس گائے والی نے دیکھا کہ رقم کافی ہے اور میں فاحشہ عورت ہوں، اس بات کے کہنے سے میرا کیا بگڑتا ہے۔ اس نے نہایت رغبت سے یہ بات قبول کر لی۔ شیخ نجم الدین نے دو سو پچاس دینار اس کو دے دیے اور بقیہ دو سو پچاس دینار ایک بقال کے پاس رکھوا دے جس کا نام احمد شرف تھا اور اس مطربہ کا سامنا کرا دیا کہ بہتان لگانے کے بعد وہ دینار اس سے لے لے۔

اس بات کے طے ہو جانے کے بعد اس نامعقول شیخ (نجم الدین صغریٰ) نے اس بزرگ (شیخ جلال تبریزی) کے حق میں اس تہمت کو شہرت دی، بے دینی کا طریقہ اختیار کیا اور اس فاحشہ کو سلطان کے حضور میں پیش کرایا۔ سلطان مذکور نے کہا کہ اب یہ عورت اپنے زنا پر خود مقرر ہے لہذا سزا کی مستوجب ہے لیکن بغیر شہادت کے حضرت شیخ پر تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی اور تو

(شیخ الاسلام) خود مدعی ہے لہذا اس وقت کوئی اور حکم ہونا چاہیے تاکہ اس معاملے میں وہ حکم جاری کرے۔ مشائخ کا محضر بنانا چاہیے اور اس معاملے کو ان کے سامنے رکھنا چاہیے۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ کو حکم دیا گیا کہ دارالخلافہ (دہلی) میں حاضر ہوں اور مجھ (سلطان شمس الدین) کو اپنی تشریف آوری سے مشرف کریں۔ تھوڑے ہی عرصے میں بڑے بڑے شیوخ جو علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے حاضر ہو گئے۔ سنا گیا ہے کہ دو سو سے زیادہ اولیاء مثلاً شیخ المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا جامع مسجد میں حاضر ہوئے۔ سلطان شمس الدین نے شیخ نجم الدین (صغریٰ) کی طرف رخ کیا اور کہا کہ ان بزرگ شیوخ میں سے اپنے اختیار سے جس کو چاہو حکم مقرر کر دو تاکہ حق اپنے مرکز پر قرار پائے۔

کار ہا کل پر قیاس خود مکیر

شیخ نجم الدین (صغریٰ) نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو (حکم) منتخب کیا۔ اس انتخاب کا سبب یہ تھا کہ جس زمانے میں حضرت بہاء الدین زکریا، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے رخصت ہو کر ملتان کی طرف روانہ ہوئے تھے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی ساتھ تھے۔ جب وہ نیشا پور پہنچے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شیخ فرید الدین عطار کے پاس گئے اور ان سے ملے۔ جب وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے شیخ جلال سے پوچھا کہ آج سیر کرنے گئے تھے، درویشوں میں سے کس سے ملاقات کی۔ شیخ جلال نے کہا کہ آج حضرت شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات کی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے کیسی صحبت رہی۔ حضرت شیخ جلال نے کہا کہ جب شیخ فرید الدین عطار نے مجھے دیکھا تو دریافت کیا کہ درویش کہاں سے آرہے ہیں۔ میں نے کہا کہ مقدس شہر بغداد سے، (پھر) کہا وہاں کون درویش مشغول حق ہیں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ (یہ) کیوں نہیں کہہ دیا کہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملا ہوں۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے کہا کہ حضرت فرید الدین عطار کے استغراق نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ مجھے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین [۱۶۸] مطلق یاد نہیں رہے۔ اس بات سے شیخ بہاء الدین زکریا کبیدہ خاطر ہو گئے اور

اسی مقام سے دونوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ یہ حکایت شیخ نجم الدین صغریٰ تک پہنچ چکی تھی۔ وہ یہ سمجھے کہ شاید حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان سے ناراضی ہیں اور انصاف (کرنے) میں ضرور اس واقعہ (رج) کو ملحوظ رکھیں گے۔

وہ محضر جمعہ کے دن ہوا۔ سلطان بھی موجود تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد اس مسجد کے صحن میں کہ جس میں مینارہ ہے، بزرگ لوگ دائرے میں بیٹھ گئے۔ شیخ نجم الدین (صغریٰ) نے اس گلے والی کو حاضر کیا۔ شیخ جلال الدین مسجد کے دروازے سے داخل ہوئے۔ (جیسے ہی) جوتے پیروں سے اتارے، تمام شیوخ ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور حضرت شیخ المشائخ شیخ بہاء الدین زکریا دوڑے۔ انہوں نے ان کے جوتے اٹھا لیے، اپنی آستین میں رکھ لیے اور مجلس میں بیٹھ گئے۔ سلطان شمس الدین نے کہا کہ محضر برخاست ہوتا ہے اس لیے کہ جس شخص کو حکم (ثالث) بنایا گیا تھا، اس نے یہ تعظیم کی۔ اب گفتگو کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ واجب ہے کہ میں ان کی جوتیوں کی خاک کا سرمہ اپنی آنکھوں میں لگاؤں، اس وجہ سے کہ وہ (جلال تبریزی) سات سال تک سفر و حضر میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین کے ساتھ رہے ہیں، (مجھ پر) ان کی تعظیم واجب ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ شیخ نجم الدین صغریٰ سمجھے اور کہے کہ ان (جلال تبریزی) کا عیب اس تعظیم سے پوشیدہ کر دیا۔ اگرچہ تمام خدا رسیدہ لوگ جانتے ہیں کہ اس ذات پاک (شیخ جلال تبریزی) سے یہ بات ہرگز متصور نہیں ہو سکتی لیکن (بھر بھی) اس مطربہ کو بلایا جائے تا کہ اصلیت ظاہر ہو۔

آخر کار شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا نے اس مطربہ کو سامنے بلایا اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جو سچی بات ہو وہ کہہ دے ورنہ برباد ہو جائے گی۔ مطربہ، مذکور نے یہ آواز بلند کہا خدا حاضر و ناظر ہے کہ یہ بات بالکل جھوٹ اور بہتان ہے اور حضرت شیخ جلال الدین (تبریزی) آب حیات سے زیادہ پاک ہیں۔

شیخ نجم الدین صغریٰ نے مجھ کو ہانسو سرخ دینار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان میں سے دو سو پچاس دینار مجھ کو دے دیے ہیں اور دو سو پچاس دینار احمد شرف بقال کے پاس امانت ہیں جو اس تہمت کے بیان کرنے کے بعد دیے جائیں گے۔ احمد شرف کو بلایا گیا، اس نے بھی اس بات کو تسلیم کیا اور وہ دو سو پچاس دینار

حاضرین (کے سامنے) پیش کر دیے۔

شیخ نجم الدین صغریٰ انتہائی شرمندگی کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ سلطان شمس الدین نے اسی وقت ان کو شیخ الاسلامی سے معزول کر دیا اور نظر سے گرا دیا۔ شیخ الاسلامی کا عہدہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو دے دیا۔ اس وقت سے اب تک یہ عہدہ شیخ الاسلامی اس بزرگ خاندان میں چلا آ رہا ہے۔

ہداہوں میں قیام

حضرت شیخ نظام الدین ہداہوں سے منقول ہے کہ جب مشائخ عظام محضر کے قضیے کے بعد اپنی اپنی قیام گاہ کو چلے گئے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی [۱۶۹] دہلی میں نہیں رہے اور وہاں سے شہر ہداؤں چلے آئے۔ (شیخ جلال تبریزی) ایک دن دریا کے کنارے جو شہر کے نزدیک ہے، درویشوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اٹھے، تازہ وضو کیا اور کہا درویشو! آؤ نجم الدین صغریٰ کی نماز جنازہ پڑھیں کہ وہ اس وقت دہلی میں انتقال کر گئے، اگرچہ ہم ان کی تہمت کی وجہ سے شہر دہلی سے چلے آئے اور وہ ہمارے پیر کی برکت سے زمانے سے چلے گئے۔ چند روز کے بعد خبر آئی کہ وہ اسی ساعت میں کہ جب حضرت شیخ (تبریزی) نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، انتقال کر گئے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء ہداہوں سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ جلال الدین تبریزی شہر ہداؤں میں اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے تھے کہ ایک ہندو کھٹیر کے گھنے جنگل سے کہ جو ہداؤں کے نزدیک ہے دہلی سے بھری ہوئی ایک مٹی کی فروخت کرتے کے لیے لایا اور وہ (مٹی) سر پر رکھے ہوئے گھوم رہا تھا۔ جب شیخ جلال الدین کے نزدیک پہنچا اور اس کی نظر حضرت پر پڑی تو دہلی کی مٹی جو سر پر رکھے ہوئے تھا زمین پر رکھ دی، حضرت شیخ (تبریزی) کے قدموں پر گر پڑا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) نے اس کا نام علی رکھا اور دوسرے روز وہ اپنے مکان گیا اور جو کچھ اس کی ملکیت میں تھا وہ سب حضرت شیخ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ حضرت شیخ (تبریزی) نے اس سے فرمایا کہ نقد (رقم) کو سنبھال کر رکھو اور جس موقع پر میں حکم دوں خرچ کرو۔ حضرت شیخ کی عادت تھی کہ جس کسی کو انعام دیتے تو دس درہم سے کم

۱۔ اخبار الانخيار ص ۵۰، فوائد الفواد ص ۲۳۵۔

۲۔ فوائد الفواد ص ۲۲۷-۲۲۸، خیر المجالس ص ۱۹۱-۱۹۲۔

ہیں دیتے تھے مختصر یہ کہ وہ تمام نقد روپیہ خرچ ہو گیا، صرف ایک درم علی کے پاس رہ گیا۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ حضرت کے نزدیک کم سے کم اٹھاس دس درہم ہے اور میرے پاس ایک درہم سے زیادہ نہیں ہے، جب کسی کے متعلق حکم دیں گے تو نو درہم کی اور ضرورت ہوگی جو دیے جائیں گے۔ اسی درہم میں ایک سائل آ گیا۔ حضرت شیخ نے علی کو حکم دیا کہ وہ ایک درہم جو تمہارے پاس ہے اس سائل کو دے دو۔

قاضی کمال الدین جعفری ہدایونی

حضرت شیخ نظام الدین ہدایونی سے منقول ہے کہ قاضی کمال الدین جعفری اور حضرت شیخ (جلال الدین تبریزی) میں بہت محبت و مؤدت تھی۔ ایک دن حضرت شیخ (تبریزی) قاضی مذکور (جعفری) کے مکان پر گئے، قاضی (کمال الدین جعفری) کے خدمت کاروں نے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھیے کہ اس وقت قاضی (جعفری) نماز میں مشغول ہیں، جب فارغ ہو جائیں گے تو ہم اطلاع کر دیں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کیا قاضی بھی نماز پڑھنی جانتے ہیں؟ یہ کہا اور اپنے مکان کو چلے آئے۔

دوسرے روز قاضی (جعفری) نے حضرت شیخ (تبریزی) سے خواب میں ملاقات کی اور قاضی نے کہا کہ آپ نے یہ بات کہی تھی کیا قاضی نماز پڑھنی جانتا ہے؟ حضرت شیخ نے کہا کہ ہاں! قاضی نے کہا کہ اے مخدوم! کیا آپ نماز میں قرآن کے علاوہ کچھ اور پڑھتے ہیں یا رکوع و سجدہ کسی اور طریقے سے کرتے ہیں؟ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ یہی قرآن پڑھتے ہیں اور رکوع و سجدہ بھی اسی طرح کرتے ہیں لیکن [۱۷۰] آپ کی نماز علمائے ظاہر کے نزدیک اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ تکبیر کے وقت قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک رکن کے بعد دوسرا رکن ادا کرتے ہیں اور اگر کسی رکن کے ادا کرنے میں شبہ ہو جاتا ہے تو تجدید کر لیتے ہیں۔ لیکن فقراء کی نماز یہ ہے کہ جب تک رب کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے ہیں اس وقت تک اللہ اکبر نہیں کہتے ہیں اور ان کی نماز کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ عرش پر نماز پڑھتے ہیں۔

۱۔ فوائد الفود ص ۲۳۸، خیر المجالس ص ۱۹۲۔

۲۔ نسخہ اول (ص ۳۸) ”خواب“ ندارد۔

۳۔ در نسخہ اول (ص ۲: ۳۸) خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین تبریزی عرش معلیٰ پر نماز ادا فرماتے ہیں۔

علی الصبیح قاضی کمال الدین جعفری حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ ابھی خواب کا ذکر نہیں کیا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ قاضی کمال الدین جعفری! قراء کی نماز کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو تم کو گزشتہ رات خواب میں معلوم ہوا۔ قاضی مذکور نے حضرت شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، معذرت چاہی اور اپنے بڑے لڑکے کو جس کا نام سیف الدین محمد تھا، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا مرید کرایا۔

پھر شیخ جلال الدین تبریزی ہداؤں سے ہنگالہ کی طرف روانہ ہو گئے اور شیخ علی، دہی فروش جو مسلمان ہوئے تھے ان کے ساتھ رہے۔ تقریباً دو فرسنگ (تقریباً چھ میل) گئے ہوں گے کہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے درویش علی! واپس ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے مخدوم! آپ میرے پیر اور خواجہ ہیں۔ میں آپ کے بغیر کیا کروں گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے یہ جگہ تمہارے حوالے کی۔ آخر یہی ہوا۔ باوجود (ہداؤں میں) بہت سے بزرگ شیوخ موجود ہونے کے لوگ ان کی جانب بھی متوجہ ہوتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ وجیہ الدین قمری نے حضرت شیخ جلال الدین سے پوچھا کہ ایک شخص روزہ نہیں رکھتا، کھانا کھاتا ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہو، صبح کو بھی کھائے، شام کو بھی کھائے اور دوپہر کو بھی کھائے اور جو قوت اس سے حاصل ہو خدا کی عبادت میں صرف کرے اور گناہ نہ کرے۔

قیام ہنگالہ

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ہنگالہ گئے تو مخلوق (خدا) ان کی طرف

- ۱۔ در فوائد الفواد (ص ۳۰۳) و تذکرۃ الواصلین (ص ۱۰۵) برہان الدین۔
- ۲۔ فوائد الفواد ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، خیر المجاس ص ۲۱۱۔ خاکسار مترجم محمد ایوب قادری دوران قیام ہدایوں نماز جمعہ ہمیشہ جامع مسجد شمسی میں ادا کرتا تھا اور نماز کے بعد قاضی کمال الدین جعفری کے مزار پر فاتحہ پڑھتا تھا۔
- ۳۔ فوائد الفواد ص ۲۲۸، خیر المجالین ص ۱۹۲۔
- ۴۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۸۲ و تذکرۃ الواصلین ص ۴۳-۵۷، فوائد الفواد ص ۳۰۸۱۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بزرگ ”علی“ ”گدی“ تھے۔ اور ممکن ہے کہ ان ہی بزرگ کی تبلیغ و تحریک سے ہدایوں کے دیہات کے ”گدی“ مسلمان ہوئے ہوں۔
- ۵۔ فوائد الفواد ص ۳۹۰۔

مذبحہ ہوئی اور مرید ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے وہاں خانقاہ بنوائی اور لنگر جاری کیا۔ چند باغ اور زمین قیمت دے کر خریدی اور لنگر کے لیے وقف کر دی وہ وہاں زیادہ دنوں تک رہے۔ اس مندر کو دیوہ محل کہتے ہیں۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ ایک کافر نے بت خانہ بنایا تھا اور بے حد روپیہ خرچ کیا تھا۔ حضرت شیخ نے اس بت خانے کو توڑ دیا اور اس بت خانے کو اپنا ٹکیمہ بنایا۔ حضرت شیخ (تبریزی) نے وہاں بہت سے کافروں کو مسلمان کیا۔ اس زمانے سے ان کا مقبرہ مطہرہ اس بت خانے میں ہے اور اس مندر کی نصف آمدنی ان کے لنگر کے لیے وقف ہے۔

۱۔ ۵۱۲۳۳/۵۶۳۱ میں بنگال میں انتقال ہوا۔ دیوتلہ (دیو محل) میں دفن ہوئے۔ ان کے لنگر کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو جنرل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جولائی ۱۹۶۰ع و اکتوبر ۱۹۶۰ع سفر نامہ ابن بطوطہ (عجائب الاسفار) ۲: ۳۵۸ - ۳۶۱ تذکرۃ الواصلین ۳۳ - ۵۶ (حاشیہ)۔

شیخ المشائخ شیخ سماء الدین

آن کشائندہ در مقصود .. وان نمائندہ رہ معبود
 لہجہ معرفت ازو در موج اختر نور دین ازو در اوج
 چون براہ صفا قدم بکشد کام بر کام مصطفیٰ بنہاد
 بادشاہ جہاں بزور کلیم کلیمے چارتر کش دہیم [۱۷۱]
 کہست جزوئے ہملک بے خویشی کہ کند سروری بدرویشی
 دو جہاں نرد بہت والاہی کم تر از نیم دانہ خشخاش
 باطن او ز طلعت تکریم دادہ نور صفا بہفت اقلیم
 خاک درگاہ او پناہ ملوک در او مسجدہ گاہ اہل سلوک
 کوہر معدن صفات خدا قطرہ از ابر کوشش دریا
 بر جہاں فیض اقدس نازل او بدان فیض در جہاں باطل
 سرو باغ حدیقہ تقدیس بگریزان ز سایہ اش اہلبس
 طائر قدس را بلفظ فصیح قوت دادہ زدائے تسبیح
 ہر کہ داد ارادتش دادہ پا بحرہ عظیم بنہادہ
 رہبر انس و جان زروئے یقین پیشوائے جہاں سماء الدین
 چون دلش ناظر جالی گشت زان نظر گنج لا یزالی گشت

وہ حقائق کے مخزن، دقائق کے معدن، ذات اقدس کے جلوے کے سمندر،
 الوہیت کے سرور کے حامل، قناعت کے پہاڑ کے عنقا، آسمان ہدایت کے روشن آفتاب
 اور جہان تمکین کے آسمان تھے۔

قطب الملت شمع ساء الدین و الدین اگرچہ تمام مشائخ کبار میں آخری تھے
 لیکن علوم ظاہر و باطن کے اعتبار سے ان کے اطوار میں جنہد اور بایزید کے آثار
 نمایاں تھے اور جذب خواطر میں بہت تصرف رکھتے تھے۔ جس بیار پر نظر مبارک
 ڈال دیتے تھے اس کا سینہ امراض باطن سے پوری طرح صحت یاب ہو جاتا تھا۔
 نبوی شفقتیں اور مصطفوی اخلاق ان کے اطوار و عادات سے ظاہر ہوئے تھے۔ جس

مرید کی طرف مسکرا کر دیکھ لیتے تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا۔
 فی الحقیقت ہمجو خورشید سپہر ہر جہاں انداختے انوار سپہر
 ان کی ذات اللہ کی صفات سے موصوف تھی اور کشف و کرامات میں مشہور،
 ان کی نظر شفقت مالدار اور غریب اور اپنے اور برائے ہر یکساں تھی۔ وہ اولاد اور
 غیر میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔

اخلاق عالیہ

وہ ناسق کو اسر معروف کے افہار کے بغیر نہایت شیریں الفاظ سے فسق و فساد
 کے راستے سے (ہٹا کر) نیکی اور اعتقاد کے سجادے پر لیے آتے۔ ایک دن سلطان
 بہلول لودی کے فرمان نویس شہاب خاں کا لڑکا، جس کا نام عہد تھا، ان کی مجلس میں
 آیا اور یہ درویش (جالی) بھی موجود تھا، (میں نے) چاہا کہ اس کو مجلس سے باہر
 کر دیا جائے۔ حضرت (شیخ ساء الدین) نور باطن سے فقیر (جالی) کے اس ارادے
 سے واقف ہو گئے۔ فوراً میری طرف رخ کیا اور خواجہ حافظ کا یہ شعر ارشاد فرمایا

شعر

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست
 ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

اس شعر کے سنتے ہی شیخ عہد مذکور ہر جو ایک فاسق شخص تھا حالت طاری
 ہو گئی۔ فوراً اس نے زمین پر سر رکھ دیا، توبہ کی اور حضرت کا مرید ہو گیا۔ اس
 کے بعد سے جب تک زندہ رہا، گناہ کے پاس نہ بھٹکا۔ اس نے نیکی کا طریقہ اختیار
 کر لیا اور وہ مقبولان حق سے ہوا۔

نماز تہجد

حضرت کے سکے بھائی ملک المشائخ والعلماء [۱۷۲] شیخ اسحاق سے منقول
 ہے کہ جس زمانے میں حضرت بارہ سال کے تھے (تو اس وقت سے) کبھی نماز تہجد
 نہ چھوڑی۔ ان کے پدر بزرگوار نے ان کو ایک ستارہ دکھا دیا تھا کہ جس وقت
 یہ ستارہ فلاں مقام پر پہنچے تو نماز تہجد ادا کرنی چاہیے۔ حضرت حجرے کے اندر
 سے لعاف اوڑھے ہوئے اس ستارے کو دیکھ لیتے تھے اور تازہ وضو کر کے نماز تہجد
 ادا کرتے تھے۔

۱۔ در نسخہ اول (۲ : ۵۹ - ۶۰) نام شیخ عہد تھا، شراب پیئے ہوئے مستی
 کے عالم میں آیا۔

میں نے یہ بھی شیخ اسحاق سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط ہوا اور غلہ بالکل ناپید ہو گیا۔ چرت (جوار) کا دانہ موتی کے دانے کی طرح قیمتی ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں اگر کبھی آدھا سیر جوار یا گیموں میسر ہو جائے تو ان کو جوش دیتے اور ان کے دانوں کو گن کر گھر کے آدمیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جو ان کا حصہ ہوتا تھا وہ فقیروں کو دے دیتے تھے۔ وہ فاقے پر فاقہ کرتے تھے لیکن کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ بہت ایثار کیا کرتے تھے۔ ایک درم یا دینار اپنی ملکیت میں نہیں رکھتے تھے، باوجودیکہ ہزاروں غمے آتے تھے مستحقین اور اولاد کو برابر حصہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ فقیر (جالی) مدت دراز تک حضرت کی خدمت میں رہا کبھی ان کو صاحب نصاب نہ پایا۔

کم شدہ گائے کا ملنا

مولانا عطاء اللہ دانش مند سے کہ جو حضرت کے کم ترین شاگردوں میں سے تھے، میں نے سنا ہے کہ شہر ناگور میں ایک صالحہ عورت تھی جو حضرت کی مرید تھی۔ اس کے پاس دودھ دینے والی ایک گائے تھی۔ وہ اس گائے کے دودھ کا دہی بنا کر حضرت ملک المشائخ (سہاء الدین) کے لیے لایا کرتی تھی۔ جب حضرت (شیخ سہاء الدین) شہر ناگور سے گجرات چلے آئے تو اس عورت کی گائے کو (کوئی) چور چرا لے گیا۔ دو تین روز کے بعد اس عورت نے کہا اے مخدوم سہاء الدین! کبھی کبھی جس گائے کا دودھ اور دہی میں آپ کے لیے لایا کرتی تھی اس کو چور لے گیا۔ وہ گائے میرے پاس پہنچا دیجیے۔ یہ کہہ کر وہ نماز میں مشغول ہو گئی۔ عین نماز میں اس نے ملک المشائخ (شیخ سہاء الدین) کی آواز سنی کہ اے بی بی! یہ تمہاری گائے پہنچا دی گئی ہے۔ اس کی حفاظت کرو۔ جب سلام پھیرا تو اس گائے کو گھر کے صحن میں کھڑا دیکھا۔

کشتہ سیاب

ایک مرتبہ ایک حکیم بنگالہ سے آیا۔ اس نے اس فقیر (جالی) سے ملاقات کی اور ہارے کا تھوڑا سا کشتہ مجھے دیا۔ آدھے جو کے برابر (کشتہ) میں نے کہا لیا۔ اس زمانے میں میں بہت کمزور ہو گیا تھا، بھوک بالکل جاتی رہی تھی۔ آدھے جو کے برابر ہارے کا کشتہ کھانے سے میرے کمزور بدن میں قوت آگئی اور بھوک خوب لگنے لگی۔ میں نے (اس حکیم سے) کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم ہارے کو کشتہ کرنے

کی ترکیب مجھے بتا دو۔ اس نے منظور کر لیا اور یہ بات آخری سفر سے پہلے ہوئی تھی۔ اسی روز ملک المشائخ (شیخ ساء الدین) سے ملاقات ہوئی۔ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو فوراً فرمایا کہ فلاں شخص کا سیاب پورے طور سے کشتہ نہیں ہوتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر کچھ رہ جائے تو جسم کو نقصان پہنچائے گا۔ اس کے نفع پر نظر نہیں کرنی چاہیے [۱۷۳] میں سمجھ گیا کہ حضرت کو یہ بات بذریعہ کشف معلوم ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کی محبت کی گریبی میرے لیے کافی ہے، سیاب کی حرارت مجھے کیا نفع دے گی۔ فرمایا کہ انشا اللہ تعالیٰ نور باطن سے تمہیں طاقت حاصل ہو جائے گی۔ یہ بات سنتے ہی میرے بدن سے سستی زائل ہو گئی۔

اخلاق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک دن موسم سرما میں دوپہر کے وقت میں دولت خانے پر حاضر ہوا۔ اس فقیر (جالی) کو حضرت کی قربت کی وجہ سے غلیہ میں جانے کی اجازت تھی میرے متعلق یہ حکم تھا کہ اگر فلاں شخص (جالی) آئے تو باہر نہ رہے فوراً اندر آئے دو۔ جب میں (گھر میں) داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت ایک تخت پوش پر تشریف رکھتے ہیں، کھجڑی کا ایک طباق سامنے رکھا ہوا ہے اور حضرت تناول فرما رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور ساتھ کھانے کے لیے ارشاد فرمایا اور کہا کہ اس کھانے کے لیے کچھ ریاضت کی ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سر و چشم! میں حاضر ہوں۔ جب میں نے لقمہ منہ میں رکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھجڑی حریصوں کی طبیعت کی طرح کچی ہے اور روغن ایسا تلخ تھا جیسا مہجوروں کا زمانہ تلخی سے گزرتا ہے۔ حضرت (اس کھجڑی کو) نہایت خوش طبعی سے تناول فرما رہے تھے۔ میں برداشت نہ کر سکا اور میں نے ساز و آرا ملازم کو کہ جو باورچی خانے کا نمہ دار تھا بہت سخت و سست کہا اور اس کو ملامت کی کہ اے بلیغ تشریف! کھانے میں یہ کڑواہٹ اور کچا پن کیسا ہے۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ میں نے روغن کی کڑواہٹ کی وجہ سے اس (ملازم) پر تلخی اور کڑواہٹ کا اظہار کیا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے پہلے ہی تم سے ریاضت کے متعلق کہا تھا اور تم نے قبول بھی کر لیا تھا، اب اس کو کچھ نہ کہو۔ میں

حکم کے مطابق خاموش ہو گیا۔ سبحان اللہ اخلاق محمدی ان سے ظاہر تھے اور بزرگی کے آثار ان میں بھیج سے موجود تھے۔

والد بزرگوار کی دعا

سنا گیا ہے کہ حضرت کے والد ماجد، حضرت صدر الدین محمد کے مرید اور تربیت یافتہ تھے جو ٹیک اعمال کے آسان کے آفتاب تھے اور ان کا عرف شیخ راجو قتال تھا اگرچہ میرے محسوس و مرشد و مولا شیخ سہاء الدین بھی ان کے تربیت یافتہ اور محبوب تھے لیکن ان کو خرقہ خلافت حضرت شیخ الاسلام شیخ کبیر الدین اسماعیل (عہد ملاتھا) جو ظاہر و باطن میں الوار نبوی کے آئینے اور آثار مصطفوی کے مظہر تھے۔ میں نے اپنے مرشد سے کہہ جو درہائے اسرار کے مونی تھے، سنا ہے کہ جب میری (شیخ سہاء الدین کی) عمر بارہ سال کی تھی اور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میرے والد ماجد نے آدمی رات کے وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور چند نصیحتیں کیں اور فرمایا اے خدا! سہاء الدین کو اپنے کرم عام سے سعادت اہدی اور دولت سرمدی عطا فرما۔ ظاہر ہے کہ ان باپ کی دعا مجھ بیٹے کے حق میں کس قدر با اثر ثابت ہوئی۔

شیخ کبیر الدین اسماعیل سے بیعت

حضرت سے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام صدر الدین راجو قتال کے انتقال کے بعد [کہا جو میری والدہ ماجدہ کے پر و مرشد تھے] میں ایک دن حضرت [۱۷۴۳] شیخ المشائخ شیخ اسماعیل کی خدمت میں کہہ جو حضرت (صدر الدین راجو قتال) کے ولی عہد تھے، حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اس ناچیز کو اپنی شفقت و مہربانی سے پرورش فرمائیں اور اپنے ارشاد سعادت آثار سے میری پریشانیوں کو دور کریں تو حضور کے کلمات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ حضرت نے جواب دیا اور اخلاقاً فرمایا کہ میرے بھائی حضرت شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ بہت اہل کمال و صاحب حال ہیں۔ تم کو ان کے پاس پہنچائے دیتا ہوں اور خرقہ دلاؤں دیتا ہوں۔ میں نہایت ادب کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ چند روز کے بعد میں نے پھر وہی بات عرض کی، پھر حضرت نے تواضع و انکسار کے ساتھ وہی جواب دیا۔ اس وقت میں نے اس اعتقاد اور اتحاد کی بنا پر جو میں حضرت سے

رکھتا تھا عرض کیا کہ اے آقا! ارادت اور پیری و مریدی کا معاملہ قلب اور محبت سے تعلق رکھتا ہے اور میں یہ بات حضور والا میں پاتا ہوں۔ اس بات کے سنتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوئے اور اپنے خاص حجرے میں لیے گئے۔ ذکر کی تلقین کی اور دوکانہ ادا کرنے کے بعد اپنے خرقہ خاص سے مشرف کیا۔

ذالک فضل اللہ یوتسبہ من یشاء یہ اللہ کا فضل ہے جس کو جتنا چاہے دے

برگام نبی قدم نہادہ

اسی زمانے میں میرے دل میں خیال آیا کہ فی الحال علم ظاہری کا حاصل کرنا ترک کر دوں اور پورے طور سے صفائی قلب میں مشغول ہو جاؤں۔ جو سے ہی یہ بات میرے دل میں آئی، حضرت کو کشف ہوا، فوراً فرمایا کہ علم ظاہری کو ترک نہیں کرنا چاہیے کہ اس پر تو شرع کی بنیاد اور دین کی اساس قائم ہے۔ میں خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ اہل ظاہر و باطن تجھ سے فائدہ حاصل کریں، جیسے کہ ہمارے پر ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے، مجھے امید ہے کہ تو بھی اسی طرح آراستہ و پیراستہ ہو جائے گا۔ سبحان اللہ (ان کی) دعا کی کیا خوب تاثیر ہے۔

شعر

زان روز کہ سپہر زادہ برگام نبی قدم نہادہ

معمولات

یہ حقیر (شیخ جالی) ہر سوں حضرت کی خدمت میں رہا اور اپنی ظاہری و باطنی دونوں طرح کی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اس مرشد آفاق کی روش اور اخلاق سے میری حیرت میں اضافہ ہوتا۔ حضرت (سہاء الدین) آدھی رات کے وقت تجدد وضو فرماتے اور نماز شروع کر دیتے۔ ایک پہر رات تک نوافل ادا کرتے۔ دوسرے نصف پہر میں صبح صادق تک مراقبے میں رہتے اور دیدہ باطن مشاہدہ حق میں مصروف رکھتے، اس کے بعد سنت مؤکدہ ادا کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے۔ ظاہری علوم کے علماء اور باطنی علوم کے صلحاء فجر کی نماز میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اور یہ حقیر (جالی) آدھی رات کی نماز (تہجد) سے اشراق کی نماز تک حضرت کے پاس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ شہر کے باہر سے استنجے کے ڈھیلے ٹوکریوں میں رکھ کر اپنے سر

ہر لاکھ، وضو کے پانی کا انتظام کرتا جس سے حضرت وضو فرماتے [۱۷۵] اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد علماء و صلحاء کے سبق و درس میں مشغول ہو جاتے۔ میں اس وقت بھی حاضر رہتا اور دوپہر تک درس دیتے میں مشغول رہتے۔ حضرت کا دوسرا زیادہ تر قرآن، احادیث اور اصول فقہ سے مشغول ہوتا تھا [اور ان کے درس میں] بعض طالب علم بھی ہوتے تھے کہ جو دانشمندی کے درجے کو پہنچ چکے تھے [اس کے بعد ان سرمدوں کی تربیت فرماتے جو اہل یقین اور طالبان حقیقت ہوتے تھے حکم

كَلِمَةُ النَّاسِ عَلَى قَدَرِ عَقُولِهِمْ ۚ
لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو

ہر ایک کی استعداد اور تعلق کے مطابق ارشاد فرماتے اور توجہ کرتے۔ دو طالب تمام جو زیادہ ادب کرتے تھے ان سے خصوصیت فرماتے اور وہ فیض یاب ہوتے۔ اہل سعادت کو فائدہ پہنچانے کے بعد عصر کی نماز ادا کرتے، مشاہدہ قدرت کے لیے دیدہ باطن کھولتے اور جہاں الہی میں مستغرق ہو جاتے۔ جب مغرب کی اذان سننے تو مراقبہ سے آنکھ کھولتے، نماز مغرب اور اوایں کے نفلوں کے بعد پھر مراقبہ میں مستغرق ہو جاتے۔ عشاء کی نماز کے بعد قدم مبارک مسجد سے باہر نکالتے اور دولت خانے کو تشریف لے جاتے۔ وہاں ایک وسیع دسترخوان بچھتا، طرح طرح کے کھانے چنے جاتے، حضرت بھی حاضرین کے ساتھ کھانا کھاتے اور ان اہل دل حضرت کی کہ جو ابدی انعام کے خواہش مند ہوتے، حسب منشاء مرادیں پوری کرتے اور اہل طلب کے سینوں کو سرور و معبود فرماتے اور کھانے سے فارغ ہوتے کے بعد ہر خاص و عام کو رخصت کر دیتے اور ہر ایک، علم باطن سے مشرف ہو کر اور علم ظاہر کے سرور سے سرور ہو کر اپنے کھراچلا جاتا اور خود ایک چپرکھٹ ہر جو بالوں سے بنا ہوا تھا کچھ دیر آرام کرتے اور امن وقت بھی باطنی اشغال میں مصروف رہتے۔ اہل ظاہر یہ سمجھتے کہ سوچتے ہیں، یہ نہ جانتے کہ احادیث کے مستند میں مراقبہ ہیں۔ جب تک زندہ رہے یہی طریقہ رہا، ہمیشہ عبادت کی سعادت سے مشرف رہے۔

۱۔ قوسین کی عبارت نسخہ اول (ص ۲ : ۶۳) میں نہیں ہے۔

۲۔ در نسخہ اول (۲ : ۶۳) ندارد۔

عقبت علی الخلق

اس عالی وقار (شیخ ساء الدین) کی نظر میں دنیا کے بادشاہوں کی کوئی منزلت نہ تھی۔ ان کی حق پس نظر میں فقیر و مالدار یکساں تھے۔ اگر ایک ہزار تنکے کسی جگہ سے نذرانے میں آتے تو ہانسو اور قرض لیے لیتے اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔ قرض لینے کا سبب یہ تھا کہ جب فقیروں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ کہیں سے نذرانہ آیا ہے تو بہت سے (فقراء) جمع ہو جاتے۔ ان ہزار دیناروں کو تقسیم کر دینے کے بعد جو اہل حاجت باقی رہ جاتے، ان کو قرض منگا کر تقسیم کرتے۔ فقیروں، عربیوں اور یتیموں پر اس درجہ شفیق تھے کہ ہر میوہ کی فصل میں اس جاعت کو اپنے سامنے بٹھاتے اور طرح طرح کے میوے ان کے سامنے رکھواتے اور خود بھی ان کے ساتھ تناول فرماتے، حالانکہ ہزاروں شکرانے اور نذرانے متواتر آتے تھے مگر اپنے خور و نوش کے لیے قرض لیتے تھے [۱۷۶]۔

ایک مرتبہ اس فقیر (جالی) کے سامنے دو ہزار تنکے نذرانے میں آئے، وہ سب مستحقین میں تقسیم کر دیے۔ اسی دوران میں فقراء کا ایک اور گروہ آگیا۔ حضرت نے اپنے صاحبزادے شیخ المشائخ نصیر الملت والدین کو حکم دیا کہ جو لوگ تقسیم کے بعد آئے ہیں ان کو (بھی) عروم نہ جانا چاہیے، مزید ہزار تنکے قرض لیے کر ان میں تقسیم کر دو۔ اس وقت یہ درویش (جالی) مسکرایا۔ فرمایا کیوں ہنستے ہو؟ میں نے عرض کیا، سبحان اللہ (یہاں یہ حال ہے) لیکن اگر زمانے کے درویشوں کے پاس نذرانے آتے ہیں تو وہ بھی قرض منگا لیتے ہیں تاکہ کوئی (ان کی حقیقت سے) واقف نہ ہو (کہ ان کے پاس دولت ہے)۔ حضرت مسکرائے۔

سلطان حسین شرقی اور سلطان جہلول لودی

میں نے شیخ المشائخ کے سجادہ نشین مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین سے سنا ہے کہ جس زمانے میں حضرت شیخ قطب عالم ساء الدین شہر بہانہ میں متوطن تھے، ایک دن سلطان احمد جلوانی ان عارف ربانی (ساء الدین) کے حضور میں حاضر ہوا۔ سید خونندہ میر رسولدار بھی جس کو مرتضیٰ خاں کا خطاب تھا، اس کے ساتھ تھا۔ اس نے کچھ اور سرداروں کو بھی اندر بلا لیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ اس زمانے میں سلطان حسین جوٹھوری نے دارا لملک دہلی (خدا اس کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے) کو قلعہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور سلطان احمد جلوانی اس کی موافقت میں تھا۔ القصد وہ حضرت (شیخ ساء الدین) کے حضور میں

جو گلزار مشہخت کے سرو تھے، کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کرنے لگا کہ حضور کی خدمت میں التماس فاقہ (دعا) ہے کہ سلطان حسین جونپوری کو آپ کی دعا سے فتح حاصل ہو کہ وہ عالی مرتبہ بادشاہ ہے۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ فوراً فرمایا کہ اے احمد! تیرے باپ دادا پر سلطان بہلول لودی نے نوازشیں کی ہیں اور تو نے بھی اس کا ٹمک کھایا ہے۔ تجھ کو یہ نہیں چاہیے کہ اتنے حقوق نعمت کو ایک دم خاک میں ملا دے، اس وجہ سے کہ نعمت سے انکار کرنا مذلت اور زوال کا سبب ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ ایسے ظالم کے لیے دعا کروں کہ جس نے ظلم کا ہاتھ بڑھایا ہے اور دائرۂ عدالت سے قدم باہر رکھ دیا ہے، حالانکہ وہ عزیز (سلطان بہلول لودی) ہمیشہ خدا کی عبادت کرتا ہے اور کبھی زمین عبادت سے سر نہیں اٹھاتا۔ جب احمد نے یہ بات سنی، بہت شرمندہ ہوا اور بیٹھ گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ سلطان حسین کا دست مراد دامن مقصود تک کسی طرح نہیں پہنچ سکتا۔ آہستہ آہستہ خواجہ (سلطان احمد جلوانی) سلطان بہلول لودی سے جا ملا۔

اس حکایت سے میرا یہ مدعا ہے کہ ایمانداری اور شرع کی پابندی کے لحاظ سے اس طرح بادشاہوں کو بھی نصیحت کرنی چاہیے۔ باوجودیکہ سلطان احمد مذکور ایسا تیز طبیعت، بد مزاج اور مغلوب الغضب تھا کہ کفر کے کلمات تک کہہ ڈالتا تھا لیکن اس روز حاضرین مجلس نے [۱۷۷] دیکھا کہ حضرت مخدوم (ساء الدین) کی دہشت کی وجہ سے اس کا یہ حال تھا کہ جب تک وہاں سے رخصت ہوا اپنے آپ کو حرف زائد کی طرح ذلیل سمجھتا رہا۔

سلطان بہلول لودی کو نصیحت

جس زمانے میں میرے مخدوم اور آغا شیخ ساء الدین دارا لملک دہلی میں رہتے تھے تو یہ حقیر (جالی) حضرت آدم صفی اللہ کے قدم مبارک کی زیارت سے مشرف ہو کر وہاں آیا تھا اور حضرت کی زیارت سے اکثر مشرف ہوتا رہتا تھا۔ ایک دن سلطان سکندر کا باپ سلطان بہلول ان کی زیارت کے لیے آیا۔ خبر کی گئی کہ سلطان (بہلول) حضور کی زیارت کا امیدوار ہے، کیا حکم ہے؟ فرمایا اندر بلا لو۔ سلطان اندر داخل ہوا، اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد سلطان نے عرض کیا کہ اس معتقد (بہلول لودی) کی چشم ظاہر و باطن حضرت مخدوم (ساء الدین) کی شہقت و کرم کی امیدوار ہے، اس وجہ سے کہ

(حقیقت میں) بادشاہ درویش ، ہوئے ہیں اور ہم ان کی صورت کے ریڑھ چیں ہوئے کے یہ معنی ہیں کہ اگر حضرت نے فرمایا کہ ان کی صورت کے ریڑھ چیں ہوئے کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی میں ان کے سے حالات نہ پیدا ہوں تو افعال و اقوال و اعمال میں ان کی پیروی کرے تا کہ درویشوں کی ظاہری صورت (اختیار کرنے) سے اس کی باطنی کمزوریوں کا زنگ صاف ہو جائے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ باری تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں ، اول وہ بوڑھا جو بڑھاپے میں گناہ لٹوہ زندگی گزارتا ہو ، دوم وہ جوان جو توبہ کی امید میں معصیت میں گرفتار ہو ، سوم وہ بادشاہ جو جزوی و کلی مرادات کے حصول کے باوجود اپنی سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے گل کر دے۔

اس بوڑھے کو یہ حکم ہو کہ اے سفید بالوں والے سیاہ باطن! اس ضعف پیری کے باوجود تجھ کو اپنی زندگی کی کیا امید ہے کہ تیری دیوار مضبوط ہو سکے گی اور تو غفلت میں رہ کر گناہوں کی قوت سے اس کی بنیاد کیوں کھود رہا ہے۔ اس نوجوان سے یہ کہا جائے کہ اے احقر جوان! تو نہیں جانتا کہ بوڑھے اور بچوں میں سے ہر ایک کی روح باری تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تو جو بڑھاپے کی امید میں صحرائے معصیت میں گھوم رہا ہے اور انجام ہر نظر نہیں کرتا ، کس طرح تجھ کو یقین ہے کہ بوڑھا ہو ہی جائے گا۔

اس جھوٹے بادشاہ کو تنبیہ کے ساتھ یہ بتایا جائے کہ اے غافل زمانہ! جھوٹ آخرت کی طلب کے لیے نہیں ہے ، صرف اس دنیا کے فانی کے ربط و ضبط کے لیے ہے۔ تو نے کیوں دروغ کا بیج اپنے اعمال کی کھیتی میں ڈالا ہے۔ تو نے بڑھاپے میں سلطنت کی ہے اپنے دل کو خوف الہی سے آگاہ کر اور جہاں تک ممکن ہو سکے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہو کہ

لنئن شکرتہم لا زید تسکم
اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں زیادہ عطا کروں گا

کے مطابق تجھ پر نعمتیں نازل ہوں اور گناہوں میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ

[۱۷۸]

ولئن کفرتم ان عذابا لشدید
اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب

بہت سخت ہے

کے مطابق عذاب الہی میں آجائے۔

مختصر یہ کہ ان کلمات نے سلطان کے دل میں اس طرح اثر کیا کہ اس کے چہرے پر آسودہ ہونے لگے اور اس کی داڑھی آسٹوؤں سے تر ہو گئی چنانچہ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اے حضرت مخدوم! گناہوں کے باوجود درویشوں کی محبت برابر آپسبہ آہستہ میرے دل میں ترقی کر رہی ہے۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس بگروہ کی محبت کی برکت سے وہ مجھ کو بخش دے اور اس نے کچھ اس طرح عاجزی کی کہ حاضرین بھی رونے لگے۔ آخر کار حضور نے اپنا خاص مصلیٰ اس کو عنایت فرمایا۔ سلطان نے اس مصلیٰ کو اپنے سر پر رکھا اور واپس چلا گیا۔

شیخ المشائخ (سہاء الدین) کے سجادہ نشین مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین سے یہ سننے کے بعد کہ ایک روز حضرت شیخ سہاء الدین سلطان بھلول شازی کی وفات کے بعد اس کی زیارت کے لیے گئے، قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مراقبہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ یہ شخص دنیا میں بھی کلیباب اور صاحب سلطنت رہا اور مرنے کے بعد بھی اس نے اس فرط محبت کی برکت سے جو اس کو دو بیتان خدا سے تھی عالی مرتبہ پایا۔

قاضی بدر الدین بیالوی

ایک دن مغرب کی نماز کے وقت مقررہ امام موجود نہ تھا۔ حضرت نے قاضی بدر الدین کو جو شہر بیانہ کے حاکم تھے، امامت کا حکم دیا۔ قاضی مذکور امامت کی جگہ بہادروں کی سنان (ہرچھی) کی طرح کھڑے ہو گئے اور ”قد قامت الصلوٰۃ“ سنتے کے بعد آرامتہ ہوئے اور شمشیر زبان کو زبان شمشیر کی طرح چلاتا شروع کیا اور مخرج قرآن کے ادا کرنے میں نہایت تیزی کی۔ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ لایلاف کی تلاوت شروع کی اور اتنا تیز پڑھا کہ ”والصیف“ کی بجائے ”والسيف“ ادا کر دیا۔

اس حقیر (جالی) نے نماز کے سلام کے بعد امام کی جانب رخ کیا اور کہا کہ اے مخدوم! عجب صفت شکن مرد ہو کہ سمند سرعت کو قرأت کے میدان میں اس قدر تیز دوڑایا کہ مقتدیوں کی نماز کو اپنی شمشیر زبان سے کاٹ ڈالا۔ ان الفاظ کے سنتے ہی اس گورہ معدن حیا (شیخ سہاء الدین) کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ اگرچہ حضرت نے اس وقت اظہار نہ فرمایا لیکن دوسرے روز تنہائی میں ارشاد فرمایا کہ قاضی بدر الدین کو تمہاری گفتگو سے شرمندگی ہوئی، اس کو

خوش کرنا چاہیے۔ دوسرے روز اس کو خوش کیا گیا۔ اگرچہ حضرت مخدوم تمام ندگان خدا سے خاص و عام کی تربیت کے لیے ملتے تھے لیکن عام و خاص میں سے جو کوئی بھی ان کے پاس پہنچتا تو ان کی دہشت کا اس پر ضرور اثر ہوتا تھا اور ہر شخص ان کا ادب ضروری سمجھتا تھا۔

شیخ ساء الدین اور شیخ وجیہ الدین احمد گجراتی میں ملاقات

حضرت شیخ (ساء الدین) کے بڑے صاحبزادے سلطان المجردین و برہان المتوکلین عالم اسرار ربانی شیخ عبداللہ بیابانی سے میں نے سنا ہے [کہ حضرت (شیخ ساء الدین) اور حضرت شیخ وجیہ الدین احمد میں، جو قطب زمانہ تھے (۱۷۹۰ء) اور جن کا مقبرہ گجرات میں ہے، ملاقات ہوئی۔ وہ عظیم القدر بزرگ تھے۔ علم ظاہر میں ابو حنیفہ وقت اور علم باطن میں بایزید عصر تھے۔] جس زمانے میں حضرت شیخ ساء الدین گجرات تشریف لے گئے تھے اس وقت حضرت شیخ وجیہ الدین احمد زندہ تھے، ان کی عمر ایک سو تئیس سال کی ہو چکی تھی۔ شیخ ساء الدین اس زمانے میں پینسٹھ سال کے تھے۔

وہ ایک دن حضرت شیخ وجیہ الدین احمد کی ملاقات کے لیے گئے۔ شیخ وجیہ الدین اپنے ایک شاگرد کو بزدوی کا سبق دے رہے تھے۔ شیخ ساء الدین کے پہنچتے ہی انہوں نے سبق دینا بند کر دیا، فوراً کھڑے ہو گئے اور نہایت ادب سے دو زانو ہو بیٹھے۔ باوجودیکہ ان دونوں بزرگوں میں پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، نہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین احمد، حضرت (شیخ ساء الدین) کے کہالات و استعداد کو نور باطن سے پہچان گئے اور انہوں نے ایک خاص مصلیٰ بطور تبرک حضرت مخدوم کو پیش کیا۔ حضرت نے قبول فرما لیا۔

شیخ وحید الدین احمد گجراتی

حضرت شیخ وجیہ الدین احمد، بابا اسحاق مغربی کے مرید تھے اور وہ اس طرح مرید ہوئے تھے کہ جب ان کے والد ماجد ملک اختیار الدین عہد نے وفات پائی تو ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، ملک اختیار الدین عہد کی سلطان فیروز شاہ سے قرابت تھی اور وہ امرائے کبار میں سے تھے۔ انہوں نے انتقال کے بعد بڑا خزانہ چھوڑا۔ شیخ مذکور (وجیہ الدین احمد) کے سوا کوئی اور ان کا وارث نہ تھا۔

حضرت شیخ (وجیہ الدین) کو لوگ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یوسف ثانی کہا کرتے تھے وہ فسق و فجور میں مستغرق رہتے تھے اور ہمیشہ شراب پیتے تھے۔ ایک روز سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ان کا گزر بابو اسحاق مغربی کی خانقاہ کے دروازے سے ہوا۔ بابائے مذکور اپنی خانقاہ کے دروازے پر کھڑے تھے، انہوں نے شیخ (وجیہ الدین احمد) کو دیکھا تو آدمے منقل کے وزن کا ایک ڈھیلا اٹھا کر شیخ (وجیہ الدین) احمد کے مارا اور کہا کہ اے لڑکے! کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ (وجیہ الدین احمد) بے ہوش ہو گئے اور گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ جب بابو اسحاق نے یہ دیکھا تو ان کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ کچھ دیر کے بعد (ان کو) خانقاہ کے اندر لائے، تھوڑا سا پانی طلب کیا، خود پیا اور بقیہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ شیخ ہوش میں آ گئے اور بیعت کر لی اور جو مال و متاع ان کے پاس تھا وہ سب بابو اسحاق کے سامنے پیش کر دیا جو مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں وہ قطب کے درجے پر فائز ہوئے۔ چنانچہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ ان کے مرید ہوئے۔ شیخ (وجیہ الدین احمد) نے شادی نہیں کی۔ وہ پندرہ سال تک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے مجاور رہے اور وہاں سے گجرات آئے۔ سلطان احمد گجراتی کہ جو ایک عالم [۱۸۰] اور حافظ قرآن تھے ان کے مرید ہوئے۔ اس زمانے میں ان کا مقبرہ شہر احمد آباد کے نزدیک قصبہ سرکیچ میں ہے۔ ان کی پانچ گجرات کے بہت سے بادشاہوں کی قبریں ہیں۔ یہ حقیر (جالی) بیت اللہ سے واپسی کے وقت ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور جب میں اپنے پیر شیخ سہاء الدین کی خدمت میں پہنچا تو نذر پیش کی اور ان کی زیارت سے مشرف ہونے کا حال بیان کیا، حضرت نے فرمایا کہ میری ان سے ملاقات تھی۔

باطنشی یا نور حق پیراستہ

اسی طرح عارف ربانی شیخ عبداللہ بیابانی سے سنا گیا ہے کہ جس زمانے میں شیخ سہاء الدین قصبہ پلانٹ میں جو رنتھمبور کے نزدیک ہے، رہتے تھے تو میں بیعت کے بعد ابتدائے سلوک میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ حضرت کے خاص حجرے میں جاتا تھا۔ میں کنگھا اور رومال (ان کے) سامنے رکھتا تھا۔ جب حضرت غلام

(شیخ سہاء الدین) کی دستک کی آواز سنتا تھا تو اندر داخل ہوتا اور وضو گراٹا۔
 میں عرضے تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔
 ایک دن اشراق کی نماز کے بعد ایک درویش ان کی مجلس میں آیا۔ اس کے پاس
 مکتوبات حضرت عین القضاۃ ہمدانی تھے حضرت مخدومی (سہاء الدین) نے وہ مکتوبات
 اس کے ہاتھ سے لیے لیے۔ اس کے ایک دو ورق مطالعہ کیے۔ اس کے بعد وہ حضرت
 (ہمدانی) کی تعریف کرنے لگے اور فرماتے لگے کہ ایک مرتبہ میں جگہ اسی کی
 دعوت تھی، وہ مطلق اپنے حجرے سے باہر نہیں آئے مگر اس کے باوجود بیسوں
 مقامات پر دعوت میں موجود تھے۔ چونکہ میرے سلوک کا ابتدائی زمانہ تھا اس لیے
 اس بات کو من کر مجھے شبہ ہوا کہ ایک شخص ایک ہی مقررہ وقت میں بیس جگہ
 کس طرح موجود ہو سکتا ہے۔ اس خطرے کے گزرتے ہی مجھ پر حالت استغراق
 طاری ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس بات میں مطلق شبہ نہیں ہے کیونکہ
 حضرت مخدومی (سہاء الدین) نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے۔ القصد حضرت نے
 ظہر کی نماز کے وقت حجرے کے اندر سے دستک دی۔ اس حقیر (جالی) نے حسب
 عادت لوٹا اور طشت تیار کیا اور حجرے میں داخل ہوا۔ میں جیسے ہی حجرے میں
 پہنچا تو میں نے اس حجرے کے چاروں کونوں میں حضرت کو علیحدہ علیحدہ
 دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت کو ایک جگہ (ایک وجود میں) دیکھا۔ میں
 سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ جو ظاہر کیا گیا وہ میرے اس شبہ کی وجہ سے تھا جو
 میرے دل میں گزرا تھا۔ (حضرت نے) فرمایا کہ درویشوں کی قوت تمثیل اس درجہ
 ہوتی ہے کہ اگر چاہیں تو ایک ہی وقت میں سو جگہ حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس کے
 بعد ارشاد فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے اس قسم کی باتوں کو ظاہر نہیں کرنا
 چاہیے۔ چنانچہ حضرت کے کلمات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر میں نہیں آسکتے، اکثر
 ان کی پرورش حضرت خالصہ موجودات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی
 روح مقدس سے ہوتی تھی۔

باطنشاں با نور حق آراستہ ظاہرش نیز از رسول پیراستہ

نور حق تابندہ در رخسار او شرع احمد زندہ از کردار او [۱۸۱]

شیخ جالی سے تعلق خاطر

ان کی فرشتہ خصلت ذات سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی
 ذات کے مثل تھی۔ مجھ جیسے بے سروہا انسان پر اتنی نظر رحمت رکھتے تھے کہ

تصریر میں نہیں آ سکتی۔ اگرچہ یہ حقیر سالہا سال ان کی ظاہری نظروں سے دور رہا لیکن وقتاً فوقتاً (مجھ پر) حضرت کی توجہ باطنی بے حد اور بے شمار رہی کبھی، بھی تہجد کے وقت میرے لیے سندرجہ ذیل دعا ترک نہیں کی۔ یہاں تک کہ میں حضرت کے آستانہ کی خاک بوسی سے مشرف ہوا (وہ دعا یہ ہے)

بسم الله الرحمن الرحيم
 اللهم ارجع جلالی الیسا
 سالماً و غانماً و ارزقنا
 مشاہدۃ جلالہ و نور عینی
 بنور لقائہ برحمۃک
 یا ارحم الراحمین
 اے اللہ اپنی رحمت کے طفیل سے
 جلالی کو ہمارے پاس صحیح و سالم اور
 بھرا ہوا بھیج اور ہمیں اس کے جلال کا
 مشاہدہ کرا دے اور اس کی ملاقات کے
 نور سے آنکھوں کو منور کر دے۔

جب میں حضرت کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تو مجھ سے بغل گیر ہوئے، میرے چہرے کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ الحمد للہ کہ میری یہ دعا جو میں نے برسوں تہجد کے وقت پڑھی، قبول ہوئی۔ اسی وقت ان کے سامنے حضرت کے صاحبزادے سجادہ نشین ملک المحققین شیخ نصیر الدین نے فرمایا کہ تم غالباً ابھی سمندر میں جہاز نے اندر ہی ہو گے کہ جناب مخدوم نے فرمایا۔ الحمد للہ شیخ جلالی بیت اللہ سے واپس ہوئے۔ شاید اس وقت گجرات کے شہروں میں پہنچے ہو گے چند روز کے بعد ایک مسافر آیا اور اس نے عزیز الوجود (جال) کی خبر پہنچائی۔

سفر میں کبھی جنگل میں اور کبھی آبادی میں میری حالت اتنی خراب ہو گئی کہ امید زیست باقی نہ رہی۔ حضرت شیخ (سید الدین) کو بچشم ظاہری میں نے دیکھا کہ نہایت خوش مزاجی کے ساتھ انھوں نے مجھ کو ہان کا بیڑا دیا، اسی وقت وہ تکلیف اور بیماری صحت و سلامتی سے بدل گئی۔

اگر ان کی کرامات، رویت حق تعالیٰ، معیت روح مصطفویٰ اور بارگاہ نبوی سے بشارت و حکم کہ جو ان کے متعلق ظاہر ہوتے تھے، بیان کیے جائیں تو اس مختصر (کتاب) میں ان کی گنجائش نہ ہو سکے گی۔

شیخ عبداللہ بیابانی (فرزند اکبر)

حضرت کے صاحبزادے ظاہری علم میں مستثنیٰ اور ممتاز اور معاملہ باطن میں

۱۔ مؤلف المشاہیر نے لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ بیابانی کا انتقال ۱۲۳۶ھ میں ہوا

دیکھیے : ←

ہم ہاید قدسیاں تھے۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے جو بیشہ ربانی کے شیر اور دریائے رحمانی کے نہنگ تھے، ان کا نام شیخ عبداللہ بیابانی تھا، کسی درویش کو بجاہدہ، ریاضت اور توکل میں ان کی ہم ساری کرنا ناممکن ہے۔ ساٹھ سال سے زہادہ (عرصے) ایک ہی طریقے اور انداز سے جنگل میں زندگی گزار دی اور اسی (۸۰) گرمی اور برسات (کے موسم) اس طرح گزرے کہ کبھی مکان کا رخ نہ کیا۔ ہاتھوں وقت کی نماز بغیر غسل کے نہ پڑھی اور تمام عمر درخت کے پتوں یا جنگل کے میوؤں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے روزہ افطار نہیں کیا۔ روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرنا ضروری تھا۔ اکثر ان کے چاروں طرف شیر بیر، چیتے، ہرن اور دوسرے جنگلی جانور جمع رہتے تھے اور کوئی ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔

شیخ نصیر الدین (فرزند دوم)

ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت سلطان المحققین برہان المدققین شیخ نصیر الدین تھے جو صورت و سیرت سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ان بزرگوں نے کبھی حضرت نبی کریم احمد مختار صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کی خلاف ورزی نہیں کی۔

شیخ عبدالغفور لائن

حضرت شیخ سہاء الدین کے ہوتے یعنی شیخ نصیر الدین کے بیٹے [۱۸۲] جو درگاہ رب العزت میں برگزیدہ، گلزار حقیقت کے غنچے، اشجار طریقت کے شگوفے، برج الطاف و اشفاق کے ستارے اور درج احسان و اخلاق کے گوہر تھے۔ وہ علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ ان کا نام شیخ عبدالغفور عرف لائن تھا۔ میرے مخدوم مرشد، سولا اور آقا شیخ سہاء الدین نے ان کی بابت فرمایا کہ شیخ عبدالغفور ہمارے گھر کا چراغ ہے۔ حضرت شیخ (لائن) کے والد بزرگوار یعنی شیخ نصیر الدین نے اپنی زندگی میں اس حقیر (جالی) کے سامنے ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

(۱) المشاہیر ص ۴۶ - ۴۷

(۲) اخبار الاخیار ص ۲۱۸ - ۲۱۹

(۳) خاندان زہیری کنبوی ۲ : ۲۵۵ -

(۴) شمس التواریخ ۲ : ۱۱ - ۱۲

۱ - ملاحظہ ہو المشاہیر ص ۴۶، خاندان زہیری کنبوی ۲ : ۲۵۶، شمس التواریخ

۲ : ۱۲ - ۱۳، تاریخ اولیائے دہلی ص ۸۳ -

ایسی زمانے میں وہ نعمت ان کی سیرت میں موجود اور ان کی ذات گرامی سے ظاہر ہے۔

شیخ جالی کا شیخ عبداللہ بیابانی سے ملاقات کا اشتیاق

مختصر یہ کہ جس وقت یہ حقیر (جالی) سفر سے حضرت کی خدمت میں پہنچا تو اچانک مجھ کو شیخ امانی، دریائے معانی کے نہنگ شیخ عبداللہ بیابانی سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ اس حقیر (جالی) کو شیخ عبداللہ سے نہایت محبت و مؤدت تھی۔ حضرت جنگل میں رہا کرتے تھے۔ میں نے بہت سفر کیا تھا اور بیت اللہ کے بیابان میں گھوما تھا۔ میں نے حضرت مخدومی سے عرض کیا کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو میں یہ سفر کروں، ان کی دست بوسی سے مشرف ہوں۔

اس بات کے سنتے ہی حضرت خوش ہو گئے اور فرمایا کہ یہاں آؤ۔ مجھ سے بغل گیر ہوئے، اپنا خاص لباس عنایت فرمایا، طرح طرح کی عنایتیں کیں اور ایک اشتیاق نامہ اپنے درد و فراق کا اس برگزیدہ عالم (شیخ عبداللہ بیابانی) کو تحریر کیا۔ یہ شعر اس خط کا عنوان تھا :

طاقت صبر مرا نیست درین بحر طویل قدمے زود بنہ بر سر این پیر علیل
مختصر یہ کہ میں آمادہ ہو گیا کہ ہندوستان کے شہروں کی طرف اور اس ویران بیابان کی طرف جاؤں جہاں وہ گنج معانی (شیخ عبداللہ بیابانی) مقیم تھا۔

وصل

دوسرے روز چاشت کے وقت مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ واللہ اعلم، فرزند شیخ عبداللہ کا دیدار نصیب ہو یا نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے جدا ہو (بلکہ) میرے جنازے کی نماز میں موجود رہو۔ یہ بات سنتے ہی مجھ پر رقت طاری

۱۔ مؤلف خاندان زہیری کتبوی (۲ : ۲۵۶) نے لکھا ہے کہ شیخ لاڈن کی پیدائش

۸۸۶ھ اور وفات ۹۲۵ھ میں ہوئی۔ شیخ عبدالغفور لاڈن نامور عالم اور شیخ

طریقت تھے، بشہور علماء ان کے شاگرد تھے۔ ملاحظہ ہو :

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو) ص ۱۵۳، ۱۶۶۔

(۲) شمس التواریخ ۲ : ۱۲ - ۱۳۔

(۳) المشاہیر ص ۳۸ - ۳۹۔

ہو گئی۔ میں نے سر زمین پر رکھ دیا اور واپس ہوا۔ اس کے بعد تقریباً ایک ہفتے تک استغراق میں رہے۔ کسی شخص سے بات نہیں کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ مشاہدہ حق تعالیٰ میں مستغرق رہتے تھے۔ ہر نماز کے وقت تجدید وضو کرتے اور اپنے آپ کو بھر احدیت میں ڈال دیتے تھے۔ حضرت نے عشاء کی نماز کے بعد آنکھ کھولی، مسکرائے اور انتقال فرما گئے۔ حضرت کی وفات سترہویں ماہ جادی الاولیٰ کو ہوئی۔ حضرت شیخ کی تاریخ وفات یہ ہے:

مرشد انس و ملک شاہ سہاء الدین چو رفت
اے جالی ہر سرور عرش آمد گام او [۱۸۳]
ہشت خلد آمد بنام او اگر پرسد کسے
سال تاریخش بگو ہشت آمدہ ہر نام او
۸۹۰۱ = ۱۹۶ + ۷۰۵

حضرت کے غسل کے وقت تمام درویش جو برج سعادت کے ستارے اور درج سیادت کے گوہر، حضرت حاجی البحرین حاجی عبدالوہاب، حضرت مخدوم مولانا عبداللہ الہداد، سلطان المحققین برہان المدقین حضرت مخدوم زادہ شیخ نصیر الدین حضرت زبدۃ العارفین مالک المحققین سلطان المدقین شیخ عبدالغفور اور یہ احقر الانام خاک ہائے خاص و عام (جالی) سب حاضر تھے۔ سب تبرکاً ان کے جسم مبارک پر ہانی ڈالتے تھے۔ چنانچہ سب نے دیکھا کہ (انہوں نے) کلمہ شہادت پڑھنے کے لیے انگشت شہادت کو کھڑا کیا اور کئی مرتبہ اللہ اللہ کہا، چنانچہ حاضرین نے سنا۔ سب ہر ایک عجیب و غریب حالت طاری ہو گئی۔ حضرت کا مدفن حوض شمسی (دہلی) پر واقع ہے۔

حضرت (شیخ سہاء الدین) نے اپنی وفات سے چند سال پہلے سلطان (شمس الدین التمش) کو خواب میں دیکھا کہ وہ گویا حوض شمسی کے کنارے کھڑے ہیں

- ۱۔ حامد علی خان بیرسٹر ولد حکیم امجد علی خان ساکن امرہ نے ۱۳۱۴ھ میں جالی کا یہی قطعہ تاریخ پتھر پر کندہ کرا کے شیخ سہاء الدین کے مزار پر نصب کرا دیا ہے۔ (لسٹ آف محمدن اینڈ ہندو مونیمینٹس جلد سوم نمبر ۹۲)۔
- ۲۔ شیخ سہاء الدین کے حالات میں ایک کتاب احمد خان اکبر شاہی نے شجرۂ سہرورد لکھی ہے جس کا واحد خطی نسخہ رضا لائبریری راسپور میں خاکسار ←

اور چبوترے کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ تمہاری یہ جگہ ہے۔ حضرت مخدومی (شیخ ساء الدین) کا مقبرہ مظہرہ اسی مقام پر ہے۔

ہنجم ترا شمر د نبی در چہار یار

حضرت کی وفات کے بعد حضرت خلاصہ الابرار زبدۃ الاخیار شیخ معمور پر نور حضرت شیخ عبدالغفور نے حضرت خلاصۃ المشائخ و الاولیاء شیخ جال ہانسوی کو جو حضرت سلطان المشائخ قطب العالم شیخ فرید الدین کے خلیفہ ہیں۔ خواب میں دیکھا۔ انہوں (عبدالغفور) نے حضرت (ہانسوی) سے دریافت کیا کہ ہمارے شیخ، شیخ ساء الدین کا کونسا مقام ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے شیخ ہمیشہ حضرت خلاصۃ موجودات (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار یاروں میں رہتے ہیں۔ چنانچہ کاتب (جالی) نے یہ شعر ان کے مرثیے کے ترکیب بند میں لکھا ہے :

بیت

ہنجم ترا شمر د نبی در چہار یار از جان و دل قبول نمودند ہر چہار
اے دنیا کو پناہ دینے والے اور بخشنے والے خدا ! اس گنہ گار بد کردار اور
سیدہ کار کو ان درویشوں کے واسطے سے کہ جن کا ذکر اس کتاب میں ہے ،
بخش دے۔

بیت

گو نیک آیم مرا ازیشان گیری ور بد باشم مرا بدیشان بخشی [۱۸۴]

مترجم محمد ایوب قادری کی نظر سے گزرا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ساء الدین کے سلسلے میں ملاحظہ ہو :

- (۱) اخبار الاخیار ص ۲۱۷ - ۲۱۹ -
- (۲) المشاہیر ص ۲۷ - ۴۶ -
- (۳) خاندان زبیری کنہوی ۲ : ۲۵۴ - ۲۵۵ -
- (۴) تاریخ خان جہانی ۲ : ۲۲۶ - ۲۲۸ -
- (۵) سلسلہ عالیہ ص ۱۱ - ۱۲ -
- (۶) خلاصہ شمس التواریخ از حکیم نواب علی خان ۲ - ۱۳ -
- (۷) شمس التواریخ جلد دوم ص ۳ - ۱۱ -

ضمیمہ

عهد سلطنت غلام خاندان

۱۵۱۲۰۶	۵۶۰۲	۱ - قطب الدین ابیک
۱۵۱۲۱۰	۵۶۰۷	۲ - آرام شاہ
۱۵۱۲۱۰	۵۶۰۷	۳ - شمس الدین التتمش
۱۵۱۲۳۵	۵۶۳۳	۴ - رکن الدین فیروز
۱۵۱۲۳۶	۵۶۳۴	۵ - جلالت الدین رضیہ
۱۵۱۲۴۰	۵۶۳۷	۶ - معز الدین بہرام
۱۵۱۲۴۲	۵۶۳۹	۷ - علاء الدین مسعود
۱۵۱۲۴۶	۵۶۴۴	۸ - ناصر الدین محمود
۱۵۱۲۶۶	۵۶۶۴	۹ - غیاث الدین بلبن
۱۵۱۲۸۷	۵۶۸۶	۱۰ - معز الدین کیقباد
۱۵۱۲۹۰	۵۶۸۹	۱۱ - شمس الدین کیومرث

خلجی خاندان

۱۵۱۲۹۰	۵۶۸۹	۱۲ - جلال الدین فیروز
۱۵۱۲۹۶	۵۶۹۵	۱۳ - رکن الدین ابراہیم
۱۵۱۲۹۶	۵۶۹۵	۱۴ - علاء الدین محمد
۱۵۱۳۱۶	۵۷۱۵	۱۵ - شہاب الدین عمر
۱۵۱۳۱۶	۵۷۱۶	۱۶ - قطب الدین مبارک شاہ
۱۵۱۳۱۸	۵۷۱۸	شمس الدین محمود (مدعی)
۱۵۱۳۲۰	۵۷۲۰	۱۷ - ناصر الدین خسرو

۱۔ "ہندوستان ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب "دی ایڈمنسٹریشن آف سلطنت آف دہلی" سے لیے گئے ہیں۔ (م-ا-ق)

تغلق خاندان

۶۱۳۲۰	۵۷۲۰	غیاث الدین تغلق (اول)	- ۱۸
۵۱۳۲۵	۵۷۲۵	محمد بن تغلق	- ۱۹
۶۱۳۵۱	۵۷۵۲	فیروز شاہ	- ۲۰
۶۱۳۸۸	۵۷۹۰	غیاث الدین تغلق (دوم)	- ۱۱
۶۱۳۸۹	۵۷۹۱	فیروز شاہ ظفر	- ۲۲
۶۱۳۸۹	۵۷۹۱	ابوبکر	- ۲۳
۶۱۳۹۰	۵۷۹۲	محمد بن فیروز	- ۲۴
۶۱۳۹۳	۵۷۹۵	سکندر	- ۲۵
۶۱۳۹۳	۵۷۹۵	محمد بن محمد	- ۲۶
۶۱۳۹۵	۵۸۰۲-۷۹۷	نصرت (دریائی وقتہ)	- ۲۷
۶۱۳۱۳	۵۸۱۵	دولت خان لودی	- ۲۸

سید خاندان

۶۱۳۱۳	۵۸۱۷	خضر خان	- ۲۹
۵۱۳۲۱	۵۸۲۳	مبارک شاہ	- ۳۰
۶۱۳۳۳	۵۸۳۷	محمد بن فرید	- ۳۱
۶۱۳۳۵	۵۸۳۹	عالم شاہ علاء الدین	- ۳۲

لودی خاندان

۶۱۳۵۱	۵۸۵۵	بہلول	- ۳۳
۶۱۳۸۹	۵۸۹۳	سکندر	- ۳۴
۶۱۵۱۷	۵۹۲۳	ابراہیم	- ۳۵

مغل شہنشاہ

۶۱۵۲۶	۵۹۳۲	ظہیر الدین بابر	- ۳۶
۶۱۵۳۰	۵۹۳۷	نصیر الدین بہایوں	- ۳۷
تا	تا		

۶۱۵۵۶ ۵۹۶۳

[شیر شاہ نے ۱۵۴۷ء/۱۵۴۸ء میں بہایوں کو ہندوستان بدر کر دیا۔ تقریباً پندرہ سال کے بعد ۱۵۵۵ء/۱۵۶۲ء میں بہایوں نے دوبارہ تخت دہلی حاصل کیا]۔

تاریخ طبع سیر العارفین

(اردو ترجمہ)

از مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین ساہن پال شریف (گجرات)

در طریق فقر و عرفان بے مثال	ایں کتاب ہاک سیر العارفین
بہر درویشان حق آب زلال	در کمالات و حقائق بے نظیر
آنکہ ایوب است مرد با جلال	داد ترینیش جناب قادری
در فن تحقیق حق فرخندہ قال	در علوم ناہری فخر زمن
مشتہر گشتہ عالم خوش مقال	علم تاریخ است از ویے مفتخر
ہم بطبعش سعی بنمودہ کمال	کرد تبویب کتاب و ترجمہ

چون شرافت از خرد تاریخ جست
گفت ، ملفوظ مبارک لازوال

۱۳۹۳ھ

کتابیات

۱۲۹

- ۱ - آب کوثر، شیخ محمد اکرام، فیروز سنز، لاہور ۱۹۵۲ ع -
- ۲ - آثار بدایوں، حافظ محمد فضل اکرم بدایونی، وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۹۱۵ ع -
- ۲ - آثار الصنادید، سرسید احمد خان، سنٹرل بک ڈپو، دہلی ۱۹۶۵ ع -
- ۴ - آثار الصنادید، سرسید احمد خان، پاکستان پبلیکیشنز کراچی، ۱۹۶۶ ع -
- ۵ - آداب العریذین، ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی، (اردو ترجمہ: سلا عبدالباسط) حیدر آباد دکن ۱۹۶۵ ع
- ۶ - آئینہ حقیقت نما، اکبر شاہ خان نجیب آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۵۸ ع -
- ۷ - آئینہ ملتان، منشی عبدالرحمان، مکتبہ اشرف المدارس ملتان ۱۹۷۲ ع -
- ۸ - امجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ
- ۹ - احسن السیر، محمد اکبر جہاں شگفتہ، مطبع آفتاب جہانتاب اجیر ۱۲۹۸ھ
- ۱۰ - احوال و آثار عبداللہ خویشگی، محمد اقبال مجددی، دارالمورخین لاہور ۱۹۷۲ ع
- ۱۱ - اخبار الاخبار فی اسرار الابرار، شیخ عبدالحق دہلوی، کتب خانہ رحیمہ دیوبند -
- ۱۲ - اخبار الاخبار فی اسرار الابرار، شیخ عبدالحق دہلوی، مطبع مجتبیٰ دہلی ۱۳۳۲ھ
- ۱۳ - اخبار العجل معروف بہ اشجار الجبال (قلمی)، راجی محمد، مملوکہ شیخ اقبال احمد بن ارشد علی، علی گڑھ
- ۱۴ - اذکار الابرار، محمد تقی حیدر، آستانہ عالیہ کاظمیہ کاکوری ۱۳۵۷ھ
- ۱۵ - استاذ العلماء (سوانح مفتی لطف اللہ)، حبیب الرحمان خان شروانی، شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ ۱۳۵۶ھ
- ۱۶ - اسرار الاولیاء (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید)، بدر الدین اسحاق، نول کشور پریس کانپور ۱۹۱۷ ع -

- ۱۷ - اعلان سیادت فریدی ، پیر سید رشید احمد (رضوی ، رضوی پریس امریہ - ۱۳۳۲ھ -
- ۱۸ - افضل الفوائد (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء) ، امیر خسرو (اردو ترجمہ محمد لطیف ملک) ، سجاد پبلشرز لاہور ۱۹۶۰ع -
- ۱۹ - افضل الفوائد (راحت المعین) (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء) ، امیر خسرو ، اٹھ والے کی قومی دوکان لاہور -
- ۲۰ - اقتباس الانوار ، شیخ محمد اکرم ہراسوی ، لاہور ۱۸۹۵ع -
- ۲۱ - اکبر نامہ ، ابوالفضل ، ایشیائک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۸۶ - ۱۸۷۷ع -
- ۲۲ - الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدم (ملفوظات مخدم جہانیاں جہاں گشت) ، (دو جلد) علامہ الدین علی حسین (اردو ترجمہ ذوالفقار احمد) ، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۹ھ -
- ۲۳ - الفرع الثانی من الاصل السامی ، نواب صدیق حسن خاں ، مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۱ھ -
- ۲۴ - الفوائد البیہ فی تراجم العنقیہ ، مولانا عبدالحی فرنکی بھلی ، لکھنؤ ۱۲۹۳ھ -
- ۲۵ - المشاہیر ، فیض احمد ، نامی پریس میرٹھ ۱۹۰۰ع -
- ۲۶ - انوار الصفا ، محمد خصلت حسین صابری ، مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹۶۶ع -
- ۲۷ - انوار العارفین ، مولوی محمد حسین مراد آبادی ، مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ -
- ۲۸ - بابا ، فرید الدین مسعود ، جعفر قاسمی (ترجمہ طاہر اسدی) ، لاہور ۱۹۷۱ع -
- ۲۹ - برکات الاولیاء ، امام الدین گلشن آبادی ، افضل المطابع دہلی ۱۳۲۲ھ -
- ۳۰ - برہان المآثر ، سید علی طباطبائی ، تیسری مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ع -
- ۳۱ - بزم صوفیہ ، صباح الدین عبدالرحمان ، دارالمصنفین علی گڑھ ۱۹۳۹ع -
- ۳۲ - بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا ، اختر اورینٹی ، پٹنہ ۱۹۵۷ع -
- ۳۳ - تاریخ اوج ، مولوی حفیظ الرحمان ، دہلی ۱۹۳۱ع -
- ۳۴ - تاریخ افغانہ (حصہ اول) ، محمد شہاب الدین خاں ، حمیدیہ پریس لاہور ۱۳۲۲ھ -
- ۳۵ - تاریخ افغانہ (حصہ دوم) محمد شہاب الدین خاں ، حمیدیہ پریس لاہور ۱۳۲۳ھ -
- ۳۶ - تاریخ اولیائے دہلی ، احمد سعید ، مطبع محبوب المطابع دہلی ۱۳۵۳ع -

۳۷۔ تاریخ ہدایوں ، رائے بخشاور سنگھ ، ٹائپ شدہ مملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی ۔

۳۸۔ تاریخ جدولیہ ، خادم علی ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۸ ع۔

۳۹۔ تاریخ جلیلہ ، غلام دستگیر نامی ، لاہور ۱۹۶۰ ع۔

۴۰۔ تاریخ خاں جہانی و عزیزن افغانی ، خواجہ نعمت اللہ بروی (مرتبہ ڈاکٹر امام الدین) - ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ ، ۱۹۶۲ ع۔

۴۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت (جلد سوم) ، ابوالحسن علی ندوی ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ، لکھنؤ ۱۹۶۳ ع ،

۴۲۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ ، محمد معین دردائی ، تاج پریس ، گیا ۱۹۶۲ ع۔

۴۳۔ تاریخ السانف ، عبد الباری معنی اجمیری ، آگرہ ۱۳۴۳ھ۔

۴۴۔ تاریخ شیراز ہند جونپور ، اقبال احمد ، ادارہ شیراز ہند جونپور ۱۹۶۳ ع۔

۴۵۔ تاریخ فرشتہ ، محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ، نو کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۳ ع۔

۴۶۔ تاریخ فرشتہ ، محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ، بمبئی ۱۸۳۲ ع۔

۴۷۔ تاریخ فیروز شاہی ، ضیاء الدین برنی (سرسید الیٹن) ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۶۲ ع۔

۴۸۔ تاریخ کمپوہان ، چوہدری وہاب الدین کمپوہ امرتسری ، حجازی پریس لاہور ۱۹۳۸ ع۔

۴۹۔ تاریخ مشائخ چشت ، خلیق احمد نظامی ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ ع۔

۵۰۔ تاریخ معصومی ، محمد معصوم بھکری (مرتبہ ڈاکٹر عمر بن داؤد پوٹہ) ، بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ پونا ۱۹۳۸ ع۔

۵۱۔ تاریخی مقالات ، پروفیسر محمد اسلم ، ندوۃ المصنفین لاہور ۱۹۷۰ ع۔

۵۲۔ تحفۃ الطاہرین ، شیخ محمد اعظم تموی (مرتبہ بدر عالم درانی) ، سندھی ادبی بورڈ ، کراچی ۱۹۵۶ ع۔

۵۳۔ تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع تتوی ، (بہ تصحیح و حواشی امیر احمد و نبی بخش بلوچ) ، (اردو ترجمہ اختر رضوی) ، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ ع۔

۵۴۔ تحقیقات اولاد خواجہ صاحب (حصہ اول) ، حافظ محمد حسین اجمیری ، مطبع ابوالعلانی آگرہ۔

۵۵۔ تحقیقات اولاد خواجہ صاحب (حصہ سوم) حافظ محمد حسین اجمیری ، مطبع

ابوالعلائی آگرہ ۱۸۸۶ع -

- ۵۶ - تحقیقی مطالعے ، ڈاکٹر نذیر احمد ، دانش محل لکھنؤ ۱۹۵۴ع -
- ۵۷ - تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ، مرزا محمد اختر دہلوی ، سینہ آدم جی عبد اللہ سنز ، لاہور -
- ۵۸ - تذکرہ بہاء الدین زکریا ، نور احمد خان فریدی ، قصر الادب جگہ والہ ۱۹۵۳ع -
- ۵۹ - تذکرہ شاہ رکن عالم ، نور احمد فریدی ، قصر الادب جگہ والہ ، ۱۹۶۱ع -
- ۶۰ - تذکرہ صدر الدین عارف (حصہ اول) ، نور احمد خان فریدی ، قصر الادب جگہ والہ ۱۹۵۸ع -
- ۶۱ - تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) ، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ۱۹۶۱ع -
- ۶۲ - تذکرہ مصنفین اہل دہلی ، شیخ عبد الحق دہلوی (مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری) ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۰ع -
- ۶۳ - تذکرہ الابوار والاشرار، اخوند درویشہ ، ادارہ اشاعت سرحد پشاور ۱۹۶۰ع -
- ۶۴ - تذکرہ الصلحاء ، محمد عبد الحی بدایونی ، نظامی پریس بدایون ۱۹۱۱ع -
- ۶۵ - تذکرہ العابدین امداد العارفين ، نذیر احمد دیوبندی ، دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۳۳۳ع -
- ۶۶ - تذکرہ مراۃ الغیال ، شیر خان لودی ، مطبع مظفری بمبئی ۱۳۲۶ھ -
- ۶۷ - تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین ، غلام زین العابدین ، پرنٹنگ کمپنی پریس اجمیر ۱۸۹۰ع -
- ۶۸ - تذکرۃ المفسرین (جلد اول) ، قاضی محمد زاہد الحسینی ، دارالارشاد ، کمبیل پور ، ۱۹۶۶ع -
- ۶۹ - تذکرۃ الواصلین ، محمد رضی الدین بسمل بدایونی ، نظامی پریس بدایون ۱۹۳۵ع -
- ۷۰ - تغلق نامہ (مثنوی) ، امیر خسرو دہلوی ، (مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی) مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۳ع -
- ۷۱ - ثمرات القدس من شجرات الانس (قلمی) ، لعل بیگ بخشیش ، مخزنہ نشنل میوزیم آف پاکستان ، کراچی -
- ۷۲ - جمعات شاہی (قلمی) ، مرتبہ مقبول عالم ، مخزنہ نشنل میوزیم آف

پاکستان ، کراچی -

۷۲ - جواہر فریدی ، محمد علی اصغر ، وکٹوریہ پریس لاہور ، ۱۳۰۱ھ -

۷۳ - جواہر فریدی (اردو ترجمہ) ، محمد علی اصغر ، اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور

۷۴ - حدیقت الاولیاء ، عبد القادر تنوی (مرتبہ پر حسام الدین راشدی) سندھی

ادبی بورڈ ، حیدر آباد ۱۹۶۷ع -

۷۵ - حدیقت الاولیاء ، مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبع نولکشور کانپور ۱۸۷۷ع -

۷۶ - حیات بندہ نواز ، احمد ادریس قادری ، کراچی ۱۹۶۵ع -

۷۷ - حیات شہخ شاہی ، محمد ابرار حسین قادری ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۰ع -

۷۸ - خاندان زبیری کنبوی (دو جلد) ، حسین احمد زبیری کنبوی ، مسلم

یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۵۱ع -

۷۹ - خزینۃ الاصفیاء (دو جلد) ، مفتی غلام سرور لاہوری ، مطبع ثمر بند لکھنؤ

۱۸۷۲ع -

۸۰ - خلاصہ شمس التواریخ ، حکیم نواب علی خاں ، مطبع گلزار ابراہیم سراد آباد -

۸۱ - خلاصۃ العارفین ، (احوال و واقعات بہاء الدین زکریا ملتانی) ، اللہ والے کی

قومی دوکان لاہور ۱۹۰۹ع -

۸۲ - خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام ، محمد عبد العی بدایونی ، وکٹوریہ

پریس بدایوں ۱۸۹۹ع -

۸۳ - خیر المجالس (ملفوظات چراغ دہلی) ، حمید قلندر (مرتبہ خلیق احمد نظامی)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۹ع -

۸۴ - خیر المجالس (ملفوظات چراغ دہلی) ، حمید قلندر (اردو ترجمہ احمد علی) ،

واحد بکدھو کراچی ،

۸۵ - دلیل العارفین ، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ معین الدین) ، (خواجہ قطب

الدین بختیار کاکی) مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۱ھ -

۸۶ - ذکر سادات بخاری و سادات بھکر و سادات رسولدار ، (قلمی تالیف ۱۳۰۹ھ)

(مملوکہ خلیفہ الہ داد خان ایچ) -

۸۷ - راحت القلوب ، (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید) ، (نظام الدین اولیاء بدایونی)

اللہ والے کی قومی دوکان ، لاہور -

۸۸ - رجال الشہداء والصلحاء ، قاضی اطہر مبارک پوری ، ممبئی ۱۹۵۸ع -

- ۸۹ - رشحات ، علی بن حسین واعظ کاشفی ، نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ ع -
 ۹۰ - روائع المصطفیٰ من ازہار المرتضیٰ ، صدر الدین بوباری ، مطبع کانپور
 ۱۳۰۷ھ -
 ۹۱ - روضۃ الاتقیاء فی ذکر الاصفیاء ، نبی بخش علوی دلاوری (مرتبہ میجر
 شمس الدین محمد) ، بہاول پور ۱۹۶۸ ع -
 ۹۲ - روضۃ الاقطاب ، محمد بولاق ، محب ہند پریس دہلی ۱۸۸۷ ع -
 ۹۳ - سبع سنابل ، میر عبدالواحد بلگرامی ، مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ -
 ۹۴ - سفر نامہ ابن بطوطہ (دو جلد) ، (اردو ترجمہ محمد حسین) ، بک لینڈ ، کراچی
 ۱۹۶۱ ع -
 ۹۵ - سفینۃ الاولیاء (فارسی) ، شہزادہ دارا شکوہ ، نولکشور پریس کانپور
 ۱۸۸۳ ع -
 ۹۶ - سفینۃ الاولیاء (قلمی) ، شہزادہ دارا شکوہ ، ملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی
 ۹۷ - سفینۃ الاولیاء (اردو) ، شہزادہ دارا شکوہ ، اردو ترجمہ غلام دستگیر
 ناسی) ، اسٹار بک ڈپو - لاہور -
 ۹۸ - سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، خلیق احمد نظامی ، ندوۃ المصنفین دہلی
 ۱۹۵۸ ع -
 ۹۹ - سلسلۃ الذهب ، محمد احتشام الدین عثمانی ، لاہور ۱۳۷۰ھ -
 ۱۰۰ - سلسلہ عالیہ ، حکیم عنایت حسین مارہروی ، (ترتیب و اضافہ فیض احمد) ،
 مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۶ھ -
 ۱۰۱ - سلطان التارکین ، احسان الحق فاروقی ، دائرہ معین المعارف کراچی ۱۹۶۳ ع -
 ۱۰۲ - ملک السلوک ، ضیاء الدین نخشبی ، مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۲۹ھ -
 ۱۰۳ - سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ، وحید احمد مسعود ، پاک اکیڈمی
 کراچی ۱۹۶۵ ع -
 ۱۰۴ - سوانح خواجہ معین الدین چشتی ، وحید احمد مسعود ، سلمان اکیڈمی ،
 کراچی ۱۹۶۱ ع -
 ۱۰۵ - سیر الاقطاب ، الہدیہ چشتی ، نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ ع -
 ۱۰۶ - سیر الاولیاء ، مبارک علوی میر خورد ، مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ -
 ۱۰۷ - سیر الاولیاء (اردو ترجمہ) ، مبارک علوی میر خورد ، اللہ والی کی قوسی
 دوکان ، لاہور -

- ۱۰۸۔ سیرت بایزید ، پروفیسر فضل احمد عارف ، سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور ۱۹۶۵ع -
- ۱۰۹۔ شاہجہان نامہ (تین جلد) ، محمد صالح کنیوہ ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۵۸-۶۰ع -
- ۱۱۰۔ شجرۂ سہرورد (قلمی تالیف ۱۰۰۵ھ) احمد خان اکبر شاہی ، مخزونہ رضا لائبریری ، رام پور -
- ۱۱۱۔ شمس التواریخ (جلد دوم) ، حکیم نواب علی خاں ، مطبع رائے صاحب منشی گلاب سنگھ لکھنؤ ۱۸۹۸ع -
- ۱۱۲۔ طبقات اکبری ، خواجہ نظام الدین ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۹۳۱ع -
- ۱۱۳۔ طبقات ناصری منہاج سراج ، (مرتبہ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی) ، کتاب خانہ نورس لاہور ۱۹۵۲ع -
- ۱۱۴۔ طبقات ناصری منہاج سراج ، (مرتبہ عبد الحی حبیبی) ، انجمن تاریخ افغانستان ، کابل ۱۳۴۲ھ -
- ۱۱۵۔ علم و عمل ، (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم ، مرتبہ محمد ایوب قادری ، ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۶۱ع -
- ۱۱۶۔ علمی نقوش ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، اعلیٰ کتب خانہ ، کراچی ۱۹۵۷ع -
- ۱۱۷۔ عمدۃ التواریخ (تاریخ ہدایوں) ، محمد عبدالحی ہدایونی ، مطبع مطلع العلوم مراد آباد ۱۸۷۹ع -
- ۱۱۸۔ عہد اسلامی کا ہندوستان ، ریاست علی ندوی ، ادارۃ المصنفین ، پٹنہ ۱۹۵۰ع -
- ۱۱۹۔ عین الولايت ، عزیز اللہ شاہ ، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۴ع -
- ۱۲۰۔ فوائد السالکین ، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) (بابا فرید الدین گنج شکر) ، مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۱ھ -
- ۱۲۱۔ فوائد السالکین (اردو) ، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) بابا فرید الدین گنج شکر (اردو ترجمہ) ، محمد بیگ) مطبع مجتہائی دہلی ۱۸۹۸ع -
- ۱۲۲۔ فوائد الفواد (ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجزی ، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۰۸ع -
- ۱۲۳۔ فوائد الفواد ، (ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجزی ، (مرتبہ

- محمد لطیف ملک) ، ملک سراج الدین لاہور ۱۹۶۶ع -
- ۱۲۴ - فوائد الفواد (قلمی) ، ملفوظات نظام الدین اولیاء) ، امیر حسن سجری ، (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری - کراچی) -
- ۱۲۵ - قرآن السعدین ، امیر خسرو ، (بہ تنقید مولوی محمد اسماعیل میرٹھی) ، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۸ع -
- ۱۲۶ - کشف الحقیقت فی تاریخ مشائخ الطریقت ، (اشرف انجماء حکیم عظیم اللہ قادری) (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری ، کراچی) -
- ۱۲۷ - کشف المعجوب (اردو) ، ابوالحسن علی ہجویری ، (اردو ترجمہ مولانا ابو الحسنات قادری) ، رضوی کتب خانہ لاہور ۱۳۹۳ھ -
- ۱۲۸ - کلام منظور اولیاء ، (ہارستان منقبت) ، منشی منظور علی ، (امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۳۷ھ) -
- ۱۲۹ - کلیات جدولیہ فی احوال اولیاء اللہ ، (تحفۃ الابرار جلد چہارم) ، مرزا آفتاب بیگ ، مطبع رضوی دہلی ۱۳۲۳ھ -
- ۱۳۰ - کنز التاریخ ، (تاریخ بدایوں) ، محمد رضی الدین سمن ، نظامی پریس بدایوں ۱۹۰۷ع -
- ۱۳۱ - گلزار ابرار (قلمی) ، محمد غوثی ماندوی ، مملوکہ سید سخاوت علی خسرو ، کراچی
- ۱۳۲ - گلزار ابرار (اردو) ، محمد غوثی ماندوی ، (اردو ترجمہ مولوی فضل احمد) ، مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۶ھ -
- ۱۳۳ - لاہور کے اولیائے چشت ، محمد دین کلیم ، مکتبہ نبویہ ، لاہور ۱۹۶۸ع -
- ۱۳۴ - لاہور کے اولیائے سہرورد ، محمد دین کلیم ، مکتبہ نبویہ ، لاہور ۱۹۶۹ع -
- ۱۳۵ - لباب المعارف العلمیہ ، مولوی عبدالرحیم ، مطبع آگرہ اخبار ، آگرہ ۱۹۱۸ع
- ۱۳۶ - لطائف اشرفی ، (ملفوظات شاہ اشرف جہانگیر) ، نظام یمنی ، نصرت المطاہر دہلی ۱۲۹۹ھ -
- ۱۳۷ - مجموعہ کرامات ہفت احمد ، (محمد یعقوب) ضیاء القادری بدایونی ، نظامی پریس بدایوں ، ۱۳۶۴ھ -
- ۱۳۸ - مخبر الواصلین ، ابو عبداللہ محمد فاضل اکبر آبادی ، کتب خانہ نذیریہ دہلی ، ۱۳۸۵ھ -
- ۱۳۹ - مختصر سیر ہندوستان ، حکیم محمد وحید اللہ بدایونی ، مطبع احمدی (لکھنؤ) ۱۲۷۳ھ -

- ۱۴۰ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، محمد ایوب قادری ، ادارہ تحقیق و تصنیف ، کراچی ۱۹۶۳ء -
- ۱۴۱ - مرآۃ احمدی ، (حالات شیخ احمد نروالی) منشی قدرت اللہ بدایونی ، امیر الاقبال پریس بدایون ۱۳۲۷ھ -
- ۱۴۲ - مرآۃ الانساب ، ضیاء الدین علوی ، مطبع رحیمی جے پور ۱۳۳۵ھ -
- ۱۴۳ - مرآۃ العالم (قلمی) ، بختاور خاں ، نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی -
- ۱۴۴ - مرقع سلاطین معروف بہ آثار المتاخرین ، منشی عبد الغفور دہلوی ، مطبع افتخار دہلی ۱۲۹۱ھ - ۱۸۷۳ع -
- ۱۴۵ - مزارات اولیائے دہلی ، محمد عالم شاہ بخاری ، جید برقی پریس دہلی ۱۳۴۶ھ -
- ۱۴۶ - معارج الولايت (قلمی) ، غلام معین الدین عبد اللہ خویشگی ، (مملوکہ) پروفیسر خلیق احمد نظامی ، علی گڑھ -
- ۱۴۷ - معین الارواح ، خادم حسن ، اجمیر ۱۹۵۶ع -
- ۱۴۸ - مفتاح التواریخ ، طامس ولیم بیل ، نولکشور پریس کانپور ۱۸۶۷ع -
- ۱۴۹ - مقالات الشعراء ، علی شیر قانع تتوی ، (مرتبہ حسام الدین راشدی) سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۷ع -
- ۱۵۰ - ملحق خلاصۃ السیر ، شیخ محمد بیگ نقشبندی برہانپوری ، (مرتبہ ظہور احمد اظہر) کتاب خانہ نورس لاہور ۱۹۷۰ع -
- ۱۵۱ - ملفوظات شاہ عبد العزیز ، مرتبہ قاضی بشیر الدین میرٹھی ، مطبع مجتبیٰ میرٹھ ۱۳۱۴ھ -
- ۱۵۲ - مناقب الاصفیاء ، شعیب فردوسی ، مطبع نور الآفاق - کلکتہ ۱۸۹۵ع -
- ۱۵۳ - مناقب الولايت ، (قلمی) حامد گنج بخش ، مملوکہ خلیفہ الہ داد اوچ -
- ۱۵۴ - منتخب تنقیح الاخبار ، راجا کندن لال اشکی ، سلطان المطابع لکھنؤ ۱۲۶۷ھ -
- ۱۵۵ - مونس الارواح ، جہاں آرا بیگم ، (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) -
- ۱۵۶ - مونس الارواح ، جہاں آرا بیگم ، (اردو ترجمہ : محمد فضل حق) ، مطبع ناسی لکھنؤ ۱۳۱۵ھ -
- ۱۵۷ - میخانہ ، ملا عبدالنبی قزوینی ، (مرتبہ مولوی محمد شفیع) لاہور ۱۹۲۶ع -
- ۱۵۸ - نزہۃ الخواطر ، (جلد اول) حکیم عبدالعہی حسنی ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۳۷ع -

- ۱۵۹۔ نفعات الانس، نور الدین عبد الرحمان جامی، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۸۸۵ ع۔
- ۱۶۰۔ نفعات الانس، (اردو ترجمہ) نور الدین عبد الرحمان جامی، اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور۔
- ۱۶۱۔ نقوش سلطانی، مولانا سلیمان ندوی، کراچی ۱۹۵۱ ع۔
- ۱۶۲۔ نور الدین عبدالرحمن العجاسی، (فہرست مولفات) نصیر اللہ مبشر الطرازی، مطبع دارالکتب قاہرہ ۱۹۶۴ ع۔
- ۱۶۳۔ وفیات الاخیار، محمد احسن وحشی نگرانی، مطبع شام اودھ لکھنؤ ۱۳۲۰ھ۔
- ۱۶۴۔ وقایع شاہ معین الدین چشتی، بابو لال، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۶ ع۔
- ۱۶۵۔ ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، صباح الدین عبدالرحمن، دارا لمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۴ ع۔
- ۱۶۶۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (دو جلد) مولانا مناظر احسن گیلانی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۳ ع۔

رسائل

- ۱۔ تجلیات اولیائے سہرورد، (محمد یعقوب) ضیاء القادری بدایونی، آستانہ زکریا ملتان جنوری ۱۹۵۸ ع۔
- ۲۔ تذکرہ علمائے جونپور (مسلسل) خیر الدین جونپوری (مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری)، سرحد، کراچی اپریل ۱۹۷۴ ع۔
- ۳۔ خسرو ثانی شیخ جالی دہلوی، ڈاکٹر نذیر احمد، اردو ادب علی گڑھ جولائی تا ستمبر ۱۹۵۴ ع۔
- ۴۔ دیوان جلال الدین بانسوی، مغارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۵۹ ع۔
- ۵۔ مدرسہ فقیر والی اور ریاست بہاول پور کے کتب خانے، محمد ایوب قادری، البلاغ، کراچی جہادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ۔
- ۶۔ مولانا ضیاء نقشبی، خلیق احمد نظامی، برہان دہلی، نومبر ۱۹۵۱ ع۔

English Books And Articles

1. Cambridge History of India, Vol. III. edited by Sir. W.Hag (1928).
2. Development of Muslim Religious Thought in India by Mohd Noor Nabi. Aligarh, 1964
3. Hazrat Amir Khusrau of Dehli, prof. Mohd. Habib (Bombay, 1927)
4. History of the Khaljis, Kishori Saran Lal (Bombay, 1967)
5. List of Mohammadan and Hindu Monuments, Vol. II & III, Zafar Hasan, (Delhi, 1918)
6. Life and Works of Amir Khusrau, Waheed Mirza, Calcutta, 1935)
7. Nasiruddin Chiragh-i-Dehli-as a great historical personality, Prof. Mohd. Habib, Islamic Culture. Hyderabad Deccan, (April, 1926)
8. Persian Literature in the Indo-Pakistan Sub-Continent, by Dr. Ghulam Mustafa Khan, (Lahore, 1972)
9. Sheikh Jalaluddin Tabrizi, by Dr. A. Rahim, Journal of the Pakistan Historical Society, Karachi, July 1960.
10. Sheikh Jalaluddin Tabrizi, by Dr. A. Karim, Journal of the Pak. Historical Society, Karachi, October, 1960.
11. The Administration of the Sultanate of Dehli, Dr. Ishtiaq Husain Qureshi (Lahore, 1944)
12. The Imperial Gazetteer of India Vol. II (Historical) (Oxford 1909)
13. The Life and Time of Sheikh Fariduddin Ganj-i-Shakar by Khaliq Ahmad Nizami, Aligarh, 1955.
14. The Sharqi Sultanate of Jaunpur by Mian Mohd. Said (University of Karachi, Karachi. 1972)
15. The Suhrawardi Silsilah and its Influence on Medieval Indian Politics by Khaliq Ahmad Nizami (Delhi, 1957)

اشاريه

- ۱۵۷، ۳۸

سرهنگ - ۳۳

سراج الدین، مولانا - ۸۸

سعد منطقی - ۱۳

سعد الدین حمید، شیخ - ۱۳

سعد الدین حمویہ - ۱۷۹، ۱۷۵

سکندر لودھی، سلطان - ۲۵۹، ۱۹۵

سواء الدین، شیخ - ۱۸۱، ۱۷۲، ۱۹

- ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۰۰، ۲۲۵، ۲۲۷

- ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۵۱

- ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶

- ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴

- ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۶۹

سنائی، حکیم - ۹۹

سومرو - ۲۳۶

سید محمد - ۲۲۳

سود الجباب، خواجہ - ۱۰۳

سیف الدین باختری - ۱۱۲، ۱۷۹

- ۲۲۲

سیف الدین لاجین، امیر - ۸۷

سیف الدین (بن سعد الدین تفتازانی)

- ۱۹۷

سیف الدین محمد - ۲۳۹

ش

شادی خان (فرزند علاء الدین خلجی)

- ۱۰۰

شادی، ملک - ۲۰۸، ۲۰۷

شرف الدین - ۱۰۷، ۱۰۷

شرف الدین، پوری - ۲۱۳

شرف الدین، بقال - ۳۱، ۳۲

ر

راجو قتال، صدر الدین - ۲۲۶، ۲۲۳

- ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۵۵

راجی محمد - ۳۶

راستی بی بی - ۱۷۲، ۱۹۹

رشد مکی، شیخ - ۱۳

رضی الدین، گنج علم - ۲۲۵

رکن الدین دلوالجی - ۱۲۰، ۱۲۱

رکن الدین فردوسی - ۱۰۶، ۱۱۲

- ۱۹۳، ۲۲۲

رکن الدین ابراهیم - ۱۹۰

رکن الدین ابوالفتح ملتانی - ۱۰۱

- ۱۱۹، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۱

- ۱۸۵، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱

- ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶

- ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۸، ۲۲۹

ز

زلیخا - ۱۶۶

زلیخا، بی بی - ۸۰

زغشری، جارا لله ابوالقاسم محمود - ۱۶۲

- ۱۸۵

زنده سنجستانی، شیخ - ۱۶۹

زین الدین خوائی - ۱۹۶

زین الدین علی، شیخ - ۱۲۷، ۱۳۱

- ۱۳۲

س

سائون، بی بی - ۳۵

سراج (منہاج) (مؤلف طبقات ناصری)

۱۷، ۲۵، ۳۵، ۶۹، ۱۰۲،
 ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۵۷، ۱۶۰،
 ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۸۲، ۲۰۵،
 ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۳۹، ۲۴۰،
 ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷ -

شهاب الدین برهان، مولانا ۲۳۵ -
 شهاب الدین غوری، دیکھو معزالدین
 محمد سام -

شیخ الاسلام ۱۹۷ -
 شیخ شاہی رمن تاب (بداونی) ۲۱۷،
 ۲۱۹، ۲۲۰ -
 شیخ صوفی ۱۹۶ -
 شیخ علی ۱۹۶ -
 شیخ محمد (تھاکسری) ۲۳۲ -
 شیخ محمد، شیخ المشائخ ۶۲ -

ص

صباح الدین عبدالرحمن ۱۲۷ -
 صدر الدین سیستانی ۱۸۲ -
 صدر الدین قونوی، شیخ ۱۵۲، ۱۵۳،
 ۱۶۲، ۱۹۸ -
 صدر الدین طیب ۱۳۲ -
 صدر الدین شہرائی، شیخ ۱۷۰،
 ۱۷۱ -

صدر الدین عارف ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۵۳،
 ۱۶۳، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱،
 ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷،
 ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳،
 ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰،
 ۲۲۸ -

صدر الدین محمد (الحسینی) ۱۳۵، ۱۵۳،
 ۱۵۴ -

شرف الدین، خیاط ۲۰۸، ۲۱۹ -
 شرف الدین کاشانی، مولانا ۹۷ -
 شرف الدین قاضی ۱۵۸ -
 شرف الدین منیری، شیخ ۱۱۲، ۱۱۳،
 ۱۱۴ -

شریف (چرجانی)، سید ۱۸۸ -
 شعیب، مولانا ۹۱، ۹۲ -
 شمس الدین (طالب علم) ۱۰۸ -
 شمس الدین، سید ۲۳۳ -
 شمس الدین، اوچی، مولانا ۲۳۶ -
 شمس الدین خوارزمی ۸۰ -
 شمس الدین دہلوی، قاضی ۱۹ -
 شمس الدین ملتانی، قاضی ۲۳۵ -
 شمس الدین، التمش، سلطان ۱۵،
 ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۳، ۳۵،
 ۳۷، ۳۸، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷،
 ۱۵۸، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۳۱،
 ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷ -

شمس الدین دیر ۷۱، ۷۲ -
 شمس الدین طاہر، سید ۱۸، ۱۹ -
 شمس الدین محمد، مولانا (روجی)
 ۱۹۷ -

شمس الدین یحییٰ ۱۲۳ -
 شمس الملک، خواجہ ۸۱ -
 شہاب ساحر ۵۳، ۵۴ -
 شہاب خاں ۲۵۲ -
 شہاب الدین (ابن بابا فرید) ۷۰ -
 شہاب الدین احمد ۱۳۶ -
 شہاب الدین، مولانا (اجودھنی) ۵۰ -
 شہاب الدین سہروردی، شیخ ۴۰ -

عبدالکریم شروانی ۱۲۶ -

عبدالله ، شیخ ۸ -

عبدالله ، شیخ ۳۳ -

عبدالله (جن) ۲۳۰ -

عبدالله بیابانی ، شیخ ۲۶۲ ، ۲۶۳ -

۲۶۵ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ -

عبدالله انصاری ، شیخ ۹ -

عبدالله ، جاجی ۱۹۷ -

عبدالله (رومی) ۱۶۰ ، ۱۶۱ -

عبدالله یاقعی ، شیخ ۲۲۶ -

عبدالله (ابن ابوالموید) ۳۶ -

عبدالله الهداد ۲۶۸ -

عبدالله مسعودی ۲۴ -

عبدالله اللطیف ۱۲۵ -

عبدالقادر تھانوسری ، قاضی ۱۲۹ ،

۱۳۲ ، ۲۳۱ ، ۲۳۲ -

عبدالواحد ، شمس العارفین ۱۳۰ -

عبدالوہاب ۲۶۸ -

عبید سمرقندی ۱۳۰ -

عثمان ہرونی ، شیخ ۲ ، ۳ ، ۶ ، ۸ -

عثمان سیاح ، شیخ ۱۱۹ ، ۲۰۱ ، ۲۰۳ -

۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ -

عزیز اللہ مولانا ۱۸۶ -

عزیز اللہ ملتانی ۱۸۳ -

عزیز الدین دانیال ۹۰ -

عصمت ، بی بی ۱۹ -

عطا اللہ دانشمند ۲۵۳ -

عطا اللہ محمود ۲۱۰ -

علاء الدین اصولی ۱۱۰ ، ۱۱۱ -

علاء الدین خجندی ، مولانا ۱۸۳ -

۱۸۵ -

صدر الدین ، محمد دیکھو راجو قتال
صدر الدین -

ض

ضیاء الدین ہرنی ، مورخ ۱۳۰ ، ۲۰۳ -

ضیاء الدین بلخی ، حکیم ۱۱ ، ۱۲ -

ضیاء الدین دانشمند ۷۰ -

ضیاء الدین رومی ، شیخ ۱۰۱ ، ۱۰۲ -

ضیاء الدین سنابی ۱۰۵ -

ضیاء الدین شیخ ۴ -

ضیاء الدین نقشبی ۲۲۰ -

ط - ظ

طغرل ۷۳ -

ظہیر الدین بلخی ، مولانا ۱۲ -

ظہیر الدین محمد ، مولانا ۲۰۸ ، ۲۰۹ -

ع

عارف ، مولانا ۷۳ ، ۷۴ -

(حضرت) عائشہ صدیقہ ۱۷۰ -

عبدالحی ۲۳۲ -

عبد الشکور ، شیخ ۲۳۳ -

عبدالعزیز جاسی ۱۹۷ -

عبد الغفور لاری ۱۵۳ ، ۱۹۷ -

عبد الغفور ، شیخ ۲۳۳ -

عبد الغفور لائن ۱۹۶ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ -

۲۶۸ ، ۲۶۹ -

عبد القادر موصلی ۱۶۳ ، ۱۶۵ -

عبد القادر بدایونی ۲۰ ، ۱۹۳ -

عبد القادر جیلانی ۳ ، ۴ ، ۱۳۶ -

عبد القادر سلام پوری ، مولوی ۱۳ -

عبد القدوس ، بابا ۱۶۷ -

فاطمه زهرا (ع) - ۱۸۸

فتح الله كاتب ، مولانا ۱۸۶ ، ۱۸۸ -

فتوحا (غلام) ۱۱۲ ، ۱۱۳ -

فخر الدين ۷ -

فخر الدين ۱۸۹ -

فخر الدين زراى ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۶ -

۹۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۲ ، ۱۳۱ ، ۱۳۱ -

فخر الدين عراقى ۱۳۵ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ -

۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۹۸ -

فخر الدين گيلانى ، خواجه ۱۶۳ ،

۱۶۴ -

فخر الدين ناوله ۲۱۶ -

فريد (استاد) ۱۹۵ -

فريد الدين عطار ۲۳۵ -

فريد الدين گنج شکر (بابا فريد) ۵۰ ،

۲۶ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۲ ، ۳۰ -

۳۲ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ -

۴۹ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۴ -

۵۵ ، ۵۶ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۰ -

۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶ -

۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۷۲ -

۷۳ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۷ ، ۷۸ -

۸۱ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۹۰ -

۹۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ -

۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۱۹ ، ۱۲۳ -

۱۳۳ ، ۱۳۵ ، ۱۳۷ ، ۱۳۹ ، ۱۴۱ -

۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۱۶۹ ، ۲۰۳ ، ۲۲۰ -

۲۲۱ ، ۲۶۹ -

فضل الله ، شمع ۲۵۵ -

فيروز شاه تغلق ۲۲۷ ، ۲۳۱ ، ۲۶۲ -

علاء الدين جبورى ، سيد ۱۱۹ -

علاء الدين خلجى ، سلطان ۹۸ ، ۹۹ -

۱۰۰ ، ۱۰۵ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ -

علاء الحق شيخ ۱۹ -

على بهارى ، درويش ۷۵ -

على سجزي ، شيخ ۲۳۱ -

على سيد ۱۴۹ -

على شورينه ۲۱۳ ، ۲۱۵ ، ۲۱۶ -

على متقى قندزى ۱۳۰ -

على ، مولا ۱۱۱ -

على بجورى ، شيخ ۱۳ -

على خضر شيخ ۹۰ -

علم الدين ، علامه ۱۲۱ ، ۳۰۲ ، ۳۰۳ -

علم الدين ، مولانا (اعلم فلسفه) ۱۳۰ -

علاء الدين اسماعيل ۲۰۲ -

علاء الدين طوسى ، شيخ ۱۰۳ ، ۱۱۲ -

علاء الملك ۸۷ ، ۸۸ -

عيسى قادري ، شيخ ۱۴۴ -

عين الدين ۲۱۶ ، ۲۱۷ -

عين القضاة بحدانى ۲۶۴ -

غ

غازى ملك ، ديكهي غياث الدين تغلق -

غلام دستگير نامى ۱۴۴ -

غياث الدين ، بلين ۳۶ ، ۶۳ ، ۷۳ -

۸۰ ، ۸۷ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۱۹۰ -

غياث الدين تغلق ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۳ -

۲۰۶ ، ۲۰۴ -

غياث الدين حسن ، خواجه ۲ -

ف

فاطمه سام ، بنى ۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ -

ک۔ گ

- کبیر خوارزمی ، شیخ ۲۱۲ -
 کبیر الدین اسماعیل ۲۳۴ ، ۲۵۵ -
 کریم الدین ۶۸ -
 کمال الدین اوچی ۱۴۱ ، ۱۴۲ -
 کمال الدین جعفری بدایونی ، قاضی
 ۲۴۸ ، ۲۴۹ -
 کمال الدین سامانی ۹۴ ، ۹۵ -
 کمال الدین حامد ۱۲۷ -
 کمال الدین علی ۱۳۳ -
 کمال الدین محمد یمنی ۱۴۵ -
 کمال الدین مسعود شروانی ۱۶۲ ،
 ۱۶۳ -
 کمال الدین یعقوب ، شیخ ۹۲ ، ۹۳ ،
 ۹۴ -
 کوہر (سٹریٹ) ۲۴۴ -
 کیسودراز ، سید محمد ۱۳۳ -
- ل
- لاڈن ، شیخ ، دیکھیے عبدالغفور لاڈن -
 لہری بی بی ۱۲۷ -
- م
- مبارک کرمانی ، خواجہ ۱۰۱ ، ۱۳۰ -
 مبشر خواجہ ۹۹ ، ۱۱۰ -
 محمد خواجہ ۱۳۸ -
 محمد (ابن شہاب خان) ۲۵۲ -
 محمد تغلق ، سلطان ۱۳۰ ، ۲۰۴ -
 محمد روجی ، شیخ ۱۹۷ -
 محمد شاہ غوری ۵۲ -
 محمد شہزادہ ۱۹۲ -
 محمد شیخ ۳۰ -

ق

- قاسم معری ۳۶ -
 قانع تتوی ، علی شیر ۱۴۷ -
 قباچہ بیگ ۲۵ ، ۲۶ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ،
 ۱۷۶ -
 قتلع خان ۸۵ -
 قدر خان ، شہزادہ ۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ۱۹۲ -
 قرا بیگ ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ -
 قوسم خاتون ۴۳ -
 قطب الدین ایبک ، سلطان ۱۰۴ ، ۱۵۶ ،
 ۱۵۷ -
 قطب الدین بختیار کاکی ۵ ، ۶ ، ۱۵ ،
 ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ،
 ۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰ ،
 ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۷ ،
 ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۸ ،
 ۴۹ ، ۵۰ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۸ ،
 ۷۸ ، ۱۱۷ ، ۱۲۹ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ،
 ۲۱۳ ، ۲۱۵ ، ۲۲۱ ، ۲۴۲ -
 قطب الدین ترمدی ، سید ۳۷ -
 قطب الدین غزنوی ، سید ۱۰۳ ،
 ۲۲۲ -
 قطب الدین کشانی ، مولانا ۱۷۶ ،
 ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۲۱۳ -
 قطب الدین بہرام ۱۸۸ -
 قطب الدین مبارک شاہ ۱۰۰ ، ۱۰۱ ،
 ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۱۹ ، ۲۰۱ ،
 ۲۰۲ -
 قطب الدین ناقلہ ، مولانا ۸۱ -

نصیر الدین بلخی ۱۳۳ -

نصیر الدین ، شیخ (سجادہ نشین) ۱۹ -

نصیر الدین (بن ساء الدین) ۱۹ ،

۱۹۶ ، ۲۵۸ ، ۲۶۱ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶

- ۲۶۸

نصیر الدین محمود چراغ دہلی ۲۳ ،

۳۷ ، ۴۵ ، ۵۰ ، ۵۶ ، ۵۷ ، ۵۹ ،

۷۵ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۸ ،

۱۰۰ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ،

۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۱۷ ،

۱۲۳ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ،

۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ،

۱۳۵ ، ۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۲ ،

۲۰۱ ، ۲۰۵ ، ۲۲۱ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ -

نصیر الدین محمود ، سلطان ۶۳ ، ۶۴ -

نظام ، خواجہ ۱۳۰ ، ۱۳۱ -

نظام الدین اولیاء ، بدایونی ۵ ، ۶ ،

۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۳ ، ۲۵ ،

۲۶ ، ۳۲ ، ۳۶ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۳ ،

۴۴ ، ۴۷ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۵۳ ،

۵۵ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶ ،

۶۸ ، ۶۹ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۷۲ ، ۷۳ ،

۷۵ ، ۷۶ ، ۷۷ ، ۷۸ ، ۷۹ ، ۸۱ ،

۸۲ ، ۸۳ ، ۸۶ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۸۹ ،

۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۹۵ ،

۹۷ ، ۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ،

۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ،

۱۰۷ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ،

۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۱۹ ،

۱۲۰ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ،

۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ،

۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۳۹ ، ۱۴۱ ،

۱۴۸ ، ۱۵۵ ، ۱۵۸ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ،

۱۶۲ ، ۱۶۷ ، ۱۶۸ ، ۱۷۰ ، ۱۷۲ ،

۱۷۵ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۷۹ ،

۱۸۵ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۲۰۱ ،

۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸ ،

۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۵ ، ۲۱۶ ،

۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۷ ،

- ۲۳۸

نظام الدین ابوالموید ، شیخ ۱۳ ، ۳۵ ،

۳۶ ، ۳۷ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۲۲ -

نظام الدین خریطہ دار ۶۶ -

نظام الدین محمود ، شیخ ۱۳۵ -

نعمت اللہ ولی ، شاہ ۱۳۵ -

نقیب نیشاپوری ۸۶ -

نواہون ۲۳۳ ، ۲۳۴ -

نوح علیہ السلام ۳ -

نور الحق ، شیخ ۱۹ ، ۹۴ ، ۱۲۲ -

نور الدین بزاز ۷۶ -

نور الدین جندی ، شیخ ۱۵۲ -

نور الدین مجد ، شیخ ۱۳۵ -

نور الدین مبارک غزنوی ۳۵ ، ۳۷ ،

۱۳۷ ، ۲۲۲ -

نور الدین منک یار پراں ۸۹ ، ۹۰ ،

- ۹۱

و - ۵

وجیہ سناسی - قاضی ۲۰۵ -

وجیہ الدین ۱۳۳ -

وجیہ الدین بدایونی ۱۳۹ -

وجیہ الدین ، مولانا ۲۱۶ -

اجودھن ۴۵، ۴۶، ۵۰، ۵۱، ۵۴،
 ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲،
 ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۹، ۷۲، ۷۳،
 ۷۵، ۷۶، ۸۲، ۹۲، ۱۳۷،
 ۱۴۱، ۱۶۰، ۱۶۱ -
 اچہ (اوج) ۶۳، ۷۳، ۱۵۰، ۱۵۷،
 ۱۷۱، ۱۸۲، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۲،
 ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸ -
 احمد آباد ۲۶۳ -
 احمد پور شرقیہ ۲۲۴ -
 اردستان ۱۶۷ -
 استر آباد ۹ -
 اصفہان (اسفہان) ۵ -
 افغان پور ۱۰۸ -
 امر وہ ۲۶۸ -
 اندر پت ۷۳، ۷۴، ۱۰۷، ۱۳۹، ۱۴۱ -
 اودھ ۶۹، ۷۴، ۷۶، ۱۰۸، ۱۲۶ -
 اوش ۵، ۲۱، ۲۳، ۳۲ -
 ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۲۲۹ -

پ - پ

باغ جسرتھ ۸۶ -
 باغ رانی ۸۶ -
 بٹلی ۱۴ -
 بخارا ۲، ۷۵، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۵،
 ۱۵۷، ۲۱۰، ۲۲۳ -
 بدایوں (بداؤن) ۳۳، ۳۹، ۷۹، ۸۰،
 ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۳۹، ۱۸۳،
 ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۳۷، ۲۳۹،
 بدخشان ۵ -
 بستانہ ۸۶ -

وجیہ الدین احمد ۱۸۷ -
 وجیہ الدین احمد گجراتی ۲۶۲،
 ۲۶۳ -
 وجیہ الدین محمد، سولانا ۲۳۵ -
 وجیہ الدین ترمذی، شیخ ۲۴۹ -
 وجیہ الدین خجندی ۴۳ -
 وجیہ الدین محمد مشہدی ۱۹ -
 وجیہ الدین، مبارک کرمانی دیکھیے
 خورد، سید -
 وجیہ الدین یحییٰ ۳۷ -
 وحید الدین قندری ۱۰۳ -
 وحید قریشی، خواجہ ۱۰۳، ۱۰۴ -
 وحید احمد مسعود ۱، ۲، ۵۰، ۱۳۹،
 ۱۴۲ -
 وحید الدین ۱۱۹ -
 وحید الدین، خواجہ ۵۵، ۵۶ -
 ہلال طشت دار ۸۱ -

ی

یادگار محمد ۹، ۱۰، ۱۱ -
 یحییٰ ۱۲۵ -
 یحییٰ مجذوب ۲۳۳ -
 یعقوب، شیخ ۱۲۳ -
 یقینی نیشاپوری ۸۶ -
 یوسف (مرید) ۷۷ -
 یوسف ہمدانی، شیخ ۵ -
 یوسف (علیہ السلام) ۱۶۶ -

اماکن

الف

اجمیر ۱۴، ۱۶، ۱۹، ۲۶، ۲۹ -

جله ۱۶۴ ، ۲۳۶ -

جرولی ۱۶۲ -

جگپوره ، محله (اوج) ۱۷۸ -

جینا ، دریا ۸۶ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۱۰۸ ،

۱۱۲ ، ۱۱۶ ، ۱۲۶ ، ۲۰۵ -

جودی ، کوه ۳ -

جودی البرز ۳ -

جیل ۳ ، ۴ -

ح

حرمین شریفین ۱۴۳ ، ۲۳۷ -

حصار شادمان ۱۱ -

حطره شهیدانی ۸۶ -

حوض شمسی (بدایون) ۳۳ -

حوض شمسی (دہلی) ۲۸ ، ۳۳ ، ۱۱۲ ،

۱۱۷ ، ۲۶۸ -

حوض شمسی (پٹن) ۹۲ -

خ

خانقاه طوسیان ۱۱۱ -

ختن ۲۵ -

خجند ۱۸۴ -

خراسان ۱ ، ۲۵ ، ۲۸ ، ۲۵ ، ۱۳۰ ،

۱۳۵ ، ۱۳۴ ، ۱۳۸ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ،

۱۵۴ ، ۱۹۳ -

خرقان ۸ -

خطا ۲۵ -

خوارزم ۱۳۳ ، ۱۳۸ -

د - د

دادو ۱۷۴ -

دجله ۳ ، ۱۴۶ -

بغداد ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۱۴۵ ،

۱۴۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۵۷ ، ۲۱۱ ،

۲۲۶ ، ۲۳۹ ، ۲۴۰ ، ۲۴۱ ، ۲۴۴ ،

۲۴۵ -

بلغ ۱۱ ، ۱۲ -

بنگالہ ۱۹ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۱۲۲ ، ۱۲۴ ،

۲۰۴ ، ۲۳۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۳ -

بنی امام ۲۴۰ ، ۲۴۱ -

بہار ۱۰۸ ، ۱۱۲ ، ۱۱۴ ، ۱۹۳ ،

بہاول پور ۲۲۴ -

بہاول نگر ۴۸ -

بیانہ ۲۵۸ ، ۲۶۳ -

بیت المقدس ۱۴۵ ، ۲۲۶ ، ۲۶۷ -

بیدون ٹولہ ، محله (بدایون) ۱۳۹ -

بہکر ۲۲۳ -

پاکستان ۲۲۴ -

پٹن ۹۲ -

پٹیالی ۸۶ ، ۸۷ ، ۱۰۸ -

پشاور ۲ -

پلاتیہ ۲۶۳ -

پیران تتری ۱۷۲ -

ت - ٹ

تارا کڑھ ۱۴ -

تبریز ۵ -

تغلق آباد قلعہ ۲۰ ، ۲۰۴ ، ۲۰۷ ،

۲۰۸ -

تنبلی ۱۴ ، ۱۹ -

ٹھٹھہ ۹۱ ، ۱۵۷ ، ۱۷۴ -

ج

جیل ۳ -

رے ۸۶ -
ریل ۱۷۳ -

س - ش

سامانہ ۹۵، ۹۷ -
سبزوار ۱۰، ۹ -
سجستان ۱ -
سرساوه ۱۱۳ -
سرکیچ ۲۶۳ -
سمرقند ۲ -
منام ۷۲، ۲۰۵ -
منجار ۳ -
منجریستان ۲ -
منجر ۱ -
ننندہ، دریا ۲۵ -
ننندہ ۱۷۳، ۲۰۰ -
نوال ۱۵ -
نیستان ۷۲ -
نیویان ۱۷۳ -
شام ۱۲۱ -
شیراز ۱۳۵، ۱۸۸ -

ص

صالحہ، محلہ (دمشق) ۱۵۳ -

ط

طهران ۸ -

ع - غ

عدن ۱۶۲، ۱۶۳ -
عراق ۱۵۳ -

دروازہ کمال ۸۵ -
دروازہ منڈی ۱۳۳ -
دکن ۱۱۷، ۱۲۲ -
دمشق ۱۵۳ -
دسات ۱۶۵، ۱۶۶ -
دولت آباد ۹۲ -

دہلی ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۵، ۲۶، ۲۸،
۳۰، ۳۱، ۳۵، ۳۶، ۴۰، ۴۴،
۴۵، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۳، ۶۶،
۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۵، ۷۶،
۷۸، ۸۰، ۸۳، ۸۵، ۹۰، ۹۱،
۹۳، ۹۵، ۹۶، ۱۰۸، ۱۱۲،
۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۹،
۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۶،
۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳،
۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۵،
۱۷۸، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳،
۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۱۳،
۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۲،
۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۸،
۲۵۹ -

دیپالپور ۴۵، ۵۹، ۶۳، ۱۱۹ -

دیہوتلہ ۲۵۰ -

دیوہ محل (دیہوت محل) ۲۵۰ -

ڈیرہ نواب صاحب ۲۲۳ -

ر - ز

راج کڑھ ۱۱۲ -

رتھنبور ۲۶۳ -

رودولی ۷۶ -

روم ۱۶ -

م

- عراق عرب ۲ -
 علی گڑھ ۳۶، ۱۹۷، ۲۱۸ -
 غزنین ۱۲، ۱۳، ۲۶، ۳۵، ۶۸،
 ۷۹، ۱۵۶، ۱۵۷ -
 غیاث پور ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۲،
 ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۳۹، ۲۰۸ -
ف - ق
 فقیر والی ۳۸ -
 قنڈھار ۳۹، ۱۸۳ -
 قونجا ۱۵۲ -
ک - گ
 کابل ۴۲ -
 کاشغر ۱۷۷ -
 کلہیر ۲۳۷ -
 کلکتہ ۲۲۹ -
 کوٹ کروڑ ۱۳۸ -
 کول ۳۶، ۲۱۸ -
 کوہ سلیمان ۱۵۵ -
 کوہ قاف ۲۳۹ -
 کیلو کھری ۲۶، ۸۷، ۸۹، ۹۰،
 ۱۱۲، ۱۲۶، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۳۲ -
 کھوتوال ۴۲، ۶۵ -
 کجرات ۷۰، ۹۱، ۹۲، ۱۲۳، ۲۵۳،
 ۲۶۲، ۲۶۵ -
 گڑھ پٹلی ۱۳ -
 گنگا، دریا ۸۷ -
ل
 لار ۹۰ -
 لاہور ۱۳، ۱۳۵، ۱۶۹، ۱۷۳ -

- ماوراء النہر ۵، ۳۸ -
 مخدوم ہلال موضع ۱۷۳ -
 مدرسہ شیخ جمال (اوج) ۱۸۱ -
 مدرسہ ضیاء الدین (بلخ) ۱۲ -
 مدرسہ فخر الدین عراقی ۱۵۰ -
 مدرسہ قطب الدین کاشانی ۱۷۶ -
 مدرسہ مغربی (دہلی) ۷۵ -
 مدینہ ۱۲۱، ۱۳۵، ۲۰۴، ۲۰۵،
 ۲۲۶ -
 مسجد جامع شمسی ۲۴۹ -
 مسجد فاروقیان (بدایون) ۱۳۹ -
 مسجد ملک عزیز الدین ۲۷ -
 مسجد ستارہ (دہلی) ۳۶، ۲۴۳،
 ۲۴۵ -
 سحر ۱۲۱، ۱۶۵، ۱۶۶ -
 سکس معظمتہ ۲۳، ۹۴، ۱۲۱، ۱۴۳،
 ۱۴۴، ۱۶۴، ۱۷۰، ۲۰۲، ۲۱۱،
 ۲۲۶، ۲۳۷ -
 ملاسہ ۲۶۳ -
 ملتان ۲۵، ۲۶، ۳۲، ۳۶، ۴۸،
 ۴۹، ۶۲، ۶۳، ۷۳، ۱۲۷، ۱۴۳،
 ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲،
 ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹،
 ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۵،
 ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶،
 ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۰،
 ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۲۴، ۲۴۰، ۲۵۲ -
 موصل ۳، ۱۶۵ -
 مومن آباد، دیکھو پٹیالی -
 سوم درہ ۴۰ -

ن - و

- ناگور ۱۱۵ - ۱۶۱ - ۲۱۰ - ۳۵۳ -
 نائن ۱۶۷ -
 نوہنہ بازار (دہلی) ۳۱۶ -
 نیشاپور ۳۳۵ -
 ورنگل ۱۰۶ ، ۱۰۵ -

ہ - ی

- ہانسی ۶ ، ۴۰ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۹ ،
 ۵۰ ، ۶۵ ، ۶۶ ، ۷۸ -
 ہرات ۹ ، ۱۰ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۹۶ -
 ہرون ۲ -
 ہری دیکھئے ہرات -
 ہزار ستون محل (دہلی) ۱۰۳ -
 ہندوستان ۱ ، ۲۵ ، ۷۹ ، ۱۴۴ ،
 ۱۳۸ ، ۱۵۶ ، ۱۸۳ ، ۲۰۰ ، ۲۶۷ -
 ہند و پاکستان ۱۴۴ -
 ہمدان ۵ ، ۱۵۰ -
 یزد ۱۶۷ -

کتب

- آداب المریدین ۴ -
 احیاء العلوم ۱۷۲ -
 اخلاق حسنی ۱۹۷ -
 البلاغ (کراچی) ماہنامہ ۴۸ -
 المفصل فی صناعتہ الاعراب ۱۸۵ -
 ایجاز البیان فی معانی القرآن ۱۶۳ -
 ہزدوی ۱۲۶ ، ۲۶۲ -
 تذکرہ خسرو خان ۲۰۸ -

- تفسیر حسینی ۱۹۷ -
 تفسیر کشاف ۱۶۲ ، ۱۸۵ -
 جامع العلوم (الار المنظم) ۲۲۹ -
 جواہر جلالی ۲۲۹ -
 حدیقہ سنائی ۹۹ -
 خزانہ جلالی ۲۲۹ -
 غیر المجاس ۲۳ ، ۲۶ ، ۹۷ ، ۱۱۷ ،
 ۱۲۹ ، ۱۶۵ -
 دیوان (عراقی) ۱۵۳ -
 راحت الارواح ۲۱۴ -
 روضۃ الرباحین فی حکایت الصالحین ۲۲۷ -
 زاد المسافرین ۱۵۳ ، ۱۵۵ -
 سراج المہدایہ ۲۲۹ -
 سرنامہ ۱۵۳ -
 سورہ یوسف ۱۸۷ -
 سیر الاولیاء ۱۱۹ -
 سیر العارفين ۲۲۷ -
 شجرہ سہرورد ۲۶۸ -
 شرح نودنہ ۲۱۴ -
 طبقات ناصرۃ ۳۸ ، ۱۵۷ -
 طرب المجالس ۱۵۳ ، ۱۵۴ -
 طوالع شمعوس ۲۱۴ -
 عبرۃ المقتضان ۲۲۷ -
 عمدۃ التفاسیر ۱۶۲ -
 عوارف ۶۹ ، ۷۰ ، ۱۴۶ ، ۱۷۲ -
 ۱۷۴ ، ۲۰۵ ، ۲۳۳ -
 غرۃ الکمال ۸۸ -
 قصص الحکم ۱۵۲ -
 فوائد الفوائد ۶ ، ۲۳ ، ۲۶ ، ۳۸ ،
 ۶۵ ، ۸۲ ، ۸۸ ، ۱۱۹ ، ۱۱۸ ،
 ۱۵۵ ، ۱۵۸ ، ۱۸۲ ، ۲۸۵ ، ۲۹۳ -

قبائل و فرق

- آتش درست ۶، ۷، ۸ -
افغان ۲۱، ۲۵۶ -
بحری ۱۷۳، ۲۱۳ -
بقال ۳۱، ۸۳، ۲۴۴، ۲۲۶ -
بواسحاقی ۹۱ -
ترک ۲۵، ۵۷، ۵۹، ۹۹، ۱۱۵ -
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۷، ۲۱۵، ۲۴۳ -
حیدری ۹۰، ۹۱ -
درویش ۲، ۳۹، ۵۰، ۵۳، ۵۵ -
۹۳، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۲۰ -
۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۷۷، ۳۶۰ -
سثرینی ۲۱ -
شیوخ (پارچه باف) ۱۱۰، ۱۱۱ -
طوسی ۹۰، ۹۱، ۱۱۱، ۱۱۳ -
فروسی ۱۱۳ -
هندو ۱۶ -
قلندر ۳۷، ۵۶، ۵۷، ۹۰، ۹۱ -
۱۰۶، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۱، ۱۳۱ -
۱۳۵، ۱۳۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۳ -
۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹ -
کفار ۱۳، ۳۸ -
کدی ۲۴۹ -
مغول (منگول) ۲۵، ۲۶، ۱۴۴ -

- ران المحدثین ۳۴ -
ران کریم ۲، ۳، ۱۰، ۲۰، ۲۲ -
۳۰، ۳۸، ۸۵، ۱۰۲، ۱۵۵ -
۱۶۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۸۰، ۱۸۲ -
۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹ -
۲۰۵، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۲، ۲۳۳ -
۲۴۲، ۲۶۸ -
کنز الروز ۱۵۳ -
گلشن راز ۱۵۴ -
لمعات (عراق) ۱۹۸ -
وائج (حمید الدین ناگوری) ۷۲ -
۲۱۴ -
مراة الجنان ۲۲۷ -
مظہر جلالی ۲۲۹ -
مدن الشفاے سکندر شاہی ۱۹۵ -
مقرر نامہ ۲۲۹ -
مکتوبات عین القضاة ہمدانی ۲۶۴ -
مناقب قطبی ۲۲۹، ۲۳۹ -
نافع (کتاب) ۳۸۷ -
نزیہ الارواح ۱۵۳ -
نصائح الانس ۱۹۷ -
ہدایہ ۱۲۶ -

